مذاہبِ اسلامیہ

خواجہ عباد اللہ اختر
(رفیقِ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ)

4833

مطبوعاتِ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور
(پاکستان)

طبع اول

۱۹۵۲ء

ایکہزار

DATA ENTERED

4733

Marfat.com

فہرست مضامینِ مذاہبِ اسلامیہ

باب	مضمون	نمبر صفحہ
	مؤرخینِ اسلام	۱ تا ۱۶
	مذاہبِ اسلامیہ	۱۶ تا ۲۷
	(۱) شیعہ مذاہب :-	۱۶ تا ۲۰
	سبائیہ و کیسانیہ و حارثیہ و بیانیہ و منصوریہ و خطابیہ اور اسکی شاخیں و راوندیہ و عیسویہ و مغیریہ و باقریہ و جعفریہ و اسماعیلیہ و امامیہ اثنا عشریہ	
	(۲) خوارج :-	۲۰ تا ۲۷
	ازارقہ و نجدات عاذریہ و بیہسیہ و عجاردہ و صلتیہ و میمونیہ و حمزیہ و اطرافیہ و خلفیہ و خازمیہ و شعیبیہ و معلومیہ و ثعالبہ و شیبانیہ اباضیہ مرجیہ	
	اسباب تفرقہ	۲۸ تا ۵۰
	تعامل	۵۰ تا ۵۶
	سیاسیات	۵۶ تا ۶۵
	فلسفہ	۶۵ تا ۷۰

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ
۷	عصمتِ انبیاء	۷۰ تا ۸۰
۸	شفاعت	۸۰ تا ۹۰
۹	امامت	۹۱ تا ۱۱۰
۱۰	شجرۂ نسب امامانِ شیعہ	۱۱۱ تا ۱۱۲
۱۱	انتباہ	۱۱۳ تا ۱۱۴
۱۲	مذاہب شیعہ	۱۱۴ تا ۱۷۵
	مختاریّہ	۱۱۴ تا ۱۱۸
	ہاشمیّہ	۱۱۹ تا ۱۲۱
	زراریّہ	۱۲۲ تا ۱۲۳
	کمالیّہ	۱۲۴ تا ۱۲۵
	علیائیّہ	۱۲۵
	مغیریّہ	۱۲۵ تا ۱۲۷
	منصوریّہ	۱۲۸ تا ۱۲۹
	خطابیّہ	۱۲۹ تا ۱۳۹
	مسئلۂ تبنیت	۱۳۹ تا ۱۴۲
	تحقیق لفظ سیّد	۱۴۳ تا ۱۴۴
	قرمطیّہ	۱۴۴ تا ۱۴۶
	اثنا عشریّہ	۱۴۶ تا ۱۴۷
	خرمیّہ	۱۴۸
	راوندیّہ	۱۴۸
	رجعیّہ	۱۴۸
	زیدیّہ	۱۴۸ تا ۱۵۰

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ
	کرمیّہ	۱۵۰ تا ۱۵۷
	ماتریدیہ	۱۵۷
	شیخ احمد احسائی	۱۵۷ تا ۱۶۲
	سید علی محمد باب	۱۶۲ تا ۱۶۵
۱۳	خوارج :-	۱۶۶
	ازارقہ وغیرہ	۱۶۶ تا ۱۸۳
۱۴	معتزلہ :- 276	۱۸۴ تا ۱۸۶ (184)
	واصلیہ	۱۸۶ تا ۱۹۹
	مسئلہ تقدیر	۱۹۹ تا ۲۰۵
	ہذیلیہ	۲۰۵ تا ۲۰۶
	نظامیہ	۲۰۶ تا ۲۰۷
	بشریہ	۲۰۷ تا ۲۰۸
	ثمامیہ	۲۰۸
	ہشامیہ	۲۰۸ تا ۲۰۹
	جاحظیہ	۲۰۹ تا ۲۱۰
	خیاطیہ	۲۱۰ تا ۲۱۱
۱۵	جبریہ :-	۲۱۲ تا ۲۱۴
	جہمیہ	۲۱۴ تا ۲۱۶
	نجاریہ	۲۱۶ تا ۲۱۷
	برغوثیہ	۲۱۷
	زعفرانیہ	۲۱۷ تا ۲۱۸
	ضراریہ	۲۱۸

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ
۱۶	صفاتیہ :-	۲۱۹ تا ۲۲۰
۱۷	ابوالحسن اشعری :-	۲۲۰ ، ۲۲۸
۱۸	مسئلہ اسریٰ (معراج)	۲۲۹ ۲۶۰
۱۹	مذاہب اسلامیہ حاضرہ	۲۷۳ ، ۲۷۵
	سرسید احمد خاں عفرلہ	۲۷۵ ، ۲۸۲
	حقیقت وحی	۲۸۲ ، ۲۸۶
	پنجاب	۲۸۶ ، ۲۸۷
	اہل قرآن	۲۸۸
	[redacted]	۲۹۶ ، ۳۰۸
	تبصرہ	۳۰۹
	عالم انسانی کا آئندہ مذہب	۳۱۳ ، ۳۳۲

Marfat.com

دیگر مطبوعاتِ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور

نمبر	کتاب	آنہ	روپیہ
	انگریزی :-		
(۱)	اسلامک آئیڈیالوجی (مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ایم۔اے۔ ایل ایل بی۔ پی ایچ ڈی)	۸	۸
(۲)	فنڈامنٹل ہیومن رائٹس (" " ")	۸	-
(۳)	دی فیلیسی آف مارکسزم (" ڈاکٹر محمد رفیع الدین۔ ایم اے۔ پی ایچ، ڈی)	۱۲	-
	اردو :-		
(۴)	عقائد و اعمال (مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی)	۱۲	-
(۵)	اسلام میں حریت، مساوات، اخوت (مصنفہ خواجہ عباد اللہ اختر)	-	۱
(۶)	اسلام اور حقوقِ انسانی (" ")	۴	۱
(۷)	اسلام کا معاشی نظریہ (مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی)	۸	۱
(۸)	دینِ فطرت (" ")	۸	۱
(۹)	اسلام کی بنیادی حقیقتیں (" ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم و دیگر رفقائے ادارہ) ..	۸	۲
(۱۰)	اسلام کا نظریہ تعلیم (مصنفہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین۔ ایم اے۔ پی ایچ، ڈی) ..	-	۱
(۱۱)	اسلام کا نظریہ اخلاق (" محمد مظہر الدین صدیقی)	۱۲	۱
(۱۲)	علم تصوف (" خواجہ عباد اللہ اختر)	-	۲
(۱۳)	مقامِ سنت (" مولانا محمد جعفر ندوی)	-	۲
(۱۴)	خلافتِ اسلامیہ (" خواجہ عباد اللہ اختر)	۸	۵
(۱۵)	اصولِ فقہ اسلامی۔ حدود اللہ و تعزیرات (مصنفہ خواجہ عباد اللہ اختر)	۸	۲
(۱۶)	اسلام کا نظریہ تاریخ (مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی)	-	۳
(۱۷)	تہذیب و تمدنِ اسلامی (حصہ اول) (مصنفہ رشید اختر ندوی)	-	۵
(۱۸)	تہذیب و تمدنِ اسلامی (حصہ دوم) (" " ")	۸	۶
(۱۹)	مسئلۂ اجتہاد (مصنفہ مولانا محمد حنیف ندوی)	۸	۲
(۲۰)	قرآن اور علم جدید (مصنفہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین۔ ایم اے۔ پی ایچ، ڈی) ..	۸	۵

زیرِ طبع کتابیں

(۱) فقہ عمر
(۲) بیدل
(۳) اصول الفقہ (اردو ترجمہ)
(۴) الطرق الحکمیۃ (اردو ترجمہ)
(۵) اسلام اور فطرت
(۶) طب العرب
(۷) انبیاء
(۸) تہذیب و تمدنِ اسلامی (حصہ سوم)
(۹) اسلام میں حیثیتِ نسواں
(۱۰) مسئلۂ زمین
(۱۱) جدید اسلامی ریاست
(۱۲) پنجاب
(۱۳) ویمن ان اسلام
(۱۴) اسلام اینڈ کامیونزم

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مؤرخین اسلام

مؤرخین اسلام نے اپنی تواریخ عمومی میں ان مذہبی فرقوں کے حالات کم و بیش لکھے ہیں جو مسلمانوں میں عقائد کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ لیکن بعض مؤرخین کی تاریخ کا یہ خاص موضوع ہے۔ ان میں سے بعض مؤرخین کی کتابیں اب ناپید ہو چکی ہیں۔ ان کے نام تذکروں میں زندہ ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں مؤرخین کی تواریخ عمومی اور خصوصی سے جو کچھ لیا ہے۔ اس کا حوالہ علیحدہ علیحدہ نہیں دیا۔ قابل ذکر چند نام ہیں۔ جن کی کتابیں خاص شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ مؤرخین اور ان کی کتابوں کا مختصر تذکرہ سر دست کافی ہے۔

ابو منصور عبد القاہر ابن طاہر البغدادی (متوفی ۴۲۹ھ)

تیسری صدی ہجری میں مامون خلیفہ عباسی کے عہد میں علماء و حکماء اسلام کی توجہ خاص کر مذاہب اقوام عالم کی طرف مبذول ہوئی۔ خود خلیفہ علم دوست تھا۔ اس نے مختلف مذاہب کے علما کو دعوت عام دے رکھی تھی کہ اپنے اپنے مذہبی عقائد کا اظہار مجالس مباحثہ و مناظرہ میں آزادانہ کریں۔ جسے "مذہبی آزادی" کہتے ہیں وہ تو "لا اکراہ فی الدین" کے تحت ہر شخص کو حاصل تھی۔ لیکن مباحثہ و مناظرہ میں اپنے مذہبی عقائد کی صداقت اور دوسرے مذاہب کے خلاف ابھی تک کسی نے کچھ نہ کہا تھا۔ اس کی طرح مامون نے ڈالی۔ اس وقت تک اگر کسی نے اپنے مذہب کی تائید میں کچھ لکھا تھا

Marfat.com

تو زیادہ سے زیادہ وہ ایک مذہبی فرقہ کے نمائندہ یا ایک فرد کی ذاتی رائے تھی۔

اب دوسرا دور شروع ہوا۔ اس دور میں مورخین اسلام نے تاریخ مذاہب لکھنی شروع کی۔ ہر ایک مورخ کا تعلق کسی نہ کسی مذہب یا فرقہ سے تھا۔ غیر مذاہب کا تذکرہ لکھتے وقت جب وہ دیکھتا کہ اس کے اپنے عقائد پر بھی زد پڑتی تو وہ غیر مذاہب کی تردید بھی ضمناً کرتا۔ اس طبقہ کے مورخین میں سے ابن حزم کی "الفصل" اور ابو المعالی کی "بیان الادیان" اور سید مرتضیٰ رازی کی "تبصرۃ العوام فی معرفۃ مقالات الانام" اور ابو منصور بغدادی (متوفی ۱۰۳۷ء) کی کتاب "الفرق بین الفرق" مشہور ہیں۔

بغدادی کا تعلق فرقہ "اشعریہ" سے تھا جو مسلمانوں میں کٹر (ORTHODOX) سمجھا گیا ہے۔ اس نے ایک ضخیم کتاب بنام "اصول الدین" لکھی۔ اسی کا خلاصہ کی تاریخ خصوصی "الفرق بین الفرق" ہے۔ اس کتاب میں بغدادی مسلمانوں کے ان فرقوں کے عقاید کا فرق واضح کرتا ہے جو اس کے اپنے زمانے میں موجود تھے ان کے عقاید کی تردید بلاشبہ وہ براہین اور دلائل معقول و منقول سے کرتا ہے ساتھ ہی "لعنۃ اللہ علیہم اجمعین" کا بھی اضافہ کرتا جاتا ہے۔ اس کے تعصب کا یہ عالم ہے کہ امام فخر الدین رازی صاحب "تفسیر کبیر" جو خود بھی تعصب میں کسی سے کم نہیں اپنی کتاب "مناظرات" میں لکھتا ہے کہ:-

"ایک دن شرف الدین مسعودی میرے پاس شادان و فرحاں آیا۔ میں نے پوچھا کہ آج کیا بات ہے کہ آپ خوشی سے جامہ میں پھولے نہیں سماتے۔ کہا کہ خوش قسمتی سے چند کتابیں ہاتھ لگی ہیں۔ میں نے منہ مانگی قیمت کتب فروش کو دی۔ اور یہ خزانہ بے بہا سستے داموں مول لیا۔ میں نے پوچھا کہ میں بھی تو سنوں ان کتابوں کا نام کیا ہے؟ اس نے ان کا نام بتایا۔ ان میں سے ایک شہرستانی کی کتاب ملل و نحل بھی تھی میں نے کہا کہ شہرستانی نے اس کتاب میں مذاہب اہل عالم کا ذکر تو

Marfat.com

ضرور کیا ہے مگر قابل اعتماد نہیں۔ اس لیے کہ جہاں تک مذاہب اسلامی کا تذکرہ ہے۔ اس نے ابو منصور بغدادی کی کتاب الفرق بین الفرق کی نقل کی ہے۔ اور بغدادی سخت متعصب اشعری ہے جس نے حقائق کی صورت ہی مسخ کر دی۔ اور شہرستانی نے اسی پر اعتماد کیا۔ اس لئے وہ خود بھی قابل اعتماد نہیں۔"

امام صاحب نے اپنے دوست کے جذبات مسرت کو جس بیدردی سے کچلا وہ تو اس کا دل ہی جانتا ہوگا لیکن سر دست ہمیں اس کتاب میں بغدادی کی ذاتی رائے یا عقیدہ سے بحث نہیں۔ ہمارے لئے یہ جاننا کافی ہے کہ بغدادی نے رائج الوقت اسلامی مذاہب کی تاریخ لکھی اور وہ کیا ہیں؟ ہمیں دیگر ذرائع سے بھی ان کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں اور اصول تحقیق پر پرکھے جا سکتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی بلاشبہ بلند پایہ عالم ہے اور "فن تنقید" میں ید طولےٰ رکھتا ہے۔ اس فن میں آپ کی کتاب مناظرات "حیدر آباد دکن میں ۱۳۵۵ھ میں شائع ہو چکی ہے۔ اس میں آپ نے حسن بن صباح کے عقاید کا "کھنڈن" دل کھول کر کیا ہے۔ امام صاحب کی تنقید کی کیفیت ہے کہ مخالف آپ کو امام المشککین (SCEPTICES) کہتے ہیں۔ اور عارف رومی کا ارشاد ہے کہ

گر باستدلال کار دیں بدے فخر رازی راز دار دیں بدے
پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

امام صاحب نے حسن بن صباح کی کتاب "فصول چہار گانہ" کی تردید لکھی ہے کتاب "فصول" فارسی میں تھی۔ مگر آج اس کا نشان نہیں ملتا۔ ہمیں امام صاحب کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اس کتاب کے اقتباسات شرح وبسط سے محفوظ کر دیئے یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ آپ نے نادانستہ یا دانستہ حسن کے برہان کو کہاں تک مسخ کیا ہے۔

بغدادی کی کتاب "الفرق بین الفرق" کی قدر و منزلت اس لئے بھی ہے۔ کہ

Marfat.com

شہرستانی اور دیگر مورخین نے جو بعد میں گزرے انہی کا حوالہ زیادہ تر دیا ہے۔ بغدادی کی غرض تو صرف اتنی تھی کہ مختلف اسلامی فرقوں کے عقائد کا جائزہ لیتے ہوئے یہ واضح کرے کہ ان کا باہمی اختلاف کس حد تک ہے اور ان کے اپنے مذہب "اشعری" کے کس حد تک مخالف ہیں۔ ان فرقوں کا مفصل مذکور مناسب مقام پر کریں گے۔

سید تاج الدین ابوالفتح محمد بن ابی القاسم عبدالکریم بن ابی بکر احمد شہرستانیؒ

عبدالکریم شہرستان میں ۴۶۷ھ میں پیدا ہوا۔ شہرستان صوبہ خراسان واقع ایران کا ایک شہر ہے۔ جو خوارزم (خیوا) اور مرو اور نیشاپور کے درمیان ہے۔ شہرستانی کی تصنیفات سے اکثر زمانہ کی دستبرد سے ضائع ہو گئیں۔ علم کلام میں تصنیف "نہایۃ الاقدام" اور "المصارعۃ الفلاسفہ" موجود ہیں۔ شہرستانی نے "المصارعۃ" "شیخ الرئیس" بوعلی سینا کے رد میں لکھی۔ خواجہ نصیر الدین طوسی نے شہرستانی کے رد میں "مصارع المصارع" لکھی۔ اس کے علاوہ شہرستانی نے تفسیر قرآن "مفاتیح الاسرار و مصابیح الابرار" بھی لکھی جو آخر سورہ بقرہ تک ہے۔ اس کے بارے میں ابوالحسن بیہقی لکھتا ہے کہ:

"اصول حکمت کے موافق آیات کی تاویل کی گئی ہے۔ میں نے اسے کہا کہ یہ صحیح طریقہ نہیں۔ تاویل وہی صحیح ہے جو صحابہ یا تابعین نے کی ہے۔ حکمت کا ربط تفسیر و تاویل قرآن سے نہیں ہے اور جس خوبی سے غزالی نے شریعت و حکمت میں ربط دیا ہے تجھ سے نہ ہو سکا۔"

لیکن شہرستانی کی شہرت اس کی کتاب "الملل والنحل" کی وجہ سے ہے۔ اس کا ترجمہ جرمن اور انگریزی میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب کے ماخذ "صفوان الحکمۃ" "ادیان العرب" اور "فصول چہارگانہ" وغیرہ ہیں۔ "صفوان الحکمۃ" فلسفہ میں ہے

Marfat.com

...ن کتاب اب نایاب ہے۔ "فصول چہارگانہ" بھی بے نشان ہے۔ "ادیان العرب" ...فظ "جاحظ" کی تالیف ہے۔

شہرستانی سلطان سنجر سلجوقی کے مقربین میں سے تھا۔ آخر عمر میں گوشہ عزلت ...اختیار کیا۔ ۵۴۹ھ میں وفات پائی اور شہرستان میں دفن ہوا۔

محسن فانی محسن فانی کی اصل کشمیر ہے۔ کتاب "دبستان مذاہب" اس سے منسوب ہے۔ اس کتاب کی خاص خوبی یہ ہے کہ مؤلف ان مذاہب ...کے علماء سے ملاجن کا ذکر اس کتاب میں کرتا ہے۔ جو کچھ ان علماء نے اپنے مذہب کے ...ہ میں بتایا وہی کچھ بلفظہ الحدیا۔ ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص اپنے ہی مذہب کی خوبیاں بیان ...کرتا ہے۔ اس لئے اس کتاب کے مطالعہ سے مذاہب مذکورہ کی خوبیاں جو کچھ ان کے ...ن میں تھیں، واضح ہوتی ہیں۔ دبستان مذاہب میں ایک خاص قابل توجہ بات ایرانی ...طریقوں کی سرگرمی کا تذکرہ ہے۔ جو مسلمانی کے لباس میں کفر و الحاد کی اشاعت کرتے ...تھے۔ مؤلف ان سے ملا اور ان کے حالات پوست کندہ بیان کرتا ہے۔ اس کی تائید ...ہمارے زمانہ میں قاسم زادہ ایرانی نے بھی اپنی کتاب "جلوہ ریزی روح ایران" میں کی ہے۔ ...قاسم زادہ کہتا ہے کہ :۔

"اب جب کہ ہماری قومی حکومت قائم ہو چکی ہے۔ ہمیں علانیہ عربی زبان اور ...عربی دین اسلام کو ترک کرنا چاہیئے۔ اور وہی پیاسید ھاسادا مذہب زرتشت از سر نو اختیار کرنا ...چاہیئے۔" عربی الفاظ کو زبان پارسی سے خارج کرنے کی مہم تو ایران میں عرصہ سے شروع ...ہو چکی تھی۔ اب فارسی "جدید ژند" کے قریب آ رہی ہے۔

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری ابن حزم ہسپانیہ کے مشہور شہر قرطبہ میں ۳۸۴ھ میں پیدا ہوا۔

...اجداد کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔ مورث اعلیٰ معدان یزید بن ابی سفیان صخر بن حرب ابن امیہ ...بن عبد شمس اموی کا مولیٰ تھا۔ ابن حزم کی اصل فارس سے ہے۔ حافظ قرآن اور علوم حدیث ...وفقہ کا بہت بڑا عالم تھا۔ ابتدا میں شافعی المذہب تھا پھر اہل الظاہر کا مذہب اختیار

Marfat.com

گیا۔ باپ اور یہ دونوں حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔ ابن حزم جب دنیوی ریاست سے کنارہ کش ہوگیا تو تحصیل علوم اور عبادت میں لگ گیا۔ وہ خود بہت کتابوں کا مصنف و مؤلف ہے۔ اور سب اسلامیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ فقہ حدیث میں "الایصال الی فہم الخصال الجامعہ لجمل شرایع الاسلام" ہے۔ اس میں اس نے صحابہ اور تابعین اور ائمہ دین کے اقوال کا جابجا حوالہ دیا ہے۔ ایک اور ضخیم کتاب میں مسائل فقہ اور مختلف مذاہب کے عقاید پر تنقید کی ہے مشہور تصنیف "الاحکام لاصول الاحکام" ہے۔ ابن حزم نے اپنے زمانہ اور اس سے پیشتر مسلمانوں کے اکثر فرقوں کا تذکرہ جو گزرے یا جن کے آثار موجود تھے، اپنی کتاب "الفصل فی الملل والاھواء النحل" میں کیا ہے۔ شہرستانی نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں ابن حزم کا اکثر حوالہ دیا ہے۔ اس کے علاوہ ابن حزم کی اور بھی بہت تصانیف ہیں۔

ابن خلکان بحوالہ ابن بشکوال، ابن حزم کے حق میں لکھتا ہے کہ علوم اسلامیہ میں اور علوم اللسان اور بلاغت اور شعر اور تاریخ و سیر میں اس کا جواب نہیں۔

کہتے ہیں کہ اس کی تالیفات کی تعداد چار سو ہے جو آٹھ ہزار اوراق پر مشتمل ہیں۔ ابن حزم کی زبان اور حجاج بن یوسف کی تلوار ان ایام میں ضرب المثل تھی۔ وفات ۴۵۶ھ ۱۰۶۴ء میں واقع ہوئی۔

ابن حزم نے منطق محمد بن حسن المذحجی قرطبی المعروف بابن الکنانی سے پڑھی، جو ادیب شاعر اور طبیب بھی تھا اور طب اور ادب میں رسائل لکھے۔ ابن حزم نے اپنی تصانیف میں منطق سے بہت کام لیا۔ الفصل فی الملل میں لکھتا ہے کہ

"وحدت کا وجود واجب ہے کیونکہ یہ تمام اعداد کی اصل ہے، اس مادی دنیا میں واحد کا وجود مفقود ہے کیونکہ ہر ایک شے قابل تقسیم ہے اور اس طرح کثرت میں رونما ہوتی ہے۔ اس لئے وحدت مجردہ اس دنیا میں نہیں۔ لیکن چونکہ اس کا وجود واجب ہے اس لئے اس مادی دنیا سے باہر ہے۔ اور یہ اللہ ہے۔ اللہ کی ذات حقیقت واحدہ ہے۔ چار نام بر تقاضائے عقل اس کی ذات کے ہیں۔ "احد" اور "اول" اور "حق" اور "خالق"۔ اس کا جسم

Marfat.com

نہیں۔ کیونکہ جو جسم خلق کرتا ہے خود جسم نہیں ہو سکتا۔ وہ نہ تو متحرک ہے نہ ساکن "لیس کمثلہ شیئ" اس کا علم اور دوسری صفات ہماری صفات کی طرح نہیں بحث فی الصفات باری تعالیٰ ایک بدعت ہے جس کی طرح معتزلہ اور جسا ابن الحکم اور دوسرے ائمہ سنے ڈالی۔ اللہ کی صفت ہے کہ وہ خلق فرماتا ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ اس کے لئے مجبور بھی ہو جاہے تو خلق نہ فرمائے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ چونکہ وہ خالق ہے اس لئے بغیر خلق نہیں رہ سکتا تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ عالم بھی علی سبیل بدلیت قدیم ہے۔ اس طرح شرک فی الوجود لازم آئے گا" لیکن ہم کہتے ہیں کہ ان تکلفات کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر اب عالم موجود ہے اور اس کی موجودگی سے شرک فی الوجود لازم نہیں آتا تو اگر بسبیل بدلیت مان بھی لیا جائے تو کیا قباحت ہے حقیقت یہی ہے کہ عالم بذاتہ قائم اور مستقل نہیں، قائم بالحق ہے اور ہمیشہ اس پر تغیرات واقع ہوتے ہیں اور معرض فنا میں ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جسے ہم قدیم یا حادث کہتے ہیں وہ وجود ہی کی دو صفات ہیں۔ اس موضوع پر ہم نے اپنی کتاب "علم تصوف" میں بحث کی ہے۔ اور ان اوراق میں بھی مناسب مقامات پر بحث کی جائے گی۔ لیکن ابن حزم کا نظریہ صحیح ہے کہ خواہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا ظہور نہ ہو اس صفت کی نفی نہیں ہو سکتی۔ ظہور تو ہمارا ہی شعور ہے۔ ورنہ ظاہر و باطن وغیرہ اصطلاحات سب نسبتی امور ہیں اور عالم انہی نسبتی امور کا مجموعہ ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو عالم بھی نہ ہو۔ اسلامی فرقوں بالخصوص معتزلہ نے یونانی فلسفہ کے زیر اثر جو بحث صفات تعالیٰ کے بارہ میں کی ہے وہ محض دماغی تعیش ہے۔

بو ہم چند و چہ و چوں پیچ بے ہودہ؟
ہمیں بس است کہ من بندہ او خداوند است
(لمولف)

ان فلسفیوں اور ان کے حامیوں کو اتنا شعور نہیں کہ بقول ہربرٹ سپنسر کسی زمانہ میں حکماء کے نظریوں پر حکماء کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور اگر یہ ممکن بھی ہو تو واجب ہے کہ خلف سلف سے اختلاف کرے ورنہ ذہنی ارتقاء رک جائے گا۔ اس موضوع پر ہم معتزلہ کے تحت بحث کریں گے۔ فلسفیوں کے خلاف تمام انبیاء و رسل کا توحید پر اتفاق کامل ہے

Marfat.com

دیگر مورخین اسلام

مورخین اسلام کی نسبت ہم لکھ چکے ہیں کہ ان کا تعلق کسی نہ کسی فرقہ سے رہا۔ ہماری طرح وہ فرقہ بندی سے بالاتر نہ تھے اس لئے انہوں نے زیادہ تر وہی باتیں لکھیں جو ان کے اپنے عقائد کے خلاف دکھائی دیں اور ان کی تردید بھی کی۔ مگر یہ سوچنے کی بات ہے کہ ان فرقوں کے عقائد میں یا ان باتوں میں جو وہ منوانا چاہتے تھے۔ کچھ ایسی کشش ضرور ہونی چاہیئے کہ لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ اپنی سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے چالاک لوگ ابلہ فریب باتیں بناتے رہتے ہیں اور وہ اسلامی فرقے جو اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے اور ان میں سے بعض کامیاب بھی ہوئے۔ مستثنیٰ نہیں ہیں۔ لیکن جو وہ کہتے اور لوگ تسلیم کرتے دیکھنا یہ ہے کہ اس میں صداقت کہاں تک ہے۔ انسانی فطرت اور ہر ایک زمانہ کی انسانی ذہنیت کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ آج بھی اسی فطرت اور ذہنیت کا مظاہرہ ہے جو آج سے ایک ہزار سال پہلے دنیائے اسلام کر رہی تھی۔ ہم نے "لیگ آف نیشن" کو بنتے اور بگڑتے دیکھا۔ امن کے نام پر قائم ہوئی اور زیادہ سے زیادہ بدامنی کا موجب بنی۔ اس کی جگہ "یو۔ این۔ او" نے لے لی اور موجود ہے۔ یہ بھی امن کی علم بردار ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کرۂ ارض میں وہ فتنہ و شر اور جنگ و جدال جو آج رونما ہو رہا ہے پہلے تاریخی زمانہ میں کبھی اس وسیع پیمانہ پر نہیں ہوا جو آج شائع ہو رہا ہے۔ یہ سب کچھ ہے مگر "امن" بہر حال پسندیدہ ہے اور اس میں کشش ہے کہ اکثر حکومتیں اس میں شامل ہیں۔

بے عمل لوگوں کی باتیں کتنی ہیں ابلہ فریب
واعظان امن کی ہنگامہ آرائی کو دیکھ (المولف)

وہ اسلامی فرقے جن کے عقاید میں سیاسی اغراض کارفرما تھیں، مذہب کے نام پر اٹھے۔ اس لئے کہ مسلمانان عالم کا اوڑھنا بچھونا صرف دین اسلام ہے اور مختلف قوموں میں نسلی امتیاز کے ہوتے ان میں رابطہ صرف اسی دین کی وجہ سے قائم ہے۔ بلاشبہ انہوں نے مذہب کو سیاست کا غلام بنایا لیکن جو کچھ مذہب نے پیش کیا اس میں کچھ نہ کچھ صحیح دین کی صداقت کی جھلک ضرور دکھائی دیتی ہے۔ ہم نے ان اوراق میں اکثر فرقوں کا ذکر

Marfat.com

گیا ہے ان میں سے بڑے فرقے شیعہ اور خوارج اور معتزلہ اور اہل سنت والجماعت ہیں اور یہی فرقہ در فرقہ تقسیم ہوتے چلے گئے۔ ان مذاہب پر قرآنی مثال شجرہ طیبہ اور شجرہ خبیثہ کی عاید ہوتی ہے۔ یہ مذاہب درخت کی شاخیں اور پتے ہیں جو اپنے وقت پر پھوٹتی رہیں اور سرسبز رہیں اور پھولتی اور پھلتی رہیں آخر ٹوٹ گئیں اور پتے خشک ہو کر جھڑتے گئے۔ پھول کچھ مرجھا گئے اور پھل کچھ حوادث سے خام ہی گر گئے اور جو پختہ ہوتے وہ زیادہ دیر نہ رہ سکے۔ لیکن اصل جوں کی توں ہے اور جب تک زمین میں ثابت ہے اس کی فرع شاخیں وغیرہ اسی طرح آسمان کی طرف بلند ہوتی رہیں گی۔ یہ سب باتیں درخت کی عظمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ تقاضائے فطرت ہے۔ خواہ یہ اختلاف کی صورت میں ہو۔ ایک درخت کے دو پتوں میں اگرچہ مشابہت کامل ہوتی ہے۔ مگر پھر بھی وہ یکساں نہیں ہوتے۔ فطرت سخت اختلاف پسند واقع ہوئی ہے اور اختلاف اور کثرت لازم و ملزوم ہیں۔

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

لیکن فطرت کے پیدا کردہ اختلاف میں شر نہیں، ارتقا ہے۔ اور ارتقار فطری یہ ہے کہ "الاخرۃ خیر و ابقی" شجرہ خبیثہ کو زمین پر قرار نہیں رہتا۔ وہ جلد ہی فنا ہو جاتا ہے لیکن جس شے کو قرار ہو اس کو برقرار رکھنے والی ایک شے ایسی ہے جس کو صداقت کہتے ہیں اور لسان قرآن میں "حق" سے موسوم ہے۔ اصل دین حق ہے۔ باقی سب فروع جو ہنگامی اور وقتی ہیں لیکن حق ان میں بھی رونما ہوتا ہے خواہ وقتی ہی ہو۔

ارشاد قرآن ہے کہ

"یضرب اللہ الحق والباطل، فاما الزبد فیذھب جفاءً، واما ینفع الناس فیمکث فی الارض" (۱۳/۱۷)

"اللہ حق و باطل کی مثال بیان فرماتا ہے تو جو جھاگ (پانی کے ریلے اور آگ میں سونے کے اوپر ظاہر ہوتی ہے) وہ ناکارہ اور فنا ہو جاتی ہے۔ اور جو شے لوگوں کے نفع کی ہو۔ وہ باقی رہتی ہے۔

Marfat.com

باطل کی تعریف قرآن میں یہ کی گئی ہے کہ

"مایبدی الباطل ومایعید" (۲۲/۱۲)

باطل سے نہ کچھ پیدا ہوتا ہے اور نہ پیدائش دہراتا ہے۔

اگر ہم اس حقیقت کو پیش نظر رکھیں تو حق و باطل میں تمیز بھی کر سکتے ہیں۔ فرقہ بندی اور تفرقہ کی تاریخ سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم پہلے اصل دین سے واقف ہوں اور یہ قرآن عظیم میں مفصل مذکور ہے اور اسی پر ہر ایک مذہب کی صداقت پرکھی جا سکتی ہے۔ امام جعفر صادقؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ احادیث اکثر و بیشتر شائع ہو رہی ہیں ان کی صداقت پر کھنے کا معیار کیا ہے۔ فرمایا کہ "قرآن پر پیش کرو اگر قرآن اسے قبول کرتا ہے تو قبول کرو اور اگر رد کرتا ہے تو مردود قرار دو۔ حدیث یا ہر ایک حادث شے وہی قابل قبول ہے جو اصل قرآن سے لگا کھاتی ہو۔ شیعہ فرقوں میں "امام" کو جو درجہ الوہیت دیا گیا۔ وہ آخر بالاجماع اللہ پر ختم ہوا۔ اگر یہ اصل شے ہوتی تو اصل سے جدا نہ ہوتی۔ اس کو پیوند کیا گیا تھا۔ اور رفتہ رفتہ اصل نے اس کو رد کر دیا۔ ہم خلافت راشدہ کے بعد ہر ایک دور میں ہمارے زمانہ تک جو کچھ فرقہ اور تفرقہ کی صورت رہی ان اوراق میں بیان کریں گے۔ یہ حالات ان مورخین نے بیان کئے ہیں جو ان ایام میں موجود تھے یا ان کے زمانہ میں یہ فرقے موجود تھے اور وہ ان کے حالات سے واقف تھے۔ اکثر مورخین تاریخ عمومی میں ان فرقوں کا ضمناً ذکر کرتے ہیں اور یہ بھی بہ تعلق سیاسیات، فرقوں کی تاریخ خصوصی بہت عرصہ بعد لکھی گئی۔ بہر حال یہی مواد ہے جو مورخین نے جمع کیا۔ اور اسی میں سے ہم کچھ باتوں کا انتخاب کرتے ہیں۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (متوفی ۳۱۵ھ/۹۲۲ء) نے اپنی تاریخ عمومی میں باطنی فرقہ کے حالات لکھے ہیں۔ ان کے عقائد صیغہ راز میں تھے۔ اس لئے اس معلوم نہ ہو سکے وہ یہ کہتا ہے کہ قرامطہ اپنے آپ کو محمد بن اسمٰعیل بن امام جعفر صادق کی اولاد کہتے ہیں۔ اس موضوع پر ہم نے ان اوراق میں مناسب مقام پر بحث کی ہے طبری کی تاریخ ۲۰۲ھ/۹۱۰ء سے ۲۹۴ھ/۹۰۶ء پر جہاں تک ان شیعہ فرقوں کا تعلق ہے ختم ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

عریب ابن سعد (متوفی ۳۰۰ھ / ۹۰۰ء) نے اپنے زمانہ کے حالات طبری کے بیان کردہ واقعات کے سلسلے میں بیان کئے ہیں۔ قرامطہ نے بحرین میں جس سرگرمی کا مظاہرہ ابوسعید اور ابو طاہر کے تحت کیا عریب اسے مفصل بیان کرتا ہے۔ نیز فاطمی داعیوں کا بھی ذکر کرتا ہے جو شمالی افریقہ میں بنو فاطمہ کے نام پر تبلیغ میں مصروف تھے عبید اللہ المہدی کی کامیابی پر ختم ہوئی۔

مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ / ۹۵۷ء) اپنی کتاب "تنبیہ" اور "مروج الذہب" میں شیعہ فرقوں بالخصوص قرمطیوں کے حالات ابو طاہر قرمطی کی موت تک لکھتا ہے۔ جو ۳۳۲ھ / ۹۴۴ء میں واقع ہوئی۔ مسعودی کچھ باطنی فرقہ کے عقائد سے بھی واقف معلوم ہوتا ہے اور انہوں نے جو درجات تعلیم و تعلم کے مقرر کر رکھے تھے جو "فری میسن" کے مشابہہ ہے، بیان کرتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسعودی قرامطہ سے ملتا رہا اور جو کچھ انہوں نے اپنی نسبت کہا قلم بند کر دیا۔

حمزہ اصفہانی چوتھی صدی ہجری میں گذرا ہے۔ اس کی تاریخ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان ایام میں دنیائے اسلام اور بالخصوص عراق اور بغداد میں کیسا طوفان بدتمیزی برپا تھا اور ایسا زمانہ عموماً ہر ایک ابن الوقت کے لئے سازگار ہوتا ہے۔

ثابت بن سنعان (متوفی ۳۶۵ھ / ۹۷۶ء) صابی تھا۔ اس کا اور اس کے والد حکیم ثابت بن قرہ کا ذکر ابن خلکان نے میں بھی کیا ہے۔ اس نے تاریخ القرامطہ لکھی ہے یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ "برنارڈ لوئیس" (BERNARD LEWIS) کو مصر میں اس کا ایک نسخہ ہاتھ لگا۔ اس کا ذکر اس نے فرقہ اسمٰعیلیہ کے ضمن میں کیا ہے۔ ثابت قرامطہ کے حالات بہ تعلق بحرین اور شام اور عراق اپنی وفات تک بیان کرتا ہے۔ وہ فاطمی خلیفہ المعز اور قرامطہ کی باہمی لڑائیوں کے حالات چشم دید لکھتا ہے۔ ثابت صابی ہے اس لئے اس کی تاریخ اس لئے زیادہ معتبر ہے کہ اس کا کسی فرقہ سے تعلق نہ تھا۔

ابو عبد اللہ بن رزام بھی چوتھی صدی ہجری میں گزرا ہے۔ اس کا حوالہ نظام الملک وزیر سلجوق سلطان ملک شاہ نے "سیاست نامہ" میں ابن شداد اور ابو الفدا اور

رشید الدین نے جامع التواریخ میں دیا ہے۔ ابن رزام کی تاریخ اب ناپید ہے لیکن اخو محسن علوی اس کا حوالہ اکثر دیتا ہے۔ اخو محسن فاطمی خلیفہ المعز کا ہمعصر تھا۔ مقریزی خطط اور "مقفیٰ" میں ابن رزام اور اخو محسن ہی کا حوالہ دیتا ہے مگر جو کچھ فاطمی خلفاء کے حسب نسب کے متعلق انہوں نے لکھا ہے اسے غیر معتبر قرار دیتا ہے۔ "نویری" (متوفی ۷۳۲ھ/۱۳۳۱ء) "نہایت العرب" میں ابن رزام کا اقتباس اکثر دیتا ہے۔ ابن ندیم نے "فہرست" میں ابن رزام کی تصنیفات کا ذکر کیا ہے۔ ابن رزام فرقہ اسمٰعیلیہ یا باطنیہ اور قرامطہ کے حالات سے واقف تھا۔ جو کچھ اس نے لکھا ہے خود اسمٰعیلی کتب سے اس کی تائید اور تصدیق ہوتی ہے۔ ۴۰۲ھ/۱۰۱۱ء میں ایک منشور بغداد میں خلفاء فاطمیہ کے حسب و نسب پر شائع ہوا۔ اس میں ابن رزام ہی کا حوالہ دیا گیا تھا کہ عبید اللہ المہدی (اول فاطمی خلیفہ) دراصل "دیسان" (میمون القداح) کی نسل سے تھا اور اس کا اصل نام "سعید" تھا۔

بہاء الدین الجندی (متوفی ۷۳۲ھ/۱۳۳۱ء) نے کتاب "السلوک" لکھی۔ وہ ابو عبد اللہ محمد بن مالک بن ابی القبائل کا حوالہ دیتا ہے جو یمن میں ایک مشہور فقیہ سنی تھا۔

ابو عبد اللہ ابتدا میں فرقہ "قرامطہ" میں شامل ہو گیا۔ لیکن عالم اور فقیہ تھا جب اس فرقہ کے اصل حالات سے واقف ہوا تو کنارہ کیا اور ان کے "راز درون پردہ" کو فاش کیا غرض یہ تھی ان لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر لوگ گمراہ نہ ہوں۔ "برنارڈ لوئیس" لکھتا ہے کہ ۱۹۳۹ء میں قاہرہ میں ایک کتاب شائع ہوئی۔ جس کا نام "اسرار الباطنیہ واخبار القرامطہ" ہے۔ مصنف کا نام محمد بن مالک بن ابی الفضائل الحمادی الیمنی لکھا ہے۔ اس کتاب کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف فاطمی خلیفہ مستنصر (۴۲۷ھ— مطابق ۱۰۳۵-۹۴ء) کا ہمعصر تھا۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس کا حوالہ الجندی دیتا ہے وہ یہی کتاب ہے۔

ابوالحسن الاشعری (متوفی ۳۲۱ھ/۹۳۳ء) نے "مقالات الاسلامیین" میں اپنے زمانہ تک اسلامی فرقوں کے عقائد لکھے ہیں عموماً مورخین نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

ابو منصور البغدادی (متوفی ۴۲۹ھ) اور عبد الکریم شہرستانی (متوفی ۵۴۸ھ/۱۱۵۳ء) کے حالات

Marfat.com

ہم لکھ چکے ہیں ۔ ہم نے ان اوراق میں اکثر و بیشتر انہی کا حوالہ دیا ہے ۔ یہ یاد رہے کہ شہرستانی پر بھی شیعہ تھا کہ وہ اگر اسماعیلی نہیں تو ان کا خیر خواہ ہے ۔

"برنارڈ لوئیس کی کتاب "دی اوریجن آف اسماعیلزم" سے بھی ہم نے استفادہ کیا ہے ۔ قاضی القضات عبدالجبار بن محمد بن عبدالجبار معتزلی (متوفی ۴۱۶ھ) کی کتاب "تثبیت دلائل النبوت سیدنا محمدؐ" کا بھی حوالہ دیتا ہے ۔ یہ مسودہ استنبول کی لائبریری میں موجود ہے ۔ اس حد تک تو ہم نے ان مورخین کا ذکر کیا جو بلحاظ عقائد سنی ہیں ۔ لیکن شیعہ امامیہ اگرچہ اسماعیلیہ کے مخالف ہیں مگر ان کے حالات سے بہتر واقف ہیں اور شیعہ ابوالخطاب اور میمون القداح کا احترام کرتے ہیں چونکہ دونوں امام جعفر صادق سے ملنے والے تھے اس لئے ان سے جو احادیث مروی ہیں تسلیم کرتے ہیں حالانکہ دونوں فرقہ باطنیہ کے بانی سمجھے جاتے ہیں ۔ اور اول خلیفہ فاطمی عبیداللہ المہدی تو محمد بن میمون القداح کا بیٹا سمجھا جاتا ہے ۔ شیعہ امامیہ میں ابوعمرو محمد بن عمر بن عبدالعزیز الکشی چوتھی صدی ہجری میں گذرا ہے ۔ اس نے "معارف اخبار الرجال" لکھی ۔ کشی نے مشاہیر کے اقوال جمع کئے اور ان روایات کو بھی قلم بند کیا جو ان مشاہیر کے حالات میں لکھی گئیں یا زبان زد تھیں ۔ کشی شیعہ عالم ابوالقاسم نصر بن صباح البلخی اور ابوالنصر محمد بن مسعود العیاشی السمرقندی کا شاگرد تھا ۔ طوسی نے ان کتب کی فہرست دی ہے جو شیعوں نے لکھیں اور کشی کی کتاب کا خلاصہ بھی دیگر کتب کے ساتھ دیا ہے ۔ شیعہ علماء میں طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) نجاشی (متوفی ۴۵۰ھ) ابن شہر آشوب (متوفی ۵۸۸ھ) اور استر آبادی (متوفی ۱۰۲۸ھ) نے سوانح حیات بانیانِ فرقہ شیعہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے ۔ عموماً جس مورخ کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ ابومحمد الحسن بن موسیٰ النوبختی (متوفی ۳۰۹ھ) اور اس کی کتاب "فرق الشیعہ" کا حوالہ دیا جاتا ہے ۔ اس میں نوبختی نے حضرت علیؓ سے لے کر تمام اماموں کے حالات لکھے ہیں جو محمد المہدی امام قائم منتظر تک ہے ۔ آخر الذکر امام عسکری گیارھویں امام کا بیٹا ہے اور سامرہ میں روپوش ہوگیا ۔ شیعہ عقائد کے مطابق یہ زندہ ہے اور کسی وقت اس کا ظہور ہوگا ۔ اگرچہ بخاری میں مہدی کے بارہ میں کوئی حدیث نہیں مگر اہل سنت والجماعت

Marfat.com

بھی مہدی کے منتظر ہیں۔ ایک اور کتاب "تبصرۃ العوام" سید مرتضیٰ بن داعی حسنی رازی
سے منسوب ہے جو ساتویں صدی ہجری کی لکھی ہوئی ہے۔

اسماعیلی علماء کی کوئی کتاب معتبر ابتدائی صدیوں میں لکھی ہوئی نہیں ملتی۔
"عیون الاخبار" سات مجلدات میں داعی ادریس یمنی نے حضرت علیؓ سے لے کر اپنے
زمانہ (نانویں صدی ہجری) تک لکھی۔ فاطمی خلیفہ المعز کے قاضی القضات ابوحنیفہ نعمان
نے "افتتاح الدعوہ والابتداء الدولہ" لکھی۔ اس میں فاطمی دعوت جو یمن اور شمالی افریقہ
میں شائع ہو رہی تھی اس وقت تک سے فاطمی خلافت کے استقلال تک بیان
کی گئی ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ برنارڈ لوئیس کو ملا۔ اس نے اس کا حوالہ دیا
ہے اور ہم نے اسی کی کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ اسماعیلی کتابیں اور بھی ہیں۔ ان میں سے
شرف علی کی کتاب "ریاض الجنۃ" بمبئی میں ۱۸۶۰ء / ۱۲۷۶ھ میں شائع ہوئی۔ شیخ عبداللہ
بن مرتضیٰ اسماعیلی کی کتاب "الفلک الدوار فی سماء الائمہ الاثار" حلب میں ۱۹۳۳ء
ہمارے زمانہ میں شائع ہوئی ہے۔ یہ امر اچھی طرح ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ اسماعیلی کتب
میں سے کتب تواریخ تو موجود ہیں مگر ان میں اسماعیلی عقائد کا مذکور نہیں یہ صیغۂ راز میں
ہیں۔ لیکن اس میں بھی کلام نہیں کہ عقائد پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں مگر ان کو عوام کی
واقفیت کے لئے شائع نہیں کیا جاتا۔ وہ صرف خاص اشخاص کے فائدہ کے
لئے ہیں۔ "غایت الموالیہ" الخطاب سے منسوب ہے اس میں عبیداللہ المہدی کی
نسبت تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ فاطمی نہ تھا۔ اس موضوع پر ہم نے ان اوراق میں بحث
کی ہے۔

انگریزی میں مستشرقین نے اسلامی فرقوں اور ان کے عقاید کے بارہ میں جو لکھا
ہے وہ انہی کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ ہم نے ان سے بھی استفادہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں
مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے مقالات اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتاب
"تحفہ اثنا عشریہ" اور اس کا رد اور رد کا جواب "آیات بینات" از نواب مہدی علی
محسن الملک بھی ہمارے مطالعہ میں رہا ہے۔ لیکن یہ کتب مناظرہ و مباحثہ پر مشتمل ہیں

Marfat.com

اہل سنت والجماعت کے عقائد پر نجم الدین النسفی (متوفی ۵۳۷ھ) نے ایک کتاب لکھی۔ اس کی شرح علامہ سعد الدین التفتازانی (متوفی ۷۹۱ھ) نے لکھی جو آج بھی مستند سمجھی جاتی ہے۔ اس پر حاشیہ آرائی عرب شاہ اسفرائین اسلام الدین اور احمد بن موسیٰ الخیالی وغیرہ نے کی۔ تفتازانی کے متعلق اس کا ہم عصر ابن خلدون لکھتا ہے کہ

"میرے زمانہ میں علوم عقلیہ پر مشہور و معروف شخصیت سعد الدین تفتازانی نے بہت کتابیں لکھیں جو مصر میں بھی پڑھی جاتی ہیں۔ تفتازانی ہرات واقع خراسان کا رہنے والا ہے۔ ان میں سے بعض علم کلام پر ہیں جو اصول فقہ کی تشریح پر مبنی ہے۔ ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ شخص علوم فلسفہ سے خوب واقف ہے اور اپنے زمانہ کے علماء سے جہاں تک عقلیات کا تعلق ہے اس کا پایہ بلند تر ہے۔"

تفتازانی ماہ صفر ۷۲۲ھ/۱۳۲۲ء میں تفتازان میں پیدا ہوا جو خراسان میں واقع ہے۔ علاؤ الدین الایجی اور قطب الدین کے حلقہ درس میں شامل رہا۔ اس کی تصانیف میں "مطول" اس نے ۷۴۲ھ اور "مختصر المعانی" ۷۵۶ھ اور "تلویح" ۷۵۸ھ میں لکھی "شرح العقائد النسفیہ" ۷۶۸ھ میں خوارزم (خیوا) میں مکمل کی۔ جب تیمور نے خوارزم پر حملہ کیا۔ پیر محمد بن غیاث الدین پیر علی تیمور کی ملازمت میں تھا۔ تیمور کا دستور تھا کہ جہاں بھی فتوحات کے سلسلہ میں جاتا وہاں کے اہل علم و حکمت کو اپنی ملازمت میں لے لیتا۔ اس کا سیاسی فائدہ اسے بہت ہوا۔ پیر محمد کا چچا ملک محمد سرخسی بن ملک معز الدین حسین کرت خود بہت بڑا عالم تھا۔ بھتیجے کے ذریعے تیمور کو تفتازانی کی طلبی کے لئے کہا۔ چچا تو یہ چاہتا تھا کہ تفتازانی سرخس میں آکر اس کے پاس قیام کرے لیکن جب تیمور کو تفتازانی کے علم و فضل کا حال غائبانہ معلوم ہوا تو سمرقند میں طلب کیا۔ تفتازانی نے عذر کیا کہ میرا ارادہ حجاز جانے کا ہے۔ یہ عذر مسموع نہ ہوا تو ناچار آنا ہی پڑا۔ تیمور نے شیراز ۷۸۹ھ میں فتح کیا تو تفتازانی کا پرانا دوست السید الشریف الجرجانی بھی سمرقند میں اس سے آملا۔ عقاید پر دونوں کا اتفاق ہے جیسا کہ جرجانی کی کتاب "التعریفات" سے

Marfat.com

واضح ہوتا ہے۔ لیکن بعض باتوں میں اختلاف بھی ہے۔ ان میں مناظرہ بھی اکثر رہتا۔ اور اختلاف رائے کی وجہ سے ایک دوسرے سے بیگانہ بھی ہوتا گیا۔

ہم نے اس کتاب میں ان مورخین بالخصوص تفتازانی کا اکثر حوالہ دیا ہے۔

خواجہ نصیر الدین محمد بن حسن طوسی دو واسطہ سے شیخ بو علی سینا کے شاگرد تھے محقق طوسی کے لقب سے مشہور ہے۔ اس کی تصانیف میں سے علم عقاید و کلام میں متن تجرید ہے۔ اس کی زندگی پُر آشوب زمانہ میں گزری۔ حسن بن صباح کے فدائیوں ملاحدہ اسماعیلیہ کی قید میں بھی کچھ عرصہ رہا۔ جب ایل خان نے ان پر قابو پایا تو خواجہ بھی رہا ہوا۔ اور اسی کے ہمرکاب رہا۔ وہ بھی نوازشات شاہانہ کرتا رہا بہتر سال سال کی عمر میں ۶۷۲ھ میں فوت ہوا اور حسب وصیت کاظمین میں مدفون ہوا۔

خواجہ فکر شعر بھی کرتا۔ آزادی فکر عقاید کی زنجیریں توڑنا چاہتی تھی، کفر سے متہم ہوا

نظام بے نظام ار کافرم خواند | چراغ کذب را نبود فروغے
مسلماں خوانمش زیرا کہ نبود | سزاوار دروغے جز دروغے

ایک رباعی بابا افضل کاشانی کی خدمت میں لکھ کر بھیجی

اجزائے پیالہ کہ در ہم پیوست | بشکستن آں روا نمیدارد دست
چندیں سر و پائے نازنیں دسر و دست | از بہر چہ ساخت و ز برائے چہ شکست

عارف کاشانی نے جواب دیا

تا گوہر جاں در صدف تن پیوست | از آب حیات صورت آدم بست
گوہر چو تمام شد صدف تا بشکست | برطرف کلہ گوشہ سلطاں نہ نشست

حامد پوسٹ بکس ۲۷ لاہور

Hammad
25.3.7

مذاہبِ اسلامیہ

مسلمانوں میں فرقہ بندی نے جو تفریق ۳۵ھ سے آج تک پیدا کر رکھی ہے اس کا مفصل تذکرہ ان اوراق کا موضوع نہیں اور نہ ہر ایک فرقہ کے حالات نام بنام قلمبند کرنا مقصود ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ بڑے بڑے مذاہب معتزلہ اور شیعہ اور خوارج اور اہل سنت والجماعت کے تحت جو فرقے بنے اور بگڑے عام واقفیت کے لئے ذیل میں ان کے نام اور مابہ الامتیاز عقیدہ کا ذکر کیا جائے۔

شیعہ

۱۔ "سبائیہ" یا "سبئیہ" ـــــ یہ فرقہ عبداللہ بن سبا سے منسوب ہے۔ حضرت علیؓ کی بنسبت یہ عقیدہ ہے کہ آں حضرتؓ کی وفات کے بعد امام برحق ہیں اور فوت نہیں ہوئے، دوبارہ تشریف لائیں گے اور یہ کہ علیؓ اللہ ہے۔ (نعوذ باللہ)

۲۔ "کیسانیہ" یا "مختاریہ" ـــــ یہ فرقہ مختار ثقفی سے منسوب ہے۔ کیسان مختار کا لقب ہے۔ عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے بعد آپ کا بیٹا محمد، جو قبیلہ حنفی کی ایک عورت کے بطن سے ہے اور محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہے، امام ہے اور ابھی تک زندہ ہے
(۱) حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ اور آپ کے بعد

حضرت حسین رض امام ہیں۔ حضرت حسین رض کے بعد امام محمد بن حنفیہ ہے۔ اول الذکر دو حضرت حسن اور حسین دراصل محمد بن حنفیہ کے تحت فرمان تھے۔ ان ایام میں وہ امام غائب تھا

(۲) "کربیہ"۔ محمد بن حنفیہ ابھی تک زندہ ہے اور جبل رضوی میں روپوش ہے۔ دوبارہ آئے گا۔

(۳) "ہاشمیہ"۔ محمد بن حنفیہ فوت ہو چکا ہے۔ اس کا بیٹا ابی ہاشم امام ہے۔ ابی ہاشم فوت نہیں ہوا دوبارہ آئیگا۔

(۴) علویہ۔ ابی ہاشم فوت ہو چکا ہے۔ اس کا بیٹا علی امام ہے اور اس کے بعد اس کی اولاد میں سے حسن اور علی اور حسن امام ہیں۔

۳۔ حارثیہ ——— ابی ہاشم نے اپنا جانشین بذریعہ وصیت معاویہ بن عبداللہ نامزد کیا اور وہی امام ہے اور جبل اصفہان میں زندہ روپوش ہے اور یہی مہدی ہے۔

۴۔ ابی ہاشم نے اپنا جانشین بذریعہ وصیت حضرت عباس عم آں حضرت کی اولاد میں عبداللہ السفاح کو نامزد کیا۔ اس لئے امامت بنو عباس میں منتقل ہو گئی۔

۵۔ بہانیہ "یا" بنانیہ ——— ابی ہاشم بن محمد بن حنفیہ مہدی ہے۔

۶ ابی ہاشم نے بذریعہ وصیت حضرت علی المعروف زین العابدین کے بیٹے محمد الباقر کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

۷۔ "...دریہ" ——— امام محمد الباقر نے ابو منصور کو اپنے بعد امام نامزد کیا

۸۔ "خطابیہ" ——— (۱) امام جعفر صادق اللہ ہے اور اس کا رسول ابوالخطاب ہے

بدیعیہ ——— (۲) امام جعفر صادق اللہ ہے اور رسول مبعوث فرماتا ہے

Marfat.com

"بدیع" رسول ہے۔

"سلمیہ" ——— (۳) ابی الخطاب کے بعد امام مفضل صیرفی ہے۔ اور رسول ہے۔

"معمریہ ——— (۴) امام جعفر صادق اللہ فی السماء ہے۔ اور معمر اللہ فی الارض ہے۔

۹۔ "راوندیہ" ——— (۱) خرمیہ (۲) رزامیہ (۳) ہریریہ } یہ تین فرقے راوندیہ کی شاخیں ہیں۔ ابو مسلم خراسانی کو مظہر الوہیت اور حکیم مقنع وغیرہ جو بعد میں ہوئے انہی مذاہب کے بانی ہیں۔

۱۰۔ "عیسویہ" ——— عیسیٰ ابن موسیٰ عباسی خلیفہ منصور کا برادر زادہ تھا۔ اور افواج عباسیہ کا سپہ سالار تھا۔ منصور کا بیٹا محمد المہدی امام اور عیسیٰ کا بیک وقت ظہور احادیث میں مذکور ہے۔ عیسوی فرقہ عیسیٰ کو امام تسلیم کرتا ہے۔

۱۰۔ "مغیریہ" ——— محمد نفس ذکیہ امام ہے عیسیٰ بن موسیٰ عباسی سپہ سالار کے مقابلہ میں مارا گیا۔ عقیدہ یہ ہے کہ وہ مہدی ہے اور زندہ ہے۔ اور دوبارہ آئے گا۔

۱۰۔ "باقریہ" ——— محمد باقر امام ہے۔

۱۱۔ "جعفریہ" ——— جعفر صادق امام ہے۔

(۱) ناوسیہ:۔ امام جعفر صادق زندہ ہے اور امام غائب ہے۔

۱۲) "اسماعیلیہ" ——— امام جعفر صادق کا بڑا بیٹا اسماعیل امام ہے۔

۱۴۔ "امامیہ اثنا عشری" ——— اسمٰعیل امام جعفر صادق کی زندگی میں فوت ہو گیا۔ امام برحق موسیٰ الکاظم ہے اور آپ کے بعد آپ کی اولاد تا امام مہدی، جو روپوش ہے اور کسی وقت ظاہر ہو گا۔

مورخین اسلام بغدادی اور شہرستانی اور نوبختی وغیرہ نے ساٹھ سے زیادہ فرقوں

کے حالات لکھے ہیں جو شیعہ ہیں۔ ہم نے اختصار سے کام لیا ہے۔ آگے چل کر بعض فرقوں کے حالات کسی قدر تفصیل سے بیان کئے جائیں گے۔

خوارج

خوارج کے حالات ہم نے اپنی کتاب "دمشق" اور "خلافت اسلامیہ" میں لکھے ہیں، اس لئے اس مقام پر اعادہ کی ضرورت نہیں۔ خوارج ان کو ان کے مخالف کہتے تھے یہ اپنے آپ کو "اصحاب شریٰ" سے موسوم کرتے، اور یہ لقب قرآن کی آیات سے اخذ کیا

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰتِہ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ط وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ٥ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ٥ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّھُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ٥ (۱۱)

ان آیات میں خوارج کے تمام فرقوں کے عقاید آجاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم فی سبیل اللہ جہاد کرتے ہیں۔ دوسرے ہمارے جان و مال اللہ کی راہ میں وقف ہیں۔ ان میں سے اکثر حافظ قرآن تھے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سختی سے کرتے۔ مشرکین ان کے نزدیک سب تھے جو ان کے عقائد سے لگاؤ نہ رکھاتے۔ اس لئے بعض فرقوں میں نابالغ لڑکوں کی نسبت یہ عقیدہ تھا کہ وہ چونکہ احکام قرآن سے واقف نہیں اس لئے وہ بھی مشرک ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف تھا کہ وہ جہنم کے لائق ہیں یا نہیں۔ اس پر اتفاق تھا کہ جنت میں نہیں جائیں گے۔ ان کے عقیدہ میں یہ نمایاں ہے کہ زنا اور سرقہ ایسے گناہ ہیں کہ ایمان باللہ کے مخالف ہیں اس لئے زانی اور زانیہ اور سارق اور سارقہ بے ایمان ہیں۔ اس لئے حسب ارشاد قرآن زانی اور زانیہ سے مومنہ عورت اور مومن مرد کا نکاح حرام ہے۔ اس مسئلہ میں وہ "غلو" کرتے۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اگر کوئی گنہگار توبہ کے بعد اپنی اصلاح کر لے تو اللہ غفور الرحیم ہے۔ انسان ضعیف مخلوق ہے حرمت نکاح

Marfat.com

نص قرآنی سے ثابت شدہ حقیقت ہے اور ناقابل انکار ہے۔ مگر اس میں حکمت یہ ہے کہ زانی اور زانیہ سے ہی نکاح کرے۔ یہ علاج بالمثل ہے۔ ہم نے اس مسئلہ پر اپنی کتاب "اصول فقہ اسلامی" میں بحث کی ہے (اس میں کچھ شک نہیں کہ خوارج کا تقویٰ حد اعتدال سے اتنا بڑھا ہوا تھا کہ وہ تمام مسلمانوں کو اسلام سے خارج ہی سمجھتے تھے۔ ان کے عقاید کی جھلک موجودہ زمانہ کے فرقہ "وہابیہ" میں پائی جاتی ہے۔ فرقہ شیعہ تو مسئلہ امامت میں الجھے رہے اور اماموں کو خدائی درجہ دیا۔ لیکن خوارج کسی فرد بشر کو فوق البشر یقین نہیں کرتے۔ شیعہ شخصی حکومت اور خوارج جمہوریت پسند ہیں شیعہ اماموں کو معصوم عن الخطا یقین کرتے ہیں اور خوارج عصمت کے قائل نہیں یہی عقیدہ تھا کہ وہ حضرت علیؓ سے علیحدہ ہو گئے۔ چونکہ خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت دنیا اسلام پر چھا گئی۔ اس لئے بنو ہاشم اور بنو امیہ ان کو دباتے رہے اور ان کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور وہ خود بھی چین سے بیٹھنے والے نہ تھے۔ صدیوں تک اموی اور عباسی حکومت ان کی سرکوبی کرتی رہی اس لئے وہ ابھر نہ سکے اور عرب کے جنوب کی طرف دھکیلے گئے۔ مسقط اور زنجبار میں ان کی آج بھی حکومت ہے۔ ایسے ہی سخت جان تھے کہ آج تک زندہ ہیں۔ خوارج کے مشہور فرقے حسب ذیل ہیں۔)

"ازارقہ" ابی راشد نافع بن ازرق سے منسوب ہے۔ ابن ازرق نے بصرہ سے خروج کیا اور اہواز، کرمان اور فارس پر چھا گیا۔ تقیہ گفتار و کردار میں ناجائز ہے۔ زنا کی سزا رجم نہیں کیونکہ اس کی سند قرآن میں نہیں۔

"نجدات عاذریہ" نجدہ بن عامر حنفی۔ اس نے یمامہ سے خروج کیا۔ اس کے متبعین اس کو امیر المومنین کہتے۔ اس فرقہ کو "عطویہ" بھی کہتے ہیں۔ اس کا مذہب مرو اور سجستان میں شائع ہوا۔

"بیہسیہ" بیہس بن جابر سے منسوب ہے۔ حجاج بن یوسف ثقفی اس وقت والیٔ عراق تھا۔ اس کو گرفتار کرنا چاہا۔ بھاگ کر مدینہ چلا گیا۔ آخر گرفتار ہو کر مقتول و مصلوب ہوا۔ اس مذہب میں یہ عقیدہ نمایاں ہے کہ ایک مسلمان کا

Marfat.com

ایمان باللہ اور رسل پر ہونا کافی ہے اور جو کچھ اللہ نے وحی کیا اور یہ کہ اللہ کے پرستاروں سے محبت اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی واجب ہے۔ "الحب للہ والبغض للہ" اور یہ کہ احکام شریعت کا علم ضروری ہے، جس امر کا علم نہیں اور جس کا جاننا واجبات سے نہیں اس کے لئے انسان مکلف نہیں۔ جب تک کہ اس کی ضرورت اس پر واضح نہ ہو۔ ایمان حق و باطل میں امتیاز کا شعور ہے۔ ایمان کا تعلق قلب سے ہے۔ زبانی اقرار و اعمال سے علیحدہ شے ہے۔ اس فرقہ کی بعض شاخوں کے نزدیک ایمان اور اقرار باللسان اور اعمال ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں۔ اس حد تک تو عقاید ہیں۔ ان کو عملاً اس طرح واضح کیا کہ جو بھی اس مذہب کا مخالف ہے واجب القتل ہے اور اس کا مال، مال غنیمت ہے۔ اگر کسی غیر مسلم کی حکومت ہو تو نماز قصر کرنی چاہیئے جب تک مسلمان امام نہ ہو۔ یہ عقیدہ شیعہ فرقہ سے ملتا جلتا ہے۔ یہ نماز مجتہد کے بغیر باجماعت نہیں پڑھتے۔

"عجاردہ" عبدالکریم بن عجرد سے منسوب ہے۔ اصل میں یہ بیہسیہ کی ایک شاخ ہے۔ اس کا ظہور خلافت اموی کے آخر دور میں ہوا۔ اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جو بھی ملوکیت کے خلاف عملاً جہاد نہیں کرتا وہ خارج از ایمان ہے۔ کفار کے جان اور مال سے تعرض غیر اسلامی ہے۔ کفار کی اولاد کافر ہی ہے اور مسلمان کی اولاد جب تک عاقل اور بالغ ہو کر اسلام سے شناسا نہ ہوں مسلمان نہیں مگر کافر بھی نہیں۔ مطلق کفار کی اولاد جہنم میں جائے گی۔

"صلتیہ" عثمان بن ابی صلت اور صلت بن ابی صلت سے موسوم ہے۔ یہ عجاردہ ہی کی ایک شاخ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نابالغ لڑکے نہ تو کافر ہیں نہ مسلم انہیں غیر جانبدار کہنا چاہیئے۔

"میمونیہ" میمون بن عمران سے منسوب ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ کفار ہوں یا مسلم ان کے معصوم بچے بہشت میں داخل ہوں گے۔ ہر ایک مسلم کا فرض ہے کہ استبدادی حکومت اور اس کے حامیوں کے خلاف جنگ کرے۔ اور ان کے خلاف بھی جو خوارج کے دشمن ہیں۔ ان کے علاوہ کسی سے لڑائی مول لینی نہ چاہیئے۔ انسان اپنے فعل کا ذمہ دار ہے

۴۸۳۳

اللہ تعالیٰ کا ارادہ اپنے بندوں کے حق میں خیر کا ہے۔ اللہ کسی کی برائی نہیں چاہتا۔ اگر کوئی بدعمل کرتا ہے تو خود ذمہ دار ہے۔ اللہ پسند نہیں فرماتا۔

"حمزیہ" حمزہ بن ادرک سے منسوب ہے۔ ان کا عقیدہ "قدر" دیگر عقاید میں میمونیہ سے ملتا جلتا ہے۔ حمزہ کا خروج ۱۷۹ھ میں ہوا۔ میمونیہ سے اختلاف اتنا ہے کہ ان کے نزدیک کفار کے بچے بھی جہنم میں جائیں گے۔ کفار کو جنگ کے حالات میں بھی قتل کرنا جائز ہے۔ بیک وقت دو امام بھی ہو سکتے ہیں۔

"اطرافیہ" ان کا عقیدہ ہے کہ کوئی حکم شریعت جس کی حکمت واضح نہ ہو عملاً فرض نہیں اور اگر ترک کیا جائے تو مضائقہ نہیں اور نہ قابل مواخذہ۔ عقل ہی قربت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اس لئے جو لوگ دنیا اسلام کے "اطراف" پر آباد ہیں اور انہیں پیغام حق نہیں ملا، عقلیات کے ذریعہ گمراہی سے بچ سکتے ہیں۔

"خلفیہ" خلف بن عمر سے منسوب ہے۔ یہ خوارج کرمان اور مکران سے تعلق رکھتے ہیں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان اپنے فعل کا مختار ہے۔ اگر امام موجود نہ ہو تو جہاد جائز نہیں۔

"حازمیہ" حازم بن عاصم سے منسوب ہے۔ عموماً خوارج کا عقیدہ دربارہ حضرت علیؓ وہی ہے جو شیعہ کا دربارہ خلفاء ثلاثہ ہے۔ مگر حازمیہ کا اختلاف اس عقیدہ میں اتنا ہے کہ وہ قطعی رائے یا فیصلہ حضرت علیؓ کی نسبت نہیں کرتے۔ اس فرقہ کو عجاردہ کی ہی ایک شاخ سمجھا گیا ہے۔

"شعیبیہ" شعیب بن محمد سے منسوب ہے۔ اس فرقہ کے عقائد میمونیہ اور عجاردہ سے ملتے جلتے ہیں مگر مسئلہ جبر و اختیار میں اہل سنت والجماعت کے موافق ہیں۔

"معلومیہ" یہ فرقہ حازمیہ کی ہی ایک شاخ ہے ان کا عقیدہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو بجمیع اسماء و صفات کے ساتھ شناخت نہیں کرتا جاہل ہے۔ معتزلہ کی طرح یہ بھی انسان کو اپنے فعل کا مختار یقین کرتے ہیں لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اختیار بھی

Marfat.com

مشیت الٰہی سے ہی ہے اور اسی کے تحت ہے ایک شاخ "مجہولیہ" ہے۔ ضرور نہیں کہ اللہ کے تمام اسماء صفات کی معرفت ہو۔

"ثعالبہ" ثعلبہ بن عامر سے منسوب ہے جو عبدالکریم بن عجرد کے بالکل ہم عقیدہ تھا۔ مگر دونوں میں بچوں کی عمر کے بارے میں اختلاف واقع ہوا۔ اور دونوں میں ایسی بگڑی کہ پھر نہ بنی، ثعلبہ کی یہ رائے ہے کہ بچوں کے متعلق حکم وہی کچھ ہے جو ان کے والدین کی نسبت ہے اسی فرقہ کی ایک شاخ "اخنسیہ" ہے ان کی رائے یہ تھی کہ جس مسلمان کی نسبت معلوم ہی نہ ہو کہ صالح یا بدکار ہے اس کے متعلق کوئی قطعی حکم نہیں دیا جا سکتا۔

دوسری شاخ "معبدیہ" ہے۔ جو معبد بن عبدالرحمٰن سے موسوم ہے۔

تیسری شاخ "رشیدیہ" ہے۔ یہ رشید طوسی سے منسوب ہے۔ ان کو عشریہ بھی کہتے ہیں۔ یہ کہتے کہ ایسی زمین جو آبپاشی سے بے نیاز ہو۔ اس کا بالیہ دسواں حصہ پیداوار ہونا چاہیئے۔

"شیبانیہ" شیبان بن سلمہ سے منسوب ہے۔ ابو مسلم خراسانی کے عہد میں خروج کیا۔ ابو مسلم اس کا حامی تھا۔

"اباضیہ" عبداللہ بن اباض سے منسوب ہے۔ مروان اموی کی خلافت میں خروج کیا۔ اس فرقہ کی بھی کئی شاخیں ہیں۔

"حفصیہ"۔ حفص بن مقدام سے منسوب ہے۔

"یزیدیہ"۔ یزید بن انخسیہ سے منسوب ہے۔ یہ اباضیہ اور ازارقہ اور ان خوارج کے سوا جو ان سے پیشتر گذرے سب کو خارج از اسلام ہی سمجھتے۔ ذمیوں کی نسبت ان کی یہ رائے تھی کہ اللہ اور رسولؐ کے ذمہ میں ہیں۔ خواہ یہ علانیہ یا رسماً مسلمان نہ ہوں۔ لیکن آں حضرتؐ کی سرپرستی تسلیم کریں تو ان سے موالات جائز ہے۔ ہر ایک گناہ خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ، مطلق بے ایمانی کا نتیجہ ہے۔

"حارثیہ" حارث بن محمد سے منسوب ہے۔ مسئلہ قدر میں اباضیہ کے خلاف ہے

"صفریہ زیادیہ" زیاد بن اصفر سے موسوم ہے۔ تقیہ گفتار میں جائز مگر کردار میں

ناجائز ہے۔

"مرجئیہ" مرجئیہ کئی فرقوں کا نام ہے۔ ایک قدریہ، دوسرا جبریہ، تیسرا خالصہ، اور چوتھے مرجئیہ خوارج ہے۔ چونکہ ان کے عقائد میں امر مشترک یہ ہے کہ امامت نص سے نہیں اختیار سے ہے۔ اس لئے ان کو مرجئیہ کہتے ہیں۔

اس کی کئی شاخیں ہیں۔

"یونسیہ"۔ یونس بن عون النمیری سے وابستہ ہیں۔

"عبیدیہ"۔ عبدالمکتب سے منسوب ہیں

"غسانیہ"۔ غسان بن ابان کوفی سے منسوب ہیں۔

"مرجئیہ" مشتق ہے "ارجاء" سے جو تاخیر کے ہم معنی ہیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق ایمان مقدم ہے اور عمل کی حیثیت ثانوی ہے۔ لیکن ایمان کا تعلق قلب سے ہے اگرچہ اعمال سے ایمان کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن ایمان کے ہوتے بھی انسان بدکار ہوتا ہے۔ اس لئے کسی کی بداعمالی پر کفر کا فتویٰ جائز نہیں۔

یہ عقیدہ ابتدائی خوارج کے عقیدہ کے مخالف ہے۔ جس طرح ایک کافر کی طاعت نافع نہیں اسی طرح ایمان کے معصیت بھی مضر نہیں۔ "غسانیہ" کا عقیدہ ہے کہ ایمان زیادہ تو ہو سکتا ہے مگر کم نہیں ہوتا۔

بغدادی لکھتا ہے کہ

"غسان نے اپنی کتاب میں لکھا کہ اس کی رائے بو حنیفہ کے مطابق ہے جو کہتا ہے کہ ایمان علم اور اقرار باللہ ورسلہ وکتبہ ہے۔ مجملاً نہ کہ مفصلاً۔ یہ ضرور نہیں کہ ہم ہر ایک آسمانی کتاب سے مفصل واقف ہوں۔ قرآن میں جہاں تک ان کا مجمل مذکور ہے۔ ہمارے ایمان کے لئے کافی ہے۔ ایمان کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں جس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔"

غسان کہتا ہے کہ کمی نہیں ہوتی مگر بیشی ہوتی ہے۔ اس لئے بوحنیفہ کے قول کے کیسے مطابق ہوا۔

Marfat.com

اگر امام ابو حنیفہ کا یہ قول کہ ایمان میں نہ بیشی ہوتی نہ کمی، تو صریحاً نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔ ارشاد قرآن ہے

" الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم ایتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون " (۹/۵)

" وہ لوگ کہ جب ان کو اللہ کی یاد دلائی جاتی ہے۔ تو ان کے دل ڈرتے ہیں اور جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان زیادہ کرتی ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں "

امام صاحب کے قول کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اور غسانیہ کا یہ عقیدہ کہ ایمان میں زیادتی ہو سکتی ہے کمی نہیں ہوتی، صحیح نہیں۔ جس شے میں زیادتی ہو سکتی ہے کمی بھی ہو سکتی ہے۔ ایسے بھی ہیں جو ہدایت کی جگہ گمراہی خرید کرتے ہیں ایسے بھی ہیں کہ ایمان کو کفر سے بدلتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایسی فضول بحثوں میں اس لئے الجھے کہ ان کا وقت زیادہ تر بیکاری میں گزرتا ہے۔ بیکار ہمیشہ دماغی تعیش یا لہو و لعب میں وقت کاٹتے ہیں۔ یہ بھی کوئی مسئلہ ہے کہ کفار کے بچے اگر بچپن میں فوت ہو جائیں۔ تو ان کا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ جہنم میں یا جنت میں۔ یہ مسئلہ اس لئے خود بخود ذہن میں پیدا ہوا کہ جہنم اور جنت تو اعمال کی سزا و جزا ہے۔ بچے معصوم نہ نیک عمل کئے اور نہ برے ان کو اس دار جزا سے کیا واسطہ۔ کسی نے یہ فتویٰ دیا کہ ان کے والدین جہنم میں ہوں گے تو وہ بھی وہیں رہنے چاہئیں۔ ان کے ذہن میں دار عقبیٰ صرف جہنم اور جنت ہی ہے۔ ایسی فضول بحثوں میں نہ صرف اپنا وقت عزیز ضائع کیا بلکہ ان میں اتنا غلو کیا کہ ہر ایک مخالف کے خلاف کفر و ارتداد کا فتویٰ بھی صادر کیا۔ اچھے بھلے مسلمان مومن کو محض ایک عقیدہ موضوعہ کی بنا پر کافر قرار دیا۔

خوارج شیعہ کی طرح ابتدا میں ایک سیاسی جماعت تھی دونوں میں خلافت اور امامت ہی مسائل متنازعہ فیہ تھے ابتدا میں خوارج اپنے عقائد میں بہت سخت تھے۔ ان کا شعار " لا حکم الا اللہ "

Marfat.com

Hifzur Rehman

تھا۔ ان کا ہمیشہ عام عقیدہ یہی رہا کہ حق حکومت صرف اللہ تعالیٰ خالق کائنات کا ہے اس لئے کسی امام اور حاکم کی ضرورت نہیں۔

ابتدا میں تو تمام مسلمانوں کو جو خوارج نہ ہوں کافر ہی کہتے تھے مگر رفتہ رفتہ نرم پڑتے گئے۔ جیسا کہ ان کے فرقوں کے حالات سے واضح ہوگا۔

Marfat.com

اسباب تفرقہ

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

مورخین جب قوموں کے عروج و نزول کے واقعات بیان کرتے ہیں تو ان کے اسباب پر بھی بحث کرتے ہیں۔ اختلاف اور فرقہ بندی اور تفرقہ کو تنزل کے اسباب میں داخل سمجھا گیا ہے۔ بوقت عروج ہر ایک قوم "امت واحدہ" ہوتی ہے۔ اس کے نصب العین میں اختلاف نہیں ہوتا۔ اور یہ نصب العین ہر ایک فرد قوم کی توجہ کا واحد مرکز ہوتا ہے۔ جسے اس قوم کا اعلیٰ مقصد حیات سمجھنا چاہیے۔ اس کی تکمیل کے لئے وہ اپنی جان و مال سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔

قانون فطرت یہ ہے کہ اگر مطلوب یا مقصود غائب ہو تو طلب یا مقصد حاضر ہوتا ہے۔ اور اگر مطلوب یا مقصود حاضر ہو تو طلب یا قصد مفقود ہوتا ہے۔ پیاسا پانی تلاش کرتا ہے لیکن جب پانی ہاتھ لگے تو پیاس بجھ جاتی ہے اور ساتھ ہی طلب بھی نہیں رہتی اس لئے جب کوئی قوم اپنا مقصد حاصل کر لیتی ہے تو وہ جدوجہد جو مقصد کے حصول کے لئے کی جاتی ہے، ختم ہو جاتی ہے۔ اگر قوم کے سامنے کوئی اور نیا مقصد نہ ہو تو اس کی زندگی بلا مقصد رہ جاتی ہے۔ اور اس کی قوت فکریہ اگر کچھ کام کرتی ہے تو مقصد اول کے قیام و استقلال پر صرف ہوتی ہے۔ آیہ استخلاف میں مسلمانوں سے وعدہ ہوا کہ تمہیں بھی ایسی ہی خلافت ملے گی جیسی پہلی قوموں کو دی گئی۔ مسلمانوں کو ایسی ہی خلافت ملی تو یہ سمجھ

Marfat.com

لیا کہ جو کچھ ملنا تھا مل گیا۔ یہی مقصد تھا جو حاصل ہو گیا۔ اس لئے وہ "جہاد" زندگی جو اس مقصد کے حصول کے لئے ہر ایک فرد قوم میں اپنی پوری شان کے ساتھ نمایاں تھا ختم ہو گیا۔ انہوں نے ان آیات قرآن کی طرف توجہ نہیں کی۔ جن میں بتایا گیا ہے کہ پہلی قوموں نے خلافت کی نعمت کیوں کھو دی۔ اور وہ کیا اسباب ہیں جن کے تحت وہ حاکم سے محکوم بن گئے۔ انہوں نے بھی "سنت الاوّلین" کا اتباع کیا اور تنزل میں آ رہے۔ حالانکہ آیہ استخلاف سے ہی واضح ہوتا ہے کہ خلافت خود مقصد بالذات نہیں۔ ایک ذریعہ ایک اور مقصدِ اعلیٰ کے حصول کا ہے۔ اور یہ "تمکین دین" ہے۔ تمکنت دین کے استقلال کا ذریعہ خلافت ہے جسے دنیوی حکومت کہنا چاہیئے۔ اس کے ذریعے وہ تمام ذرائع زندگی جو تمکین دین کے لئے ضروری ہیں مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئے۔ مناسب یہ تھا کہ دنیا کو دین پر صرف کرتے۔ لیکن دنیا طلبی کو اصل مقصد سمجھا گیا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ ایک شخص جمع مال کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے اور مال کی اصل غرض نظر انداز کر دے۔

مطلوب یا مقصود دو قسم کا ہے ایک وہ جو نزدیک تر ہو اور حواس کے سامنے ہو اس کو اصطلاح قرآن میں "حیواۃ الدنیا وزینتھا" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ادنیٰ زندگی کا مفاد ہے۔ دنیا چونکہ نزدیک تر ہے اور اس کا مفاد محسوس اور مشخص اور معین ہے اس لئے نفس انسانی جو عجلت اور سہولت پسند ہے اسی کو طلب کرتا ہے۔ یہ مفاد بہ نسبت اس کے جو دور اور دور تر ہے حقیر ہوتا ہے اس لئے اس کو "ادنیٰ" بمقابلہ "اعلیٰ" کہا جاتا ہے جو شئے دور ہو اس کے لئے جدوجہد بھی نسبتاً زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ اس کو اصطلاح قرآن میں حیات الآخرۃ سے موسوم کیا گیا ہے۔ ارشاد قرآن ہے

"بل تحبون العاجلۃ وتذرون الآخرۃ" (۲۹/۱۲)

"تم تو ایسی شئے کے دلدادہ ہو جو جلدی ہاتھ آ جائے اور آخرت کو نظر انداز کرتے ہو

بل تؤثرون الحیواۃ الدنیا والآخرۃ خیر و ابقیٰ" (۳۰/۱۲)

"تم تو ادنیٰ زندگی کے مفاد کے پیچھے لگے ہوتے ہو حالانکہ (یہ مفاد قلیل اور فانی ہے اور) آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔"

Marfat.com

"ماهٰذه الحیوٰة الدنیا الا لهو و لعب و ان الدار الاخرة لهی الحیوان لو کانوا یعلمون۔" (۲۱/۳)

"یہ ادنیٰ زندگی کیا ہے؟ یہی لہو و لعب اور تحقیق دارِ آخرت ہی اصل زندگی ہے اگر تم سمجھو۔"

"ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة و فی الاٰخرة حسنة و قنا عذاب النار ہ اولئک لھم نصیب مما کسبوا۔" (۲/۳)

"اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی نیکی دے اور آگ کے عذاب سے بچا، یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کمائی کی ان کا حصہ ہے۔"

"من کان یرید العاجلة عجلنا له فیها ما نشآء لمن نرید ثم جعلنا له جہنم یصلاها مذموما مدحورا ہ ومن اراد الاخرة وسعیٰ لها سعیها وھو مومن فاولئک کان سعیھم مشکورا۔" (۱۵/۴)

"جو کوئی جلدی سے حاصل ہونے والے مفاد کا ارادہ کرتا ہے ہم بھی اس کو وہ کچھ فوراً دیتے ہیں جتنا ہم چاہیں مگر ساتھ ہی اس کے لئے دوزخ کا داخلہ بھی مقرر کر دیتے ہیں جہاں وہ برے حال میں راندہ ہوا ہو گا اور جو کوئی آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے حصول کے لئے کوشش بھی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر کی گئی ہے۔"

"وان لیس للانسان الا ما سعیٰ ہ وان سعیه سوف یریٰ ہ ثم یجزاه الجزآء الاوفیٰ ہ وان الیٰ ربک المنتهیٰ ہ" (۲۷/۷)

"تحقیق انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کے لئے کوشش کرتا ہے اور تحقیق اس کوشش کی جانچ پڑتال کی جائے گی۔ اور پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا اور تحقیق تیرے پروردگار ہی کی طرف ہر ایک امر کی انتہا ہے۔"

آیاتِ قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ ادنیٰ زندگی کا مفاد "متاعِ قلیل" ہے۔ لیکن آخرت کا "اجرِ غیر ممنون" ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ نفسِ انسانی کثرت پسند واقع ہوتا ہے۔ ادنیٰ زندگی کے ساز و سامان میں وہ کثرت کا طالب ہے۔ کثرتِ مال و اولاد کی وجہ سے وہ فتنہ میں

Marfat.com

مبتلا ہوجاتا ہے۔ اس لئے خواہش کثرت اس دنیوی زندگی میں شر انگیز اور سخت مذموم ہے۔ اسی مذموم خواہش کے باعث انسان اپنے ہم جنس انسانوں میں برتری اور فخر و مباہات چاہتا ہے۔ یہی خواہش کثرت مال و اولاد اور علو اور فخر تمام فتنہ و شر کی موجب ہے جو عالم انسانی میں بپا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ مطلوب اگر نزدیک تر محسوس و مشخص ہو تو وہ ادنیٰ درجہ کی شے ہے۔ اور جب ہاتھ آئے تو "سعی" یا "جہاد" کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔ ارتقا کا راز اسی مسلسل جدوجہد میں مضمر ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ مطلوب ہمیشہ غائب ہی رہے اور اس کی طلب ہمیشہ حاضر ہو۔

آیات قرآنی سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس مادی کائنات میں کوئی شے بذاتہ اصل مقصد نہیں۔ سب ذرائع ہیں ایک مقصد اعلیٰ کے حصول کے۔ جدوجہد یا جہاد زندگی محض حصول ذرائع کے لئے ہوتا ہے۔ ہماری تمام دوڑ دھوپ اسی وقت تک ہے جب تک ہم منزل پر پہنچ کر آسودہ نہیں ہوتے۔ اس لئے تمام ذرائع من وجہ ہماری "سعی" عمل کے مقاصد عارضی ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ سب ادنیٰ ہی ہیں۔ مقصد اعلیٰ یا "منتہا" اور ہی ہے۔

بت پرستی خواہ اس کی صورت کچھ بھی ہو اس لئے مذموم ہے کہ ادنیٰ ہے۔ "عبودیت" ایک فطری جذبہ ہے انسان کسی حالت میں عبودیت اور عبدیت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا جب تک اسے احساس احتیاج ہے وہ عبد ہے۔ کائنات میں کوئی شے احتیاج سے بالاتر نہیں اس لئے کوئی شے "معبود" نہیں جو احتیاج سے بالاتر بھی ہو اور حاجت روا بھی ہو۔ اجرام سماوی ہوں یا اشیاء ارضی سب ایک دوسرے کی مدد کے محتاج ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اس احتیاج سے مستغنی نہیں۔ اس لئے معبود وہی ہے۔ جو "غنی عن العالمین" اور "رب العالمین" بھی ہو۔ اس معبود حقیقی کو قرآن میں "اللہ" سے موسوم کیا گیا ہے۔

یہ بحث کہ کوئی ایسا معبود واجب الوجود ہے بھی کہ نہیں سردست ہمارے موضوع

Marfat.com

سے خارج ہے۔ لیکن اتنی سیدھی سادی بات بالکل واضح ہے اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ کل مادی کائنات میں کوئی شے بشمول انسان احتیاج سے مستثنیٰ نہیں۔ ہر ایک کی فطرت میں عبدیت وعبودیت وولیت ہے۔ چونکہ احتیاج اور عبدیت وعبودیت لازم وملزوم ہیں۔ اس لئے انسان نے علیٰ قدر فہم جس شے کو اپنا حاجت روا دیکھا اسی کی بندگی قبول کی۔ پانی پیاس بجھاتا ہے "جل دیوتا" ہو گیا۔ ارشاد قرآن ہے کہ

"لہٗ دعوۃ الحق ط والذین یدعون من دونہٖ لا یستجیبون لھم بشیءٍ الا کباسط کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ھو ببالغہٖ ط وما دعآء الکٰفرین الا فی ضلٰل ٥ وللہ یسجد من فی السمٰوٰت والارض طوعًا وکرھًا وظلٰلھم بالغدو والاٰصال ٥ قل من رب السمٰوٰت والارض ط قل اللہ ط قل افاتخذتم من دونہٖ اولیآء لا یملکون لانفسھم نفعًا ولا ضرًا ط" (۱۳/۲)

"اسی اللہ سے خاص کر سچی دعا مانگنا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔ ان کو کوئی جواب نہیں ملتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص ہاتھ پھیلا کر پانی (جل دیوتا) کو کہے کہ میرا چلو بھر دو۔ وہ ہاتھ پانی تک نہیں پہنچتا اور نہ پانی اس کے ہاتھ آتا ہے۔ اسی طرح کافروں کی پکار بھی گمراہی ہی ہے۔ اور اللہ کے حضور ہی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے طوعاً کرہاً سر تسلیم خم کرتے ہیں اور ان کے سائے صبح وشام۔ انہیں کہو کہ کیا تم نے اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کو اپنا سرپرست بنا رکھا ہے جو اپنے ہی نفس سے ضرر دفع نہیں کر سکتے اور نہ نفع پہنچا سکتے ہیں۔

اگر صد سال گبر آتش فروزد
چو یک دم اندر آں افتد بسوزد

آیات قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کو تمام کائنات اور کائنات کی ہر ایک شے پر فضیلت عطا کی گئی۔

"ولقد کرمنا بنی آدم وحملنٰھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت وفضلنٰھم علیٰ کثیرٍ ممن خلقنا تفضیلًا ٥" (۱۵/۷)

"تحقیق ہم نے اولاد آدم کو نوازا اور اس کو خشکی وتری میں اونچا کیا اور اس کو پاکیزہ رزق

Marfat.com

دیا اور جو کچھ ہم نے پیدا کر رکھا ہے اکثر پر اس کو فضیلت دی۔

"وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منہ ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون"

"اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ہم نے انسان کے لئے اپنی رحمت اور فضل سے مسخر کر دیا۔ اس میں اہل فکر کے لئے پتہ کی باتیں ہیں"

یہ حقیقت اہل فکر و علم پر بالبداہت ثابت شدہ ہے کہ

انسان کہ فلک ہاست سرافگن بہ او | در حیرت او گم است دانندۂ او
دارد خاصیتے کہ در خارج ذہن | ہر چیز کہ آفریدہ شد بندۂ او (بیدلؔ)

ذہنی ارتقا کے ساتھ اہل علم و حکمت مخلوقات کی بندگی سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اور جو ابھی تک مخلوق پرست ہیں، ان کی ذہنیت پست ہے اور جو انسان اپنے ہم جنس پر علو کا مدعی ہے وہ فرعون کی طرح دعویٔ خدائی کرتا ہے۔

بیدلؔ بحصولِ رزق آمادہ بسر | سگ چاکر سگ نگشت و خر بندہ خر
از مخترعات کارگاہ امکان! | ایں ننگ شعور نیست جز صنع بشر

توحید اور شرک میں فرق اتنا ہی ہے کہ اگر انسان "خدا پرست" ہوگا ضرور ہے کہ مخلوق پرست ہو۔ کیونکہ "عبودیت" اس کی فطرت میں ہے۔ توحید انسان کو مخلوق پرستی سے نجات ہی نہیں دلاتی بلکہ تمام کائنات پر حکومت کا جائز حق بھی دیتی ہے۔ یہ مفہوم ہے "خلیفہ فی الارض" کا بشرطیکہ باتباع حکم الٰہی ہو۔ یہ حکم اہل ذکر و فکر کو "خلق السمٰوٰت والارض" میں مشاہد ہوتا ہے۔ یہ منشا یا حکم الٰہی وہ ہے جس سے یہ نظام عالم قائم ہے اور جس میں کوئی شیطانی قوت رخنہ انداز نہیں ہو سکتی "ذٰلک الدین القیم" ۔ لہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعًا وکرھًا۔

کائنات میں ہر ایک شے فطرۃً شے طلب کرتی ہے جو اس کی ہستی کے قیام اور ارتقا کے کام آتی ہے۔ نباتات اور ہوا اور پانی اور روشنی اور بقدر ضرورت حرارت اور مٹی کی طرف مائل ہے۔ وہ آگ سے دور ہی زندہ رہ سکتی ہے اور ہر ایک شے بقدر ضرورت جس کا اندازہ

Marfat.com

اسے فطرۃً معلوم ہے۔ لیتی ہے۔ کثرت کی طالب نہیں ہوتی جو اس کی زندگی کے لئے مہلک ہے۔ یہ مفہوم ہے "تقدیر" کا۔ یعنی ایسا اندازا اور مقدار شے جس سے کسی شے کی ضرورت زندگی پوری ہوتی ہے۔ اگرچہ ہوا کا کرہ موجود ہے مگر ہم بقدر ایک سانس ہی لے رہے ہیں اس کا اندازہ خود فطرت کا مقرر کیا ہوا ہے۔ پانی کا خزانہ موجود ہے۔ مگر ہم بقدر پیاس ہی پیتے ہیں۔ لیکن اس کا اندازہ ہمیں کرنا پڑتا ہے۔ اور کبھی صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ فطرت کا مقرر کردہ اندازہ ہمیشہ صحیح ہوتا ہے۔ لیکن انسان کا اندازہ تخمینہ ہوتا ہے۔ قریب قریب صحیح۔

ہر ایک شے میں بے انتہا خواص ہیں۔ اور کوئی شخص یہ دعوے نہیں کر سکتا کہ کسی ایک شے کے کلہ خواص اس پر منکشف ہو چکے ہیں۔ ان خواص یا کسی خاصہ کا انکشاف ہم پر یا تو فطرۃً (وحیًا) ہوتا ہے یا مشاہدہ اور تجربہ یا تدبر و تفکر سے (من ورائے حجاب) ماسوائے انسان ہر ایک طبقہ میں اشیا یا اتباع فطرت سرگرم عمل ہیں۔ مگر ان میں ارتقا نہیں۔ انسان اتباع فطرت طوعًا یا کرہًا بھی کرتا ہے مگر اس کا ارتقا اس کے مشاہدہ اور تجربہ سے وابستہ ہے۔ وہ اس میں غلطی بھی کرتا ہے اور غلطی عقلاً رفع بھی ہوتی رہتی ہے مگر وہ مسلسل ترقی کرتا چلا آرہا ہے۔ اور اسی طرح غلطی بھی کرے گا اور ترقی بھی کرے گا۔ یہ ممکن ہے کہ وہ دیگر اشیا کی طرح غلطی نہ کرتا مگر وہ پھر انسان نہ ہوتا اور نہ خلافت عطا ہوتی کہ کائنات کو اپنے احاطہ تصرف میں لا رہا ہے اس لئے ارتقا عقلاً ہی ممکن ہے۔

آگ کا خاصہ جلانا ہے۔ انسان آگ سے اپنے چولہے بھی گرم کرتا ہے اور کئی مفید کام لیتا ہے۔ لیکن کسی دشمن کا گھر بھی جلا سکتا ہے اور اگر غفلت ہوئی تو

"چو یک دم اندران افتد بسوزد"

آگ بے شعور شے ہے۔ انسان جس طرح چاہے اس سے خدمت لے۔ وہ اسے ایسے کام اور محل میں بھی استعمال کرتا اور کر سکتا ہے جو "ظلم" سے تعبیر ہوتا ہے۔ اور ہمارے زمانہ میں تو قومیں آگ سے کھیلتی ہیں۔ بہرحال اشیاء کو تعمیری کام میں استعمال کرنا منشاء فطرت ہے اور فطرت اسی طرح استعمال کر رہی ہے۔ تخریبی کام انسان کرتا ہے اور اس کے نتائج سے بھی آگاہ ہے۔ اس لئے تعمیر و تخریب بھی عقلاً ہوتی ہے۔

Marfat.com

دین ایک ہی ہے اور یہ دین کل کائنات کا ہے۔ "لہٗ اسلم من فی السّمٰوٰت والارض" یہ دین انسانی اختراع نہیں۔ بلکہ ہر ایک شے سے بشمول انسان بے نیاز ہے۔ ارشاد قرآن ہے کہ

"وما محمّدٌ الّا رسولٌ ج قد خلت من قبلہ الرّسل ط افائن مات او قتل انقلبتم علٰی اعقابکم ط ومن ینقلب علٰی عقبیہ فلن یضرّ اللہ شیئاً ط وسیجزی اللہ الشّٰکرین ۰" (پ۴)

"محمد تو ایک رسول ہی ہے اور اس سے پیشتر بھی رسول گزر چکے ہیں اگر یہ اپنی طبعی موت سے مر جائے (جو یقینی امر ہے) یا مارا جائے (جس کا امکان ہے) تو کیا تم الٹے پاؤں دین اللہ سے پھر جاؤ گے؟ جو بھی روگردان ہوا وہ دین اللہ کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتا خود ہی خسارے میں رہے گا۔ البتہ جو شکرگذار بندے ہیں اللہ ان کو جلدی ہی نیک اجر دے گا۔"

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کا دین جس کو اسلام سے موسوم کیا گیا ہے۔ "ان الدّین عند اللہ الاسلام" ہر ایک شخصیت سے بے نیاز ہے خواہ وہ رسول او نبی کیوں نہ ہو۔ جس کی موت کا اثر اس پر نہیں پڑتا۔ قوانین فطرت دریافت ہوتے ہیں اور جن پر منکشف ہوتے ہیں ان کی حیات و موت سے بے نیاز ہیں یہ قوانین آفرینش سے سرگرم عمل ہیں۔ حکماء ابھی پیدا بھی نہیں ہوتے تھے اور مر بھی گئے مگر یہ قوانین جوں کا توں اپنا کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح "دین اللہ" ہر ایک رسول کی شخصیت سے بے نیاز ہے۔ رسول پیدا ہوئے اور فوت ہو گئے۔ اگر دین ان کی شخصیت سے وابستہ ہوتا تو پیدا ہوتا رہتا اور مرتا رہتا۔ آیات قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ بلحاظ ذہنی اور خارجی حالات یہ "دین" رسولوں پر حسب ضرورت وقت جزوی منکشف ہوا مگر آنحضرت پر "کلہٗ" اس کا اظہار ہوا۔

"ھو الّذی ارسل رسولہٗ بالھدٰی ودین الحق لیظھرہٗ علی الدّین کلّہٖ ط وکفٰی باللہ شھیدا ۰" (۲۶/۱۲)

"وہی اللہ ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین الحق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس پہ دین کلہٗ واضح ہو (اور اس کے ذریعہ تمام عالم انسانی پر واضح کیا جائے)

تمام انبیاء اور رسل ان ایام میں گزرے ہیں جن کو تاریخ اور قرآن میں ایام جاہلیت اور ظلمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور سب قومی تھے۔ دیگر اقوام سے ان کا کوئی تعلق اور واسطہ نہ تھا۔ اور نہ عام فہم انسانی اتنا بلند تھا کہ اصل کتاب اللہ یعنی صحیفہ کائنات اور اس کی حکمت سمجھ سکتا۔ چند نفوس قدسیہ تھے جن پر اس کی حکمت کا اظہار حسب ضرورت وقت ہوتا رہا آنحضرت ﷺ کل عالم انسانی کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے (یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا) اس لئے آپ پر دین بھی "کلہ" منکشف ہوا۔

یہ سمجھنا چاہیئے کہ آں حضرت ﷺ کی بعثت سے پیشتر عالم انسانی طفولیت کے دور سے گذر رہا تھا۔ اور جب تک فہم بالغ نہ ہو لڑکوں کو احکام کے تحت ہی رکھا جاتا ہے جو اوامر اور نواہی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ تمام کتب مقدسہ سابقہ میں یہی احکام ہیں۔ جن کو احکام شریعت یا دھرم شاستر یا "لاز" (LAWS) کہتے ہیں۔ احکام دو قسم کے ہیں۔ ایک مستقل جن کو اصولی احکام کہتے ہیں۔ توراۃ میں یہ دس اور انجیل اور قرآن میں سات (سبعاً من المثانی) ہیں۔ "المثانی" نام ہے اسفار موسوی کی پانچویں کتاب کا (DEUTRONOMY) یہ سات احکام اصولی ہر ایک قوم کے آئین و قوانین اور دستور العمل کی بنیاد ہیں اور ناقابل تغیر و تبدل ہیں۔ دوسرے وہ احکام ہیں جو ذہنی اور خارجی حالات کے تابع ہوتے ہیں۔ یہ حالات ہمیشہ بدلتے ہیں اور غیر محدود ہیں۔ اس لئے بہ تقاضا۔ حالات ترمیم و تنسیخ ہوتے رہتے ہیں۔ دراصل یہی وہ احکام وقتی یا ہنگامی ہیں جو مختلف مذاہب کی تشکیل کا موجب ہوئے ایام جاہلیت میں یہ کام بھی انبیاء کا تھا کہ بہ تقاضائے حالات احکام وضع و واضح کرتے رہتے۔ حضرت موسیٰ کے بعد حضرت عیسےٰ تک انبیاء مسلسل مبعوث ہوتے رہے اور وقتی احکامات میں ترمیم و تنسیخ کرتے رہتے۔ اسفار موسیٰ میں دس احکام اصولی کے علاوہ بہت احکام وقتی مذکور ہیں۔ انہی موخر الذکر احکام میں انبیاء ترمیم کرتے مگر عام فہم پست تھا اور وہ توراۃ کے ہر ایک حکم کو مستقل حکم شریعت سمجھتے رہے اور جو بھی نبی بدلتے ہوئے حالات کے مناسب ان میں ترمیم کرتا یا منسوخ کرتا تو عوام بھڑک اٹھتے۔ اس طرح کئی نبی مارے گئے کئی جلاوطن ہوئے اور کوئی بھی کامیاب نہ ہوا جب تک ہر ممکن اذیت

Marfat.com

اسے نہ پہنچائی گئی۔ اب ایک امت واحدہ میں دو جماعتیں پیدا ہو گئیں ایک تو پرانی لکیر پیٹتی رہی اور دوسری نے نبی کا اتباع کیا۔ اس کے بعد دوسرا نبی مبعوث ہوا تو اس نے اپنے پیش رو نبی کے احکام میں کچھ ترمیم کر دی۔ اب دو نبیوں کے متبعین میں مخالفت پیدا ہو گئی۔ اور تیسرا فرقہ یا مذہب پیدا ہو گیا۔ اسی طرح ہر ایک نبی ایک نئے مذہب کا بانی ہوتا رہا۔ حضرت عیسیٰ تک بنی اسرائیل میں بے شمار فرقے پیدا ہوتے اور اپنی موت مرتے رہے حضرت عیسیٰ پر بھی یہی الزام لگایا گیا کہ آپ شریعت موسوی کو منسوخ فرما رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ منسوخ نہیں تکمیل کر رہا ہوں یعنی جو نقائص ہیں ان کو رفع کر رہا ہوں اور جو کچھ حالات کا تقاضا ہے پورا کر رہا ہوں کیونکہ میں بھی نبی ہوں اور نبی صاحب اختیار ہوتا ہے

مسلمانوں میں فرقہ بندی یا مذاہب کا شاخسانہ اسی ذہنیت کے تحت نکالا گیا جو بنی اسرائیل کے حالات میں بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ یہی ہماری بحث کا موضوع ہے اس لئے مفصل بیان کیا جاتا ہے۔

ختم نبوت

آیات قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ نبی "صاحب اختیار و حکومت" ہوتا ہے۔ ایام جاہلیت میں یہ "مذہبی حکومت" نہ صرف بنی اسرائیل بلکہ کل اقوام میں ممتاز حیثیت رکھتی تھی۔ امم آریہ میں رشی منی وغیرہ تھے اور یہی آئین و قوانین وضع کرتے رہے۔ دوسری حکومت دنیوی ملوک اور راجوں کی تھی اور اب بھی ہے اگرچہ دیر سویر مٹنے والی ہے یہ وضع کنندہ قوانین کو نافذ کرتے۔ امم آریہ میں ان دو حکومتوں میں ابتدا میں رازدارانہ اتحاد تھا مگر مذہبی حکومت دنیوی حکومت پر غالب تھی۔ جب تصادم ہوا تو دنیوی حکومت کا غلبہ ہو گیا۔ مگر دونوں حکومتیں علیحدہ علیحدہ ہی رہیں۔ امم سامیہ میں بعض اوقات دونوں حکومتیں ایک ساتھ شخصیت میں جمع ہو جاتی تھیں جیسے حضرت موسیٰ اور داؤد و سلیمان تھے۔ اس حکومت کے خاتمہ کا اعلان بذریعہ قرآن عظیم کیا گیا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام اب شخصی نبوت سے شوریٰ یعنی جمہور کی نمائندہ جماعت کے ہاتھ میں آ گیا۔ (وامرھم شوریٰ بینھم) چنانچہ آنحضرت بھی وقتی احکام شوریٰ کے مشورہ سے صادر فرمایا کرتے۔ (شاورھم فی الامر) اور آپ کے

Marfat.com

بعد خلفاء راشدین کا بھی یہی عمل رہا۔

قرآن توراۃ کی طرح خود کتاب احکام نہیں، اس میں صرف سات اصولی احکام (سبعًا من المثانی) مثانی سے لئے گئے ہیں۔ اور انہی کی تشریح امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں کی گئی۔ قرآن کتاب "اصول احکام" ہے اور احکام بہ تقاضائے حالات ذہنی اور خارجی وضع کرنا سکھاتا ہے۔ اور تشریح کی غرض بھی یہی ہے۔ لیکن خود "قرآن عظیم" سبعًا من المثانی سے بالکل علیحدہ شے ہے۔ اور محکمات ہے (یٰسٓ والقرآن الحکیم) یہ تفصیل یا بیان "الکتاب" ہے جس کی تعریف ہے "لا ریب فیہ" جس میں کوئی الجھن، کوئی شک و شبہ نہیں۔ یہ صحیفۂ فطرت ہے جس کا مصنف اللہ تعالیٰ ہے۔ ہم نے اس موضوع پر جو مستقل ہے علیحدہ بحث کی ہے۔ سردست اس مقام پر ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

تمام احکامات جو احادیث میں مذکور ہیں خواہ آنحضرتؐ یا خلفاء راشدین سے منسوب ہیں، درحقیقت اجتہادات ہی تھے۔ اور ایسے اجتہادات تابعین اور تبع تابعین کے دور میں مجتہدین ائمہ دین بھی کرتے رہے۔ چونکہ ان کا زمانہ آنحضرتؐ اور صحابہ کرام سے نزدیک تر تھا۔ اس لئے ان کو ان اجتہادات میں جو دور اول سے منسوب تھے ردوبدل کی ضرورت محسوس نہ ہوئی لیکن حالات بہت کچھ بدل چکے تھے اور احادیث میں کوئی صریح حکم ان کے بارہ میں نہ تھا۔ مجتہدین نے کوشش یہی کی کہ ان بدلے ہوئے حالات سے عہدہ برا ہونے کے لئے جو بھی احکامات وضع کئے وہ بطریق "استنباط" کئے یعنی اس بات کا لحاظ رکھا کہ ان کے احکام دورِ اول کے احکام کے خلاف نہ ہوں اور دور اول کے اجتہادات سے اخذ کئے جائیں۔ "استنباط" عقلاً ہوتا ہے۔ جو کچھ استنباط ائمہ دین نے کئے وہ اپنے اپنے فہم کے مطابق کئے۔ اس لئے ان کے مستنبط شدہ اجتہادات میں اختلاف لازم تھا اور پیدا ہوا۔

یہ دور بھی گزر گیا۔ دور دوم کے ائمہ دین کے متبعین کئی مذاہب یا فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ تیسرے دور میں حالات دور اول اور دور دوم کے حالات سے بہت مختلف تھے اس دور کے مجتہدین نے طریق "استنباط" جو اب مستقل حیثیت اختیار کر چکا تھا

ست نہ دیا۔ وہ دور اول و دوم کے اجتہادات سے مسائل مستنبط کرتے رہے۔ ان کے اتباع کرنے والوں کی جماعتیں مذاہب پر اضافہ کرتی گئیں۔ غرض یہی اجتہادات اور طریق استنباط ہمارے زمانہ تک جاری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہفتاد و دو فرق کی پیدائش اسی سے ہوئی۔

اس موضوع پر ہم نے اپنی کتاب "اصول فقہ اسلامی" میں بحث کی ہے۔ اگر ایسے اجتہادات وقتی منتظم مجلس شوریٰ میں وضع ہوتے رہتے جیسی کہ آں حضرتؐ اور خلافت راشدہ کے دور میں تھی تو غالباً اتنے مذاہب جن کی فہرست بغدادی اور شہرستانی وغیرہ نے "فرق بین الفرق" اور "الملل والنحل" میں لکھی ہے۔ پیدا نہ ہوتے۔ خرابی یہ ہوئی کہ ملوکیت کا دور شروع ہو گیا۔ اور شوریٰ رفتہ رفتہ پھر سے شخصی دینی حکومت میں تبدیل ہو گئی۔ شخصی دنیوی حکومت اور شخصی دینی حکومت لازم و ملزوم ہیں۔

یہ دینی حکومت ایک تو شخصی تھی جس کی پوری شان شیعہ مذہب میں نظر آتی ہے یہ دینی حکمران نسلاً بعد نسل امامت پر متمکن رہے مفصل حالات ہم مناسب مقام پر بیان کریں گے۔ سنیوں میں انفرادی دینی حکومت نسباً نہیں لیکن وصفاً تسلیم کی گئی۔ شیعوں نے امامت اولاد حضرت علیؓ میں محدود رکھی سنیوں نے یہ فیض عام کر دیا بشرطیکہ کوئی مسلمان شرائط امامت پوری کرے۔ بہرحال امامت کا مدعی ہر ایک فرد واحد ہو سکتا ہے اور ہوتا رہا۔ شوریٰ کی حیثیت ایک فرد نے اختیار کر لی۔ مزید بحث مناسب مقام پر کی جائے گی۔

آیات قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کو دعوت فکر دیتا ہے۔ قرآن خود کتاب اصول احکام ہے۔ احکام انہی اصول سے استنباط عقلاً ہے۔ جس کو اصطلاح میں تفقہ فی الدین کہتے ہیں۔ آں حضرتؐ شوریٰ میں انہی اصول سے احکام اخذ فرماتے رہے۔ جو آنحضرتؐ کے اجتہادات وقتی ہیں اور احادیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ اگر آئندہ نسلیں اسی طرح تفقہ فی الدین کرتے۔ تو اختلاف مذاہب بھی پیدا نہ ہوتا۔ یاد رہے کہ "مذہب" کے معنی وہ روش ہے جو کسی اہل علم نے ذہن میں اختیار کی اور اس کے متبعین نے تقلیداً اختیار کی۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ بو حنیفہ یا شافعی

وغیرہ کا ایسا اور ایسا مذہب ہے تو اس سے مراد وہ تفقہ ہے جو ان حضرات نے قرآن اور احادیث اور اقوال وعمل صحابہ میں کیا اور جو کچھ اس سے مستنبط کیا۔ اس نے ایک مذہب کی شکل اختیار کر لی۔ حقیقت یہ ہے اور یہی کچھ آیات قرآن سے ثابت شدہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے بعد "قرآن عظیم" دنیائے اسلام کی ہدایت کے لئے چھوڑا ہے جب مسلمانوں نے اسے چھوڑا تو رسول کو بھی بارگاہ الٰہی میں شکایت کرنی پڑی

"یٰرب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا" (۱۹/۱)

(اے میرے پروردگار میری قوم نے اسے مہجور بنا کر رکھ دیا۔)

جب قرآن کو چھوڑ کر احادیث کی طرف توجہ ہوئی تو قرآن مہجور ہو کے رہ گیا۔ جب دونوں کو چھوڑ کر اجتہادات ائمہ دین پر تقلیداً کاربند ہوئے تو قرآن و احادیث مہجور ہو کر رہ گئیں۔ آنحضرتؐ تو تفقہ فی القرآن فرماتے اور وقتی خارجی حالات کے تقاضا کو بھی سمجھتے تھے اور اپنے زمانہ کی عام ذہنیت سے بھی واقف تھے۔ اس لئے کچھ اجتہاد فرمایا۔ وہ وقتی حالات کے مناسب تھا۔ آئندہ نسلوں نے تفقہ فی الاحادیث شروع کر دیا اور ان کے بعد انہوں نے تفقہ فی الاجتہادات ائمہ دین کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے سوا جس میں بھی تفقہ کیا جائے گا وہ تقلید ہی ہوگی۔ عموماً اہل تقلید یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ نص قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کا "اسوہ حسنہ" قابل تقلید ہے۔ اس حد تک تو وہ سچ کہتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ اس "اسوہ حسنہ" کو جب قرآن واجب الاتباع قرار دیتا ہے۔ تو اس کا مذکور قرآن میں ایسا ہی ہونا چاہیئے جیسا کہ حضرت ابراہیم "والذین معہ" کا اسوہ حسنہ بیان کیا گیا ہے اور قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ تمام قرآن آنحضرتؐ کا خلق (سیرت) ہے۔ اس لئے ہمیں اس اسوہ حسنہ کی تلاش میں قرآن سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ قرآن سے باہر ہوتا تو آئندہ نسلوں کو چند در چند مشکلات کا سامنا ہوتا اور جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن سے باہر ہے وہ انہیں مشکلات میں الجھے ہوئے ہیں۔ ان کو اس غلط فہمی نے ضرورتاً احادیث کی طرف رہنمائی کی جس کی صورت پہلی دو صدی ہجری میں کسی کو پیش نہ آئی۔ "اسوہ حسنہ"

Marfat.com

ایسی بات نہ تھی اور نہ ہے کہ ایسے کلام میں جو محفوظ نہیں پائی جائے جس میں موضوعات کی یہ کثرت ہے کہ امام بخاری نے چھ لاکھ میں سے قریباً تین ہزار کا انتخاب کیا اور جو قلمبند کی گئیں ان کی نسبت بھی وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ ضرور صحیح ہے۔ جب کہ درایتاً ان کو کبھی پرکھا نہیں گیا۔ اور کسے معلوم ہے کہ امام بخاری نے وہی کچھ لکھا جو ہم پڑھ رہے ہیں۔ جب کہ یہ باور کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ مخالفین اس میں کم و بیش کر سکتے تھے امام غزالی کی کتاب "احیاء العلوم الدین" جب آپ کی زندگی میں مصر میں جلائی گئی تو دریافت پر معلوم ہوا کہ وہ فقرات جن پر علماء مصر آگ بگولا ہوئے۔ امام صاحب کی اس کتاب میں موجود ہی نہ تھے۔ صحیح بخاری میں مہدی اور آمد مہدی کے بارے میں کوئی حدیث نہیں۔ عیسٰے ابن مریم کے بارہ میں ایک حدیث ہے اور وہ بھی الحاقی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن دنیاء اسلام میں اس فتنہ آمد ثانی نے کتنا حشر برپا کر رکھا۔ تاریخ اسلامیہ کے مطالعہ سے واضح ہو سکتا ہے۔ امام مالک کا موطا سب سے پہلی کتاب حدیث جس میں پانچ سو احادیث ہیں۔ امام صاحب نے وفات سے چالیس برس پیشتر یہ کتاب لکھی اور ہر سال اس میں کمی کرتے رہے۔

یہ بحث کہ احادیث حجت شرعی ہیں یا نہیں ہمارے موضوع سے خارج ہے لیکن اس حقیقت سے کسی محقق کو انکار نہ ہوگا کہ تمام فرقہ بندی اور شرانگیز تفرقہ انہی احادیث کی بناء پر پیدا کیا گیا۔ میرا اپنا عقیدہ ہے کہ احادیث خواہ یہ کسی فرقہ کے نزدیک ایک معتبر یا نامعتبر ہوں صحیح تسلیم کرتے ہوئے محض اجتہادات وقتی ہی تھے۔ جسے احکام شریعت اسلامیہ سے موسوم کیا جاتا ہے وہ کوئی مستقل شئے نہیں۔ استقلال صرف قرآن عظیم کو حاصل ہے۔ یہ جامع و مانع کتاب اصول ہے۔ اسی میں تفقہ آنحضرت ص فرماتے اور آپ کا اسوہ حسنہ یہی ہے کہ "راسخون فی العلم" بھی اس میں تفقہ کریں۔ یہی ہر زمانہ میں ذہنی اور خارجی حالات کا ساتھ دیتا ہے۔

یہ اعتراض وقیع ہے کہ اگر صرف قرآن میں تفقہ کیا جائے تو پھر بھی وہی اختلاف پیدا ہوگا جو تفقہ فی الاحادیث سے ہوا اور ہر ایک ائمہ دین کا مذہب اپنے معاصرین اور متقدمین سے

Marfat.com

کچھ مختلف ہی ہے۔ تفقہ عقلاً ہوتا ہے اور اس کے مدارج میں اختلاف ہے۔ خواہ کوئی شخص کتنا ہی نیک نیتی سے تفقہ کرے۔ اختلاف ضرور ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ اختلاف بلکہ شر انگیز تفرقہ اسی صورت میں پیدا ہوگا۔ جب اجتہاد کا حق کسی واحد شخصیت کو دیا جاتے۔ لیکن جب کوئی امر شوریٰ میں بحث کا موضوع بنے گا۔ تو آخر ایک رائے پر امت کا اجماع ہو سکتا ہے۔ یہ رائے خواہ غلط ثابت ہو۔ اس میں شر پیدا نہ ہوگا اور جب واقعات اور حالات آئندہ اس کی غلطی ثابت کردیں تو رفع بھی ہو سکتی ہے لیکن جب ایک جماعت اپنے آپ کو کسی واحد شخصیت سے وابستہ کرلے تو بقول عزالدین عبدالسلام ایسا شخص اپنے امام کو پیغمبر مرسل سمجھتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ اس کے امام کے اجتہادات تقویم پارینہ بن چکے ہوتے ترقی یافتہ زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتے وہ تقلیداً اسی پر جما رہتا ہے بلکہ بظاہر قرآن اور حدیث کو ٹالنے کا حیلہ تلاش کرتا ہے اور اپنے اور بوجہ تعصب اپنے امام کی طرفداری میں قرآن وسنت کی تاویلات بعیدہ اور باطلہ کرتا ہے۔ عزالدین یہ بھی لکھتا ہے کہ

"ابتدا میں سلف صالحین کا یہ عام دستور تھا کہ اگر کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تو کسی عالم سے دریافت کرتے اگر تسلی نہ ہوتی۔ دوسرے تیسرے سے پوچھ لیتے کسی سے وابستہ نہ تھے۔ صرف قرآن اور سنت سے وابستگی تھی اور نہ کوئی فقیہہ ہی کسی کو کہتا کہ میری تقلید کر بلکہ مسئلہ پوچھنے والے کو یہ بھی تاکیداً کہتا کہ میرے قول یا اجتہاد کے خلاف اگر تمہیں قرآن اور سنت سے کچھ ملے تو میرے قول کو رد کرنا۔ لیکن بڑے تعجب کی بات ہے کہ فقہا المقلدین یعنی فقیہہ بھی اور مقلد بھی اپنے امام کی سند کا ضعف جانتے ہوئے اسی کی تقلید کرتے ہیں۔"

عزالدین کے اقوال کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب "عقد الجید" میں نقل کیا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ ہمیں کسی امام کی تقلید اسی حد تک کرنی چاہیئے۔ جس حد تک قرآن وسنت کے موافق ہو۔ اگر کسی مجتہد کا اجتہاد

کسی دوسرے سے بہتر پایا جائے تو بہتر کو اختیار کرنا چاہیئے۔"

شاہ صاحب منصب امامت و اجتہاد پر بحث کرتے ہیں اور ان کے مدارج بھی بیان فرماتے ہیں کہ

"ایک تو مجتہد مطلق ہے دوسرا منتسب جو مطلق سے منسوب ہے۔ تیسرا مجتہد فی المذہب اور چوتھا مجتہد فی الفتویٰ۔"

لیکن ہمارے نزدیک تو یہ سب تکلفات ہیں اور انہی تکلفات نے ایک علم فقہ کی صورت اختیار کر لی۔ جس نے ہمارے دماغوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ اگر کوئی مجتہد ہے تو اس کی جگہ شورے میں ہے۔ اگر اس میں نشست حاصل نہیں کر سکتا۔ تو اپنے اجتہادات شوریٰ کی خدمت میں پیش کرے۔ شورے سے باہر اپنے عقاید کی اشاعت کرنا اور ایک جماعت کو اپنی شخصیت سے وابستہ کرنا فرقہ بندی اور تفرقہ کی طرح ڈالنا ہے اور دنیائے اسلام میں آج کل یہی ہو رہا ہے اور عرصہ سے ہو رہا ہے۔ ملت اس شر انگیز تفرقہ کو مٹانے کی کوشش نہ کرے اور اس تلخ تجربہ کے بعد جو ہمیں ہو چکا ہے تو ارشاد الٰہی یہ ہے کہ

"ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم واذا اراد اللہ بقوم سوءا فلا مرد لہ وما لھم من دونہ من وال" (۱۳/۱۱)

"اللہ تعالیٰ کسی قوم کے معاملات نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی ذہنیت (خارجی حالات کے مناسب) نہ بدلے (اور جب باوجود انتباہ نہیں بدلتی) تو اس کے برے دن آجاتے ہیں جو ٹالے سے نہیں ٹلتے اور اس کا کوئی حمایتی نہیں ہوتا۔ ہاں اللہ کارساز ہے۔ (اگر رجوع کرے)

(یہ تفرقہ جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں باوجود اختلاف رائے یا اجتہادات پیدا نہ ہوتا۔ اگر متبعین اپنے آپ کو ائمہ دین کی شخصیت سے وابستہ نہ کرتے اور ایک امتیازی نام سے اپنے فرقہ کو موسوم نہ کرتے۔ اسباب تفرقہ میں سے ایک "اسماء" بھی ہیں جن کی پوجا عموماً لوگ کرتے ہیں۔ ارشاد قرآن ہے کہ

"ما تعبدون من دونه إلا أسماء سميتموها أنتم وآباؤكم ما أنزل الله بها من سلطان ط إن الحكم إلا لله ط أمر ألا تعبدوا إلا إياه ط ذلك الدين القيم ولكن أكثر الناس لا يعلمون ٥" (۱۲/۱۵)

"تم تو اللہ کو چھوڑ کر صرف ناموں کی پوجا کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے اس کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ اس کا امر تو ہمیشہ یہی ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہ ہے دین قیم لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں"۔

فاضل رینان "پولوس" کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"مسیحی" نام پولوس کی اختراع ہے۔ اس سے پیشتر مسیح کے شاگرد (حواری) اپنے آپ کو "اخوان" اور "مومنین" ہی کہتے تھے۔ پولوس نہ تو مسیح اور نہ حواریوں کی صحبت کا فیض یافتہ تھا۔ اس نام نے یہود اور متبعین مسیح میں ہمیشہ کے لئے تفریق پیدا کر دی"۔

خود مسیحؑ اپنے نام کی نسبت کیا ارشاد فرماتے ہیں

"میں اس کے بعد دنیا میں نہ ہوں گا مگر یہ (حواری) دنیا میں ہیں، میں تیرے پاس آتا ہوں اے قدوس باپ (رب) اپنے اس نام سے جو تو نے مجھے بخشا ہے۔ ان کو وابستہ رکھ تاکہ وہ ہماری طرح ایک ہوں (تفرقے سے محفوظ رہیں) جب تک میں ان کے ساتھ رہا میں نے تیرے ہی نام سے جو تو نے مجھے بخشا ہے انہیں وابستہ رکھا۔ میں نے ان کی نگہبانی کی اور ہلاکت کے فرزند کے سوا ان میں سے کوئی گمراہ نہ ہوا تاکہ کتاب مقدس کا نوشتہ پورا ہو۔ لیکن اب میں تیرے پاس آتا ہوں اور یہ باتیں دنیا میں کہتا ہوں تاکہ وہ بات جو مجھے محبوب ہے (تیرے نام سے وابستگی) انہیں بھی محبوب ہو۔ میں نے تیرا کلام انہیں پہنچا دیا"۔ (مقدس یوحنا ۱۷/۱۱)

ارشاد قرآن ہے کہ

و اذ قال اللہ یٰعیسی ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ ط (پ۷)

"اور اللہ نے جواب طلب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے، کیا تو نے لوگوں کو کہا کہ مجھے اور میری والدہ کو ٹھاکر بنا کر پوجو اللہ کو چھوڑ کر۔ عرض کی تیری ذات اس شرک سے پاک ہے۔ میں وہ بات کیسے کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق ہی نہیں۔ اگر میں نے کوئی ایسی بات کہدی ہوتی تو تجھے تو اس کا ضرور علم ہوتا تو جو کچھ میرے جی میں ہے جانتا ہی ہے (کہ میں نے کبھی اسکی خواہش بھی نہیں کی) اور جو کچھ تیرے جی میں ہے میں نہیں جانتا اور تو ہی پوشیدہ امور کا بخوبی جاننے والا ہے۔ میں نے تو ان سے وہی کچھ کہا جس کے کہنے کا تو نے مجھے امر فرمایا اور یہ کہ اللہ ہی کی بندگی کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ اور جب تک میں ان میں رہا ہوں ان پر نگہبان تھا۔ اور جب تو نے مجھے وفات دی تو تو ہی ان کے عقائد و اعمال کو دیکھنے جاننے والا ہے۔ ہر ایک شے جو بھی ہے تجھ سے پوشیدہ نہیں۔"

نیز ارشاد قرآن ہے کہ

"وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ ط ھو اجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ط ملۃ ابیکم ابراھیم ط ھو سمّٰکم المسلمین ۵ من قبل وفی ھذا لیکون الرسول شھیدا علیکم وتکونوا شھدآء علی الناس فاقیموا الصلٰوۃ واٰتوا الزکٰوۃ واعتصموا باللہ ط ھو مولٰکم فنعم المولٰی ونعم النصیر۔ (پ۱۷)

"اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرو اور حق جہاد پوری طرح ادا کرو اس نے تمہیں اس کام کے لئے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ یہ دین ملت ابراہیم تمہارے باپ ابراہیم کا ہے جس نے تمہارا نام پہلے ہی مسلمان رکھا اور یہی نام تمہارا اس قرآن میں بھی ہے تاکہ رسول تم پر (اسی نام کے ساتھ) نگہبان ہو اور (اسی نام کے ساتھ) تم اور لوگوں پر نگہبانی کرو۔ پس قائم رکھو صلوٰۃ اور دو زکوٰۃ اور دین اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو وہی تمہارا مولا ہے۔ اور کیا ہی اچھا مولا اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔"

المختصر اسماء من دون اللہ سے وابستگی بھی اسباب تفرقہ میں داخل ہے۔ اگر ان سے

Marfat.com

وابستگی میں کچھ خوبی ہوتی تو آنحضرتؐ کا زیادہ حق تھا کہ ہم محمدی یا احمدی کہلاتے۔ لیکن قرآن میں تو صرف "مسلمین" ہی ایک نام ہے جو ہمارے لئے تجویز فرمایا گیا ہے۔ یہ نام کسی بشری شخصیت کسی قوم یا ملک کا نہیں "اسلام" دین اللہ ہے۔ اور جس نے اس دین کو اعتقاداً اور عملاً تسلیم کیا وہ مسلم ہے۔ اس لئے مسلم اللہ سے وابستہ ہے اور اللہ والا ہے۔ "فهل انتم مسلمون" ہم واضح کر چکے ہیں کہ دین اللہ آنحضرتؐ کی بشری شخصیت سے ایسا ہی بے نیاز ہے جیسے دیگر رسل سے۔

شریعت اسلامیہ کے چار سرچشمہ سمجھے گئے ہیں۔ ایک کتاب اللہ یعنی قرآن، دوسرا سنت جس کا مذکور احادیث میں ہے، تیسرا اجماع جس پر مسلمانوں کی اکثریت کاربند ہے چوتھا قیاس یعنی تفقہ فی الدین۔

آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں منبع شریعت ایک ہی تھا اور ایک ہی ہونا چاہیئے اگر ایک سے زیادہ ہو تو ایک کے متوازی ہوں گے یہ فضول قضیہ ہے۔ اور اگر ایک کی باقی تین اسی کی شاخیں ہیں تو بہرحال منبع ایک ہی ہوگا۔ ہم کافی بحث کر چکے ہیں کہ قرآن جامع اور مانع کتاب اصول احکام ہے اور یہ کہ وقتی اور ہنگامی احکامات ذہنی اور خارجی حالات کے تابع ہوتے ہیں جو ہمیشہ بدلتے ہیں اور غیر محدود ہیں۔ کوئی کتاب ایسی نہیں ہو سکتی جو ان تمام حالات پر حاوی ہو جو قیامت تک رونما ہوں گے۔ البتہ اصول حاوی ہوتے ہیں۔ چونکہ فطری ہوتے ہیں اس لئے ناقابل تغیر و تبدل بھی ہیں کوئی شخص خواہ رسول اور نبی ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے احکام وضع نہیں کر سکتا جو تا قیامت تمام حالات ممکنہ پر حاوی ہوں۔ وہ اتنا ہی کر سکتا کہ اپنے زمانہ کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور جو عام ذہنیت کے مقتضی ہوں احکام وضع کرے۔ بالفرض محال اگر وہ ایسے احکام وضع کر سکے تو وہ اپنے اور آئندہ زمانہ کی نسلوں کی قوت فکریہ کے عمل کے لئے کچھ نہیں چھوڑے گا۔ اور ان کیلئے نہ تقلید اور کوئی چارہ کار نہ رہے گا۔ حالانکہ قرآن کا ارشاد ہے کہ اگر انسان بصر و بصیرت سے کام نہ لے تو بہائم سے بھی بدتر ہے۔

Marfat.com

"قل هذہٖ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی وسبحٰن اللہ وما انا من المشرکین وما ارسلنا من قبلک الا رجالاً نوحی الیہم من اھل القریٰ" (پ۱۲)

"کہو کہ یہ ہے میرا طریق کہ اللہ کی طرف دعوت علیٰ بصیرت دیتا ہوں میں اور وہ بھی جو میرا اتباع کرتے ہیں (علیٰ بصیرت ہی عمل کرتے ہیں) اور سبحٰن اللہ میں مشرکوں سے نہیں (کہ کسی کی تقلید اندھا دھند کروں یا کسی کو ایسی تقلید کے لیے کہوں) اور تجھ سے پہلے ہم نے رسول آدمی ہی بھیجے جو بستیوں میں رہتے تھے ہم نے ان کی طرف وحی کی"۔

اگر ایسی صورت ممکن ہوتی تو ایمان وعمل جبری ہوتا "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص کسی کی تصدیق کرتا ہے اس پر اس کی صداقت ایسی منکشف ہونی چاہیئے کہ اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو اور یہ بصرو بصیرت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ آیات محولہ بالا میں یہ واضح کیا گیا ہے جو شخص بصیرت سے کام نہیں لیتا "مشرک است آں فضول نابنجار" وہ ما نزل اللہ کا اتباع نہیں کرتا وہ کورکورانہ کسی بشری شخصیت کی تقلید کرتا ہے اور اگر بہ تقاضا بشریت اس سے کوئی غلطی سرزد ہو تو مقلد اسے ملت بنا لیتا ہے

کفر گیرو کاملے ملت شود

ملتی را ملتے ملت شود

تمام رسول بشر ہی تھے یعنی بشری فطری کمزوریوں سے پاک نہ تھے۔ بستیوں میں رہتے تھے۔ یعنی ضروریات زندگی سے بے نیاز نہ تھے۔

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ جب ہجرت سے ایک دو صدی بعد مسلمانوں پر ذہنی جمود چھا گیا تو انہوں نے اپنی قوت فکریہ کو معطل سمجھ کر بیکار کر دیا۔ اس لئے تنزل میں آرہے کہ بدلتے ہوئے ترقی یافتہ زمانہ کے خارجی حالات کے مناسب اپنی ذہنیت نہ بدلی ہمارے علما اور حکماء کے انفرادی اجتہادات بھی ان کے اپنے نہ تھے۔ وہ تفقہ فی الحدیث اور تفقہ فی الاجتہاد متقدمین ہی کرتے رہے۔ اس تمام بحث سے واضح ہو گیا ہو گا کہ آنحضرتؐ کے اجتہادات جو احادیث میں مذکور ہیں سب وقتی ہی تھے اور واجب ہے

Marfat.com

کہ وقتی ہی ہوں۔ لیکن جب ان کو مستقل حیثیت دی گئی تو آئندہ نسلوں کی قوت فکریہ مفلوج ہو کر رہ گئی۔ اس کے نتائج ہم دیکھ رہے ہیں بلکہ بھگت رہے ہیں۔

بعض اہل الرائے یہ کہتے ہیں کہ سنت رسول اللہ قرآن کی تشریح و تفسیر ہے یہ رائے اس حد تک ہی صحیح ہو سکتی ہے کہ یہ بھی وقتی ہی تھی۔ یہ قیاس کہ آنحضرت ؐ اپنے زمانہ کے عام فہم و ذہنیت سے بالاتر باتیں کیا کرتے۔ یہ بات ہے کہ کوئی شخص آپؐ کی بات نہ سمجھ سکتا تھا۔ آنحضرت ؐ کی ذہنیت خواہ کتنی ہی بلند اور بلند تر ہو آپ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے جب تک بقدر فہم عامہ بات نہ کرتے اور سچ تو یہ ہے کہ یہی مشکل بلکہ مشکل تر بات ہے۔

ہر چند ز مہر و ماہ و انجم گفتن صد نسخہ تاخر و تقدم گفتن
گر بر سر انصاف رسی شوار است یک حرف بقدر فہم مردم گفتن

ایسے کلام کو "بلیغ" کہتے ہیں جو عوام کے ذہن تک رسا بھی ہو اور ان کے نفوس میں اثر بھی کرے۔

ارشادِ قرآن ہے کہ

"وعظھم وقل لھم فی انفسھم قولاً بلیغا" (۶۳: ۴)

"انہیں وعظ و نصیحت کر اور بات وہ کر جو ان کے فہم تک رسا ہوتے ہوئے ان کے نفوس میں اثر کرے"

یہ جامع آیت قول بلیغ کی مثال بھی ہے یعنی ہدایت بھی ہے اور خود بلیغ کلام بھی ہے۔ آنحضرت ؐ اپنے ہی زمانہ کے فہم کے مطابق بلیغ کلام فرما سکتے تھے۔ یہ اعجاز صرف قرآن کا ہے۔ کہ وہ ہر ایک زمانہ کے فہم بلند و پست تک رسا ہے اور مؤثر بھی ہے۔ یہ رائے کہ احادیث بھی ایسی ہی مستقل حیثیت رکھتی ہیں جیسا کہ قرآن "فاتوا بسورۃ من مثلہ" کی تکذیب کرتا ہے۔ اگر تمام دنیا و جہان کے جن و انس قرآن کی ایک سورت کی مثل نہیں بنا سکتے تو آنحضرت صلعم کی احادیث کو بھی "وحی" کا درجہ دینا پڑیگا اور آنحضرت صلعم کی بشریت کی نفی بھی کرنی پڑے گی اور یہ کہنا پڑے گا کہ آپ نے کبھی

Marfat.com

بشری عقل و حواس سے کام نہیں لیا۔ اس آیۂ قل انما انا بشر مثلکم کی تکذیب پر بھی ہم مجبور ہوں گے۔ اور یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ بحیثیت بشر آپ فطری بشری کمزوریوں اور سہو و خطا سے بھی معصوم تھے۔ مختصر یہ کہ آپ کو الوہیت کا درجہ دینا پڑے گا۔ ان اوراق میں بعض فرقوں کا حال اور عقیدہ پڑھیں گے۔ ان حضرات نے عصمتِ انبیاء بلکہ الوہیتِ انبیاء کو اپنے عقائد کی بنیاد قرار دیا۔ انبیاء کا کیا مذکور ہے بلکہ اپنے اماموں کی نسبت بھی ان کا یہی عقیدہ ہے جو مشرکین اہل کتاب کا اپنے انبیاءؑ اور غیر اہل کتاب کا اپنے دیوتاؤں اور اوتاروں کی نسبت ہے۔

امام احمد بن حنبل نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ تمام احادیث دربارہ تفسیر و فضائل و مغازی بے سند ہیں۔

مگر میں کہتا ہوں کہ بے سند نہ سہی، صحیح مان لو۔ اور میں مانتا ہوں۔ لیکن یہی کہوں گا کہ اجتہادات وقتی تھے۔ اس دعویٰ کی صداقت اس طرح بھی پرکھی جا سکتی ہے کہ آنحضرتؐ اور خلفاء راشدین کے عہد میں جو نبوت کے اقرب ہے مسلمان ارتقائی منازل سرعت سے طے کر گئے۔ اب کیا وجہ ہے کہ تنزل میں آ رہے ہیں۔ اس کی ایک ہی وجہ ہے کہ احادیث اس زمانہ کے بالکل مناسب ہدایات تھیں لیکن ہمارے زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔ وہی قوم پرانی لکیر کو پیٹتی رہتی ہے جو رجعت پسند ہو اور ارتقا میں رجعت نہیں ہے اور نہ سکون ہے۔ یا تو آگے بڑھو اور اگر بڑھ نہیں سکتے تو پستی میں گر کر ہلاک ہو جاؤ۔ قومیں اسی طرح تباہ و برباد ہوئیں۔ مزید بحث تعامل کے تحت کی جائے گی۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے کہ آنحضرتؐ نے صحابہ کرامؓ کو متنبہ فرما دیا تھا کہ "قرآن کے سوا کوئی قول جو مجھ سے منسوب ہو نہ لکھا جائے" باوجود انتباہ لکھا گیا۔ غرض تو بالکل واضح ہے کہ احادیث میں محض وقتی اجتہادات کا بیان ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمان کبھی ان کو بھی مستقل حیثیت دیں جو قرآن کو حاصل ہے۔ جیسا کہ اپنی امتوں نے کیا اور گمراہ ہو گئیں۔ "ما انزل اللہ" جو کچھ توراۃ و انجیل و صحف انبیاء میں تھا۔ احادیث ابراہیم و موسیٰ

Marfat.com

مخلوط ہو کر رہ گیا۔ اگر آنحضرت تحریر احادیث سے تاکیداً سختی سے منع نہ کرتے تو
یہ بھی مستقل صورت اختیار کر لیتیں۔ اور اس طرح قرآن کا استقلال بذاتہ قائم نہ رہتا
اور جب باوجود انتباہ قلم بند ہوئیں تو اعتقاداً ان کی حیثیت مستقل تسلیم کی گئی اور
"مثلہ معہ" سمجھی گئیں۔ بلکہ یہاں تک غلو کیا گیا کہ قرآن پر حکم اور قاضی کے منصب
پر فائز ہو گئیں۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ احادیث کیسے آئین و قوانین شریعت ہو سکتی ہیں۔ جب کہ
یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ محفوظ کلام نہیں، باللفظ نہیں بالمعنی روایت ہوئی ہیں۔
جبکہ یہ بھی مسلّم ہے کہ قانون کا ہر لفظ محفوظ ہونا چاہیئے۔ اس لئے ان کو قانونی حیثیت
نہیں دی جا سکتی۔ قرآن محفوظ کلام ہے اور اس کی حفاظت کا وعدہ بھی قرآن کی داخلی
شہادت پیش کرتی ہے اور تاریخی واقعہ بھی ہے کہ حفاظت کا اہتمام ممکن ذرائع سے
کیا گیا۔ اور ہر ایک زمانہ میں "حفاظ" کی تعداد اکثر رہی ہے اور یہ کہ قلمبند بھی ہوتا رہا۔

تعامل

"تعامل" یہ ایک شرعی اصطلاح ہے۔ مفہوم وہ عمل ہے جو کسی بانی ملت
سے منسوب ہو اور متبعین مسلسل من و عن باتباع بانی ملت کرتے چلے
آئیں۔ اگر ایسی صورت ہو تو بلاشبہ یقینی شہادت اس امر کی ہے کہ بانی ملت کا بھی
یہی عمل تھا۔ یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ تعامل سے کسی "عقیدہ" کے
جواز کی شہادت اخذ کرنا خلط مبحث ہے۔ عقیدہ اور شے ہے اور عمل اور چیز ہے۔ کچھ
شک نہیں کہ اعمال کی تشکیل عقیدہ سے ہی ہوتی ہے لیکن یہ حالت ابتداء ہی میں
ہوتی ہے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا ہے عقیدہ کا شعور محو ہوتا جاتا ہے مگر عمل جاری رہتا ہے
یعنی عمل بے بصیرت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اگر ہم موحدین اور مشرکین کے اعمال کا موازنہ
کریں تو چنداں فرق محسوس نہ ہو گا۔ وہی دعائیں اور پرارتھنا وہی رکوع و سجود اور
ڈنڈوت وہی طواف اور پرکرما اور علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن عقیدہ میں زمین آسمان کا
فرق ہے۔ اگر یہ تعامل سے ثابت ہو جائے کہ خلف سلف کے نقش قدم پر مسلسل
ایک ہی روش پر چلتے آئے اور چل رہے ہیں۔ تو یہ واضح دلیل اس امر کی ضرور ہے

Marfat.com

اسلاف کا بھی یہی عمل تھا۔ لیکن یہ کوئی وقیع دلیل نہیں کہ اسلاف کا بھی یہی عقیدہ تھا
خلاف کا ہے۔

اہل حدیث یا روایت پر جب اہل علم و حکمت نے اعتراضات کی بوچھاڑ کی
انہوں نے تعامل کی آڑ لی ہمارے زمانہ کے اہل حدیث نے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ
علم حدیث ظنی ہے اور تمام ائمہ حدیث مثلاً ملا علی قاری صاحب "موضوعات کبیر" نے
مانا ہے کہ علم حدیث ظنی ہے۔ احادیث کی صحت اور صداقت ثابت کرنے کے لئے تعامل
کی دلیل پیش کی ہے۔ اگر احادیث کی صداقت تعامل پر اور تعامل کی احادیث پر
منحصر ہے تو یہ دلیل ایک دائرہ میں چکر کاٹ رہی ہے۔ علاوہ ازیں یہ ظاہر ہے کہ ہزاروں
باتیں ایسی ہیں جنہیں احکام شریعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور جن کی تائید و تصدیق
قرآن کی کسی آیت سے نہیں ہوتی۔ کتب فتاوی میں یہ احکام موجود ہیں۔ وہاں تعامل
دلیل کی حیثیت سے گر جائے گا۔ اور قرآن کی آیات سے مخالف ہو تو خود تعامل کوئی دلیل
نہیں بلکہ گمراہ کن عمل ہوگا۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آنحضرتؐ "والذین معہ"
کا عمل اس زمانہ کے ذہنی اور خارجی حالات کے مناسب تھا اور آئندہ زمانہ کے بدلے
ہوئے اور ترقی یافتہ زمانہ کے نامناسب ہے تو تعامل بحیثیت دلیل نہ صرف وقیع ہی
نہیں بلکہ مانع ترقی ہے اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنا ہے کہ تعامل کا اثر عقاید پر کیا پڑتا ہے
ہم واضح کر چکے ہیں کہ تعامل عقاید کی صحت پر کوئی دلیل نہیں۔

آنحضرتؐ اور حضرت ابراہیمؑ والذین معہ کا اسوہ حسنہ قرآن میں مفصل مذکور ہے
قرآن نے تو انبیاء کی اجتہادی غلطیوں کو بھی نمایاں کیا۔

"قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ ...... الا
قول ابراھیم لابیہ لاستغفرن لک : (۲۸/۴)

"تحقیق ابراہیم اور ان لوگوں کی زندگی میں تمہارے لئے نیک نمونہ ہے جن کو
ابراہیم کی معیت (صوری و معنوی) حاصل تھی ...... مگر اس بات میں نہیں کہ ابراہیم
نے اپنے باپ (مشرک) کو کہا کہ تیری مغفرت کی دعا کروں گا۔

Marfat.com

اگر ہم انبیاء کے اسوۂ حسنہ کو صدہا سال کے بعد روایات میں یا ان کے متبعین کے تعامل میں تلاش کریں تو ہم بھی مشرک بن کر رہ جائیں گے۔ جیساکہ اہل کتاب ہیں۔ تعامل میں خطرہ عظیم یہ ہے کہ اگر کسی نبی سے اجتہادی غلطی ہوئی یہ تقاضائے بشریت ضرور ہوئی تو شخصیت پرست اس کا بھی اتباع کریں گے کرتے ہیں۔ ایسی باتیں اکثر و بیشتر اہل کتاب میں پائی جاتی ہیں جن کی ذمہ داری ان کے اپنے انبیاء پر عاید ہوتی ہے۔

ارشاد قرآن ہے کہ

"وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنّٰی القی الشیطان فی امنیته۔" (۲۲/۵۲)

"تجھ سے پہلے نہ تو کوئی رسول اور نہ کوئی نبی ایسا گزرا کہ اس نے تمنّا کی ہو اور شیطان نے اس کی تمنا میں القا نہ کیا ہو۔"

اس کی واضح مثال یہود و نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ

"نحن ابنٰؤا اللہ واحباؤہ" (۵/۱۸)

"ہم اللہ کے بیٹے اور پیارے ہیں۔"

اس کی سند توراۃ اور انجیل میں موجود ہے لیکن یہ محض انبیاء بنی اسرائیل کی تمنا اور لیکن اس عقیدہ باطلہ کا اثر ان کی ذہنیت پر ہوا اور اعمال پر بھی پڑا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ انبیاء کے اقوال کا وہ مفہوم نہیں جو بعد میں متبعین نے پیدا کیا۔ پھر بھی شخصیت پرستی جو شرک کی حد تک پہنچتی ہے تعامل ہی کا نتیجہ ہے۔ اس میں کچھ کلام نہیں۔

ـلـه اگر آیت (۲۲/۵۲) میں تحریف معنوی نہ کی جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء معصوم عن الخطا نہ تھے۔ جو حضرات عصمت انبیاء کے قائل ہیں وہ تمنّٰی کے معنی کچھ کرتے ہیں جو قرآن کے خلاف ہے۔ تمنا اور امانی امنیته اور اس کے مشتقات تقریباً سترہ آیات میں استعمال ہوئے ہیں اور (باقی صفحہ ۵۸ کے

...ش وہی پسندیدہ ہے جس پر دانا چلتے آئے اور چل رہے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مفہوم
...ہی کہ اگر اس سے "احسن و اھدی" معلوم ہو تو اس پر اس لئے نہ چلنا چاہیئے کہ متقدمین
...وش نہیں اور اگر متقدمین ہی کے نقش قدم پر اس لئے چلا جائے کہ اس سے بہتر روش
...تک معلوم نہیں تو آیات بحوالا بالا کی رو سے کورکورانہ تقلید سخت مذموم ہے۔ کچھ بصراد
...رت سے کام لینا چاہیئے۔ اس میں بھی کچھ کلام نہیں کہ تقلید ناگزیر امر ہے۔ لیکن تقلید
...یں تحقیق ہونی چاہیئے۔ جسے عرف عام میں تقلید کہتے ہیں وہ کورکورانہ اتباع کسی
...ری شخصیت کا ہے۔ ورنہ کسی محقق کے نزدیک تقلید سے چارہ نہیں۔

بیدل کہتا ہے کہ

انکار غیر باش تصدیق ایں است — واکرد بدل دلیل توفیق ایں است
تبعیت خلق از حقت غافل کرد — ترک تقلید گیر تحقیق ایں است

اصل اصول تحقیق یہی ہے کہ ہم لئے حق قبول کرنا ہے۔ اگر کوئی شخص حق بات کہے
...چاہیئے خواہ وہ مدعی نبوت نہ بھی ہو۔ اور مانتے ہوئے ایسے شخص کا واجب احترام
اخلاقاً واجب ہے لیکن اس کی بشری شخصیت سے وابستگی من دون اللہ یا
...ن الحق کیوں کی جائے۔ اور جو ایسا کرتے ہیں تحت الشعور ارادہ کرتے ہیں کہ جو کچھ بھی

یہ حاشیہ صفحہ ۵۲) ہر ایک مقام پر مذموم معنی ہی میں استعمال ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں آیات ۲۳/۵۱، ۳۳/۲۴، ۲۸/۸۲، ۲/۸۸، ۶۲/۶، ۳/۱۳۰، ۴/۳۴، ۶۲/۷، ۲/۸۹، ۷۵/۳۷، ۲۲/۵۱، ۳۶/۱۲، ۴/۱۲۲، ۲/۷۳، ۲/۱۰۵، ۴/۱۲۲، یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے کہ اس کے الفاظ قانونی محفوظ ہیں۔ لفظاً اور معناً۔ وہ اختلاف کثیر جو انسانی کلام اور کام میں واجب ہے قرآن اس سے پاک ہے۔ قرآن میں انبیاء کی غلطیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس لئے جہاں تک قرآن کا تعلق ہے جو وحیاً نازل ہوا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ لیکن احادیث میں سخت اختلاف ہے۔ تمام فرقوں کی بنا یہی اختلاف حدیث ہے۔

یہ شخص کہے گا۔ بلا چون وچرا تسلیم کر لیں گے ۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یا یہی شخص جس نے ایک حق بات کہہ کر ہمیں اپنا گرویدہ بنا لیا کوئی نامعقول بات کہے خواہ اس کا دعویٰ نبوت ہی کیوں نہ ہو۔ اس لائق ہے کہ رد کی جائے ۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے آیات محولہ بالا میں واضح کیا گیا ہے ۔

اہل تقلید عموماً خضر و موسیٰ کا قصہ بیان کرتے ہیں ۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ دستور کے موافق امراء و وزراء کے لڑکے صوبہ جات کے حکام کے پاس بغرض تربیت بھیجے جاتے اور حضرت موسیٰ بھی مجمع البحرین کے حاکم کے پاس اسی غرض سے آئے مجمع البحرین وہ علاقہ ہے جو بحر نیل کی انتہائی شرقی شاخ کے ساتھ ساتھ بحیرہ شام (روم) تک چلا گیا ہے ۔ اور جہاں نیل کی یہ شاخ بحیرہ شام سے ملتی ہے ۔ لیکن اس واقعہ کو تقلید سے دور کا واسطہ نہیں ۔ حاکم مجمع البحرین نے تربیت اس شرط پر منظور کی تھی کہ نوجوان موسیٰ اس کے کاموں کو دیکھے اور دیکھ کر خاموش رہے ۔ آپ عجلت پسند تھے بات بات پر بھڑک اٹھتے جو ناگوار طبع ہوتی ۔ اسی کی اصلاح معلم کرنا چاہتا تھا کہ اہم معاملات میں جلدی سے کام نہ لینا چاہیئے ۔ بسا اوقات پچھتانا پڑتا ہے اور بعض اوقات ایسی غلطی سرزد ہوتی ہے کہ تلافی نہیں ہو سکتی ۔ حضرت موسیٰ کا اعتراض بجا تھا اور اس کی نفی معلم نے نہیں کی ۔ اس نے اپنے فعل کے معقول وجوہ بیان کئے تو آپ کی بھی تسلی ہو گئی ۔ بصیرت کا تقاضہ ہے کہ شاگرد معلم کے ارشادات پر جو بھی شبہ ہو بیان کرے اور اگر معلم معقول توجیہہ نہ کر سکے تو قابل تسلیم ارشاد نہ ہوگا ۔

ایمان و عمل و علم و یقین وغیرہم ایسے موضوع ہیں جن پر بہت کچھ بحث ہو چکی اور مسلمانوں میں بلحاظ عقاید در بارہ ایمان وغیرہ بہت مذہب یا فرقے پیدا ہوئے مقام پر مفصل بحث کی جائے گی ۔ سر دست زیر بحث "تعامل" ہے ۔ یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ کائنات پر ہر آن تغیرات واقع ہوتے رہے ۔ ارض و سموات موجود ہیں اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کتنے تغیرات بعد رونما ہوئے ۔

تغیرات آفرینش سے جاری ہیں اور جاری رہیں گے ۔ خواہ ہمیں

تغیرات کی لطافت کی وجہ سے شعور نہ ہوا اور شعور اسی وقت ہوتا ہے۔ جب فرق بہت محسوس ہوتا ہے۔ طفل شیر خوار ہی ہے۔ جو جوان اور بوڑھا ہوتا ہے مگر روزانہ تغیر کا احساس نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ ارض و سموٰت " تغیر الارض والسموٰت " اسی قانون تغیرات کے تحت کسی دن محسوس ہوں گے۔ لیکن کائنات پر تغیرات کی حکمت ارتقا ہے جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اس لئے ارشاد قرآن ہے کہ

" بل قالوا انا وجدنا اباءنا علی امۃ و انا علی اثارھم مھتدون ۰ وکذلک ما ارسلنا من قبلک فی قریۃ من نذیر الا قال مترفوھا انا وجدنا اباءنا علی امۃ و انا علی اثرھم مقتدون ۰ قل اولو جئتکم باھدی مما وجدتم علیہ اباءکم قالوا انا بما ارسلتم بہ کفرون ۰ فانتقمنا منھم فانظر کیف کان عاقبۃ المکذبین ۰ واذ قال ابراھیم لابیہ وقومہ اننی براء مما تعبدون " (۲۵/۴۳)

" بلکہ کہا تو یہ کہا ہم نے اپنے بڑے بوڑھوں کو اجتماعی زندگی میں ایک روش پر چلتے پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چلنا ہدایت سمجھتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے کسی بستی کی طرف کوئی رسول عذاب الہیٰ سے ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کے سربر آوردہ شخصیوں نے یہ کہ کہا ہو کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک روش پر چل چل کر چلتے پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ رسول نے کہا کہ اگر میں تم کو اس سے بہتر روش بتاؤں جس پر تم نے اپنے بزرگوں کو پایا تو یہ تقاضا عقل ہے کہ تسلیم کرو۔ کہنے لگے رسول جو آیا ہے وہ بڑا بن کر ہمارے بڑوں کو بیوقوف بناتا ہے۔ ہم اس پیغام کے جو تو ہمارے پاس لایا ہے منکر ہیں۔ تو ہم نے ان کی اکڑ کا انتقام لیا۔ تو دیکھ ان جھٹلانے والوں کا انجام کیسا برا ہوا۔ اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم کو کہا کہ میں ان سے بیزار ہوں جن کی پوجا تم کرتے ہو "

یہی بات سمجھنے کی ہے جو ان آیات مبارکہ میں واضح کی گئی ہے کہ پہلی امتوں کا عبرت انگیز انجام پرانی لکیر پیٹنے کی وجہ سے ہوا جس میں شخصیت پرستی کا جذبہ بھی

کارفرما تھا۔ اسے تعامل کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تعامل کے دلدادہ ترقی کی حرکات سے نہ صرف محروم رہتے ہیں بلکہ ویرسوپرمنٹ جاتے ہیں۔ کسی امر پر "اجماع" کا یہ مفہوم نہیں کہ وہ غلطی سے معصوم ہے۔ ہر ایک نبی اور رسول "اجماع" کے خلاف ہی کہتا رہا۔

⑥ سیاسیات

اسباب تفرقہ میں "سیاسیات" کا کم حصہ نہیں بلکہ یہ کہنا کچھ بیجا نہیں کہ اولین سبب یہی سیاسیات ہی تھیں۔ اور خلافت راشدہ ہی میں سرگرم عمل تھیں۔ خلافت اول و دوم تو بخیر و خوبی ختم ہوئیں۔ تیسری خلافت کے دور میں ایک فریق پیدا ہو گیا جو بعد میں "شیعان علی" کے نام سے موسوم ہوا۔ اور اسی فرقہ سے ایک فرقہ پیدا ہوا جو "خوارج" کہلاتا ہے۔ دونوں ابتداء میں حضرت علیؓ خلیفہ چہارم کے سرگرم حامی تھے۔ مناسب مقام پر بحث کی جائے گی۔

قبائل قریش میں بنوامیہ اور بنو ہاشم میں قرابت قریبہ ہے۔ لیکن یہ ایک دوسرے کا حریف قبیلہ بھی تھا۔ بنوامیہ کا اقتدار شروع سے ارض حجاز بالخصوص مکہ میں زیادہ تھا۔ آنحضرت ﷺ بنو ہاشم سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کا ہم عصر ابوسفیان اموی تھا۔ ذیل کے شجرہ نسب سے ان کا خاندانی رشتہ واضح ہو جائے گا۔

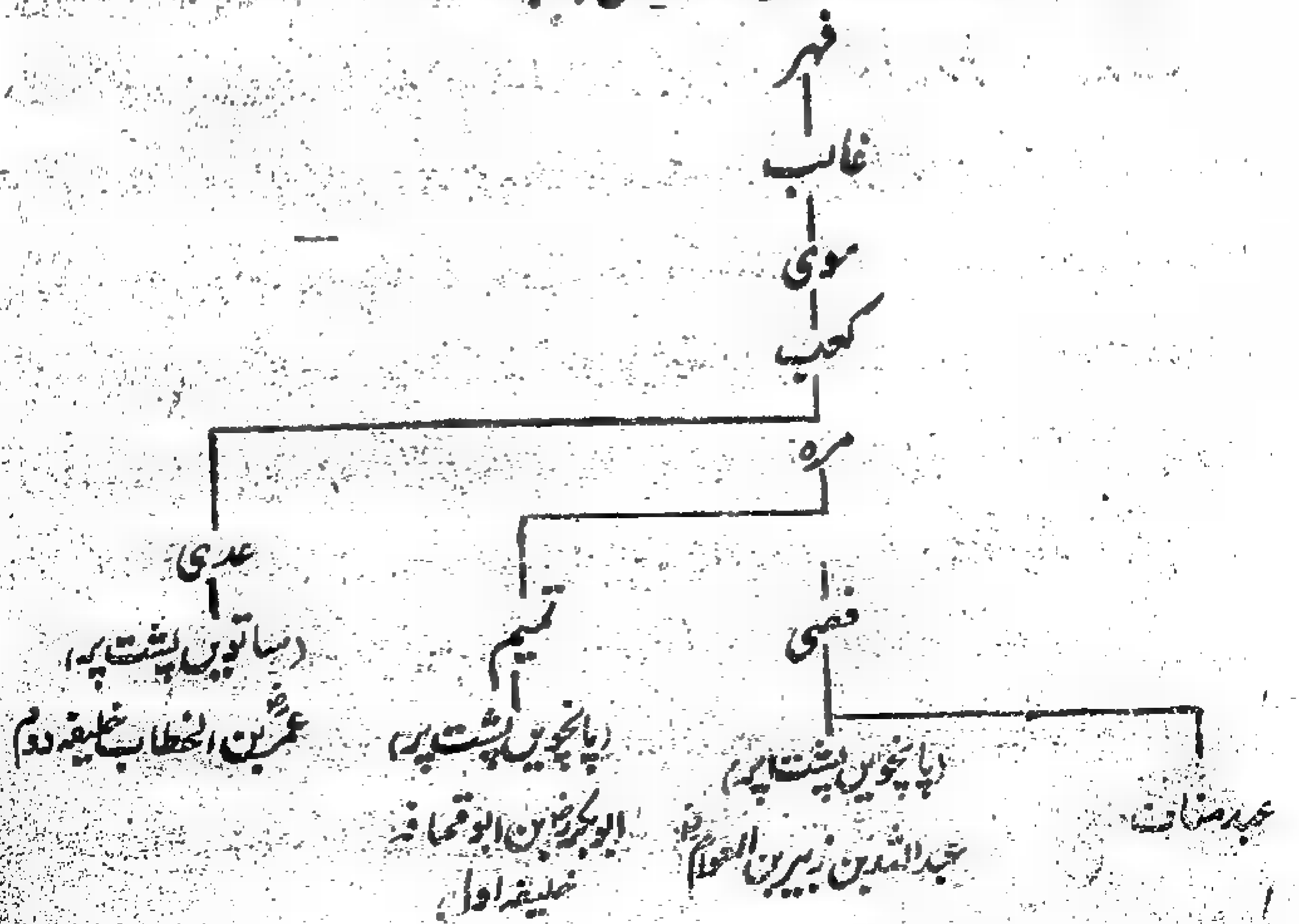

Marfat.com

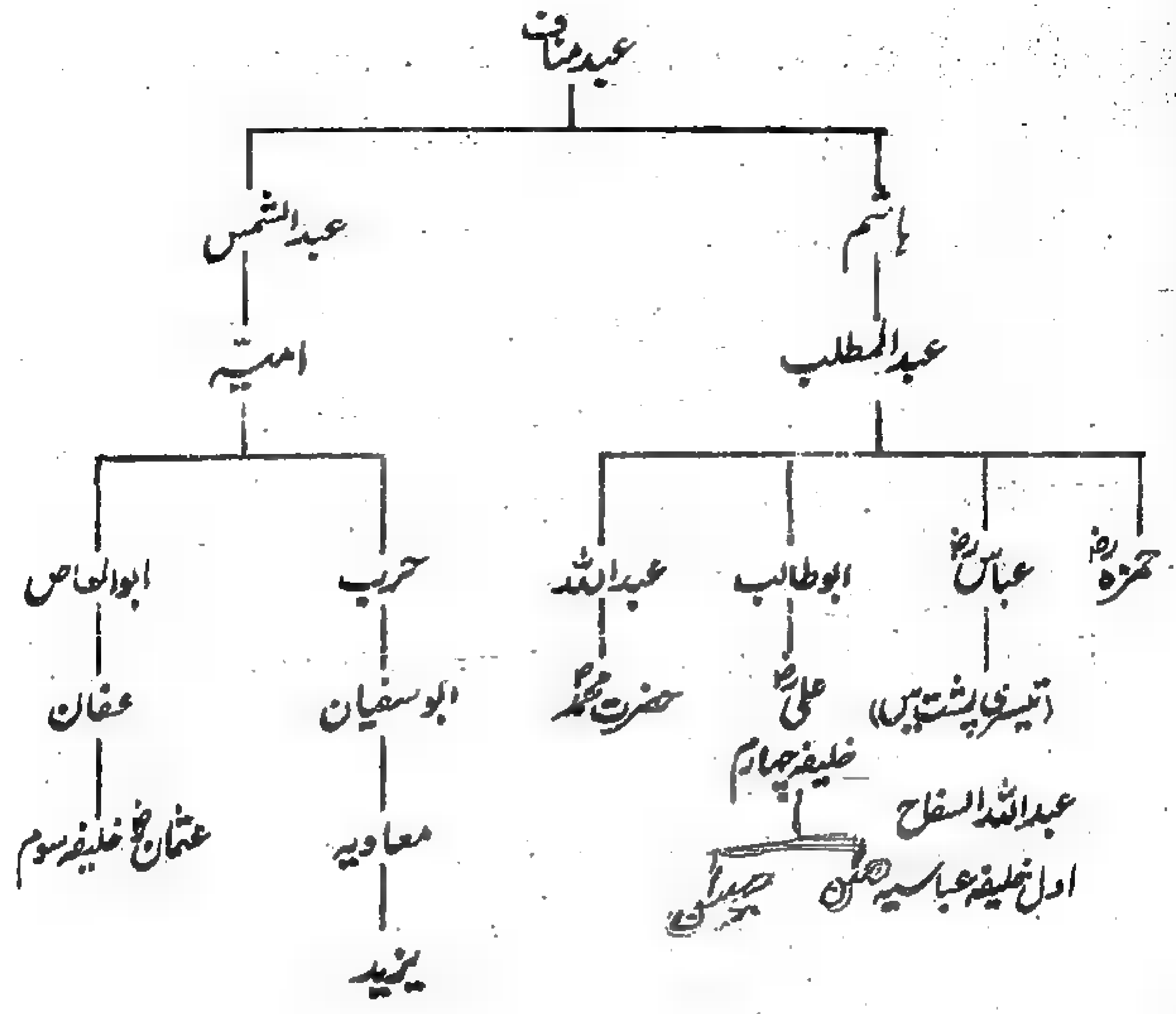

حضرت عمر رض کی شہادت کے بعد حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض دو شخصیتیں تھیں۔ اور ان میں سے ایک کو شوریٰ نے منتخب کرنا تھا۔ انتخاب حضرت عثمان رض کا ہوا تو حریف خاندان بنو ہاشم کو ناگوار گذرا۔ ابتدائی چند سال تو خیریت سے گزر گئے۔
بنو ہاشم کے لئے بظاہر کوئی وجہ ایسی نہ تھی یا نہ ملی جس کی بنا پر عوام کو بھڑکایا جائے۔ مگر یمن اور مصر اور عراق میں جو دار الخلافت سے دور تھے۔ خلافت کے خلاف اور حضرت علی رض کے حق میں تحریک جاری تھی۔ شمالی افریقہ میں فتوحات کا سلسلہ خلافت سوم میں جاری تھا۔ اس لئے عوام کی توجہ زیادہ تر اسی طرف مبذول تھی۔ دمشق میں امیر معاویہ خلافت اول سے مسلسل عامل تھا۔ اور حضرت عثمان رض سے قرابت قریبہ بھی تھی۔

یمن میں ایک شخص عبد اللہ بن سبا تھا۔ حضرت عثمان کے عہد میں مدینہ میں آیا۔ اصل میں یہودی تھا۔ دنیا اسلام کے طول و عرض میں سفر کر چکا تھا۔ اسلام قبول کیا تو توقعات کے خلاف کسی نے سر پر نہ اٹھایا۔ آخر مصر میں رہائش اختیار کی اور

اس سازش میں شامل ہو گیا جو خلافت عثمانیہ کے خلاف اور حضرت علیؓ کے حق میں پختہ ہو رہی تھی۔ اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ "ابوبکر و عمر و عثمان غاصب ہیں۔ حق خلافت علیؓ کا ہے۔ سازش کا جال کوفہ، بصرہ اور مصر میں پھیلا ہوا تھا۔ اور ابن سبا کی سرغنوں سے خفیہ خط و کتابت تھی۔ مدینہ میں مقتدر صحابہ میں سے بہت تھوڑے موجود تھے۔ مصر اور شام اور عراق اور ایران میں تمدن کی مسرتوں سے جب عرب ذائقہ شناس اور دنیوی جاہ و حشمت سے واقف ہوئے تو انہی ممالک میں بود و باش اختیار کر لی۔ حضرت عثمانؓ اس کے خلاف تھے۔ اور اراضیات کی کاشت وغیرہ سے منع کرتے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں خالص دو لاکھ قریشی عرب سپاہی تھے اب مصر اور شام اور عراق میں آباد ہو چکے تھے۔ اور محکوم اقوام پر اپنی فضیلت کا مظاہرہ بھی کرتے۔ محکوم اقوام ان سے تنگ آ چکی تھیں اور تمام تر ذمہ داری خلافت عثمانیہ پر ڈال رہی تھیں۔ اس لئے اس سازش کو انہوں نے زیادہ تقویت دی آخر وہ مقررہ دن بھی آ گیا۔ جب مالک ابن حارث النخعی کوفہ سے دو سو آدمیوں کے ساتھ اور حاکم بن جبلہ العبدی بصرہ سے ایک سو کے ساتھ اور عبدالرحمان ابن عدیس البلوی چھ سو مصریوں کے ساتھ مدینہ میں جمع ہوتے۔ یہ واقعہ ۳۵ھ کا ہے۔ یہ سب مسلح تھے۔ مدینہ کے قریب "ذوالخشب" میں ان لوگوں نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ اس سے پیشتر خود حضرت علیؓ بھی خلیفہ کو متنبہ کر چکے تھے کہ

"ملک کے طول و عرض میں بے چینی بڑھ رہی ہے۔ اس لئے جو کچھ ان وفود کے مطالبات ہیں ان پر ہمدردانہ غور کرنا چاہیئے۔"

ان میں ایک مطالبہ یہ تھا کہ "خلیفہ خلافت سے دستبردار ہو جاتے"۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو ان لوگوں کے پاس بھیجا کہ سمجھا کر راہ راست پر لائیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو ٹھنڈا کر دیا مگر عین اس وقت ایک شتر سوار ان کے سامنے سے گزرا۔ ان لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور دریافت کیا کہ کہاں جاتا ہے اور اس کے پاس کیا ہے۔ جامہ تلاشی کے بعد ایک خط ہاتھ آیا یہ

Marfat.com

خط ابن ابی سرح عامل مصر کے نام تھا۔ اس میں ان شوریدہ سروں کی نسبت نام بنام لکھا ہوا تھا کہ فلاں فلاں کا سر قلم کردو۔ فلاں فلاں کے ہاتھ پاؤں کاٹو اور فلاں فلاں کو قید و بند میں رکھو جب یہ مصر کی طرف لوٹیں۔"

یہ خط مجمع عام میں پڑھا گیا، سب بھڑک اٹھے اور خلیفہ کے مکان کو محاصرہ میں لے لیا۔ جب خلیفہ کو یہ خط دکھایا گیا تو آپؓ نے کہا کہ "یہ خط میرا لکھا ہوا نہیں۔" باغیوں نے کہا کہ "مروان آپ کے سیکرٹری کا لکھا ہوا ہے، اسے ہمارے حوالہ کردو۔" خلیفہ نے کہا کہ تحقیق باضابطہ ہونی چاہیئے۔ معقول باتیں عوام جب مشتعل ہوں نہیں سنتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مروان خلیفہ کے گھر میں ہی تھا مگر خلیفہ تو شہید ہوا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ باغیوں نے خلیفہ کے مکان کو چاروں طرف گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ حضرت علیؓ نے اپنے دونوں لڑکوں حسن و حسین کو حفاظت کیلئے بھیج دیا تھا۔ جو دروازہ پر متعین تھے۔ یہ کہ باغی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے اور خلیفہ کو جب کہ وہ قرآن تلاوت فرما رہے تھے شہید کر دیا۔ اثنا محاصرہ میں پانی ختم ہو چکا۔ تو خلیفہؓ نے چھرد کے سے پانی کی درخواست کی تو حضرت علیؓ نے دو مشکیزے بھجوا دئے مگر اس سے پیشتر باغی آب خنجر پلا چکے تھے۔ اب حضرت علیؓ اور دو چار مقتدر صحابی بھی آ گئے۔ سوال یہ ہے کہ پہلے خانہ نشین کیوں رہے؟

بات یہ ہے کہ یہ تمام قصہ ہی سیاسیات کی اختراع ہے۔ بلا شبہ عراق اور مصر سے مسلح وفود سینکڑوں کی تعداد میں آئے۔ ان کی مزاحمت کرنے والا کون تھا۔ جب کہ سب کچھ ایک منصوبہ کے تحت ہو رہا تھا۔ علاوہ ازیں یہ وفود تھے اور کچھ معروضات کے لیئے ہی حاضر ہو رہے تھے۔ خلیفہ وقت بروز روشن دار الخلافت اور اپنے ہی مکان میں مارا گیا۔ یہ واقعہ ہے۔ باقی افسانہ۔

یہ کام نہایت ہوشیاری، نہایت خاموشی سے کیا گیا۔ باغی اپنا کام کر چکے تو حضرت علیؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ خلیفہ کی شہادت کی خبر جب عرب اور شام اور مصر میں شائع ہوئی تو ایک آگ تھی جو بھڑک اٹھی اور تمام عرب بالخصوص

Marfat.com

قبائل قریش میں ایک جوش پیدا ہوگیا۔ یہ سازش غیر عرب مصریوں اور عراقیوں اور ایرانیوں کی دماغی کاوش کا نتیجہ تھی۔ جو عربی حکومت کا جوا اپنی گردنوں سے اتار کر اپنی پہلی شان و عظمت بحال کرنا چاہتے تھے۔ بنوہاشم ان کا آلہ کار بن کر رہ گئے۔ اب حضرت علیؓ کو بھی معلوم ہوا کہ مدینہ میں نہیں رہ سکتے۔ اس لئے دار الحکومت کوفہ میں منتقل کر لیا۔ کوفہ ارض حجاز سے اتنا ہی دور تر ہے جتنا ایران سے نزدیک تر۔ اور یہی خفیہ سازش کا مرکز بھی تھا۔ اور ہمیشہ بعد میں بھی رہا۔ بنوہاشم عرب کا اعتماد کھو بیٹھے تھے۔ ان کے ہوا خواہ زیادہ تر نومسلم مجوسی وغیرہ تھے۔ بنوہاشم کو عرب پر بھی اعتماد نہ رہا۔ عرب سے وہ اتنے ہی دور تر ایرانیوں سے نزدیک تر ہو گئے۔ جیسا کوفہ مدینہ سے دور تر اور مداین سے نزدیک تر تھا۔ عربی خلافت یا اقتدار شہادت عثمانؓ کے بعد خاک میں مل جاتا۔ مگر ایرانیوں میں روح جہاد کارفرما نہ تھا۔ دلیر دل نہ تھا۔ مفکر دماغ ضرور تھا۔ جو سیاسی ریشہ دوانی سے وہ کام نکالنا چاہتا تھا جو تلوار کے زور سے دل وگردہ والی قومیں نکالا کرتی ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ آخر کامیاب ہو گئے۔ اور عربی حکومت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا۔ لیکن سردست اتنا ہی کر سکے کہ دو مقتدر عربی قبیلوں میں پھوٹ ڈال دی۔ اور ایک کے ہوا خواہ بنے اور اسے اپنا بنا لیا۔

رد عمل شروع ہوا تو عرب بنوامیہ کے گرد جمع ہو گئے۔ اصل میں یہ سیاسی جنگ اب حاکم و محکوم اور غالب و مغلوب کے درمیان تھی۔ جو ایک صدی تک جاری رہی۔ یہاں تک بنوامیہ کی حکومت کے خاتمہ پر خلافت عباسیہ قائم ہو گئی۔ یہ عربی خلافت نہ تھی۔ ایرانیوں اور ترکوں کی سلطنت تھی جس پر برائے نام ایک عربی خلیفہ کی وہی حیثیت تھی جو کسی خانقاہ کے پیر کی ہوتی ہے۔ غیر عرب خلافت کے یہی سرپرست تھے۔ مگر سلطنت کی سند اور خرقہ سلطنت خلفاء عباسیہ ہی میں صدیوں تک عطا فرماتے رہے۔ تمام خلفاء عباسیہ عجمی لونڈیوں کے بطن سے تھے۔ عرب ملازم کی موجودگی حریم خلافت میں قطعاً ممنوع تھی۔ خلیفہ منصور جو در اصل اول خلیفہ عباسی ہے جس نے بغداد کی تعمیر شروع کی جب اس کو معلوم ہوا کہ فلاں ملازم خالص عرب ہے تو بلا کر کہا کہ میں تمہارے

Marfat.com

حسن خدمت سے بہت خوش ہوں۔ لیکن کوئی عرب میری حریم خلافت کی چاردیواری میں نہیں رہ سکتا۔

تمام مورخین طبری اور ابن اثیر وغیرہ نے ایسے واقعات بہت لکھے ہیں چونکہ ہم نے اپنی کتاب خلافت اسلامیہ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے اس لئے جہاں تک ہمارے موضوع زیر بحث کا تعلق ہے۔ اتنا ہی اشارہ کافی ہے کہ بساط سیاست پر دو کھلاڑی عرب اور عجم یعنی غیر عرب بالخصوص ایرانی تھے۔ عرب کے مہرے بنی امیہ اور عجمیوں کے بنو ہاشم تھے۔ عرب کے مہروں میں وزیر نہ تھا۔ عجمیوں کے مہروں میں وزیر کا اضافہ ہوا۔ تو عرب مات کھا گیا۔ وزارت امم آریہ میں ہمیشہ مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں رہی ہے۔ لیکن اسلام میں مذہبی حکومت (PRIESTLOOD) نہیں۔ عباسیوں نے اس عجمی رسم کو زندہ کیا تو وزارت پر ہمیشہ عجمی ہی متمکن رہے۔ جن کے دلوں میں ژند اوستا رچا ہوا تھا۔ "ژندیق" یا "زندیق" انہی کے دور وزارت میں ابھرے۔

انگریز مورخین نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ اموی خلافت خالص عربی تھی اور اس کا نصب العین اشاعت اسلام اور عربی زبان کی ترویج ہی رہا۔ جب ان کا تختہ الٹ گیا تو دونوں باتیں نہ رہیں۔ یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ فرقہ بندی کے اسباب میں سے جہاں تک آزادی رائے کا تعلق ہے محض اختلاف رائے پر کبھی خون خرابہ کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن جہاں تک سیاسیات کا تعلق ہے۔ باہمی جنگ و جدل کا بازار خوب گرم رہا چنانچہ جیسا کہ ہم بیان کر رہے ہیں۔ یہ سیاسی اختلاف رائے تھا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت واقع ہوئی اور حضرت علیؓ بھی نہ بچ سکے۔ سیاسیات سے الگ ہو کر محض تفقہ فی الدین یا فکری اختلاف رائے پر کسی فریق نے اپنے مخالف فریق کو کفر سے متہم نہیں کیا۔ لیکن جب عجمی عقاید کفریہ کو بھی آگے چل کر جگہ مل گئی تو فتاوی کفر بھی صادر ہونے لگے۔ لیکن اس پر بھی کسی کا قتل جائز نہیں سمجھا گیا۔ کسی مرتد کا قتل اسی صورت میں جائز تھا۔ جب کہ وہ عملاً حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرے اور قتل و غارت کا مرتکب ہو۔

ہم نے اپنی کتاب "اصول فقہ اسلامی" میں اس موضوع پر کافی بحث کی ہے۔

Marfat.com

چونکہ عموماً مرتد ہی بغاوت کے مرتکب ہوتے رہے ہیں جیسا کہ خلافت اول میں ہوئے اس لئے فقہا نے یا تو بغاوت کے سدباب کے لئے یا کسی اور وجہ سے محض ارتداد کی سزا قتل ہی تجویز کی۔ یہ صحیح فتویٰ نہیں۔ "لا اکراہ فی الدین" کا مفہوم یہی ہے کہ جبری ایمان اللہ کے ہاں مقبول نہیں۔ دین کے معاملہ میں ہر شخص آزاد ہے جو چاہے روش اختیار کرے لیکن شر پیدا نہ کرے۔ اگر شر کا مرتکب ہو تو حکومت انتظامیہ کا حق ہے کہ مناسب سزا بھی دے اور سدباب بھی کرے۔

(۷) حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ایک سیاسی فرقہ شیعان علیؓ پیدا ہو گیا۔ یہ ضرور تھا کہ ایک اور فریق بھی موجود ہو جس کا یہ مخالف تھا۔ ظاہر ہے کہ وہی فریق ہو سکتا ہے جو پہلے ہی موجود تھا اور امت واحدہ تھا۔ اس میں وہ بھی شامل ہو گئے جو حضرت علیؓ کا حق خلافت ان حالات میں تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے دو مقتدر صحابی طلحہؓ اور زبیرؓ بھی تھے۔ جن کو عشرہ مبشرہ میں شامل سمجھا گیا ہے یعنی ان دس اصحاب میں سے تھے جن کے حسن خدمت کے صلہ میں آنحضرتؐ نے ان کو بشارت جنت دی تھی۔ حضرت زبیرؓ بن العوام آنحضرتؐ کی پھوپھی کے لڑکے بھی تھے۔ خون عثمانؓ کے انتقام کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ فسانہ نویسوں نے حضرت ام المومنین عایشہ صدیقہؓ کی نسبت بھی لکھا ہے آپ بھی طلحہ اور زبیر کے ساتھ اس جنگ میں شریک تھیں۔ حالانکہ آپ کا بھائی محمد بن ابی بکر اس سازش کے سرغنوں میں سے تھا جس کا مذکور ہم کر چکے ہیں اور اس کے صلہ میں حضرت علیؓ نے اسے مصر کی حکومت تفویض کی۔ حضرت عائشہؓ کی ہمدردی اگر کچھ ہو سکتی ہے تو حضرت علیؓ سے ہونی چاہیئے تھی لیکن جب شیعان علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو غاصب قرار دیا تو یہ بھی اسی عقیدہ کے لگ بھگ بات تھی کہ حضرت عائشہؓ کی نسبت بھی ایسے ہی واقعات گھڑے جائیں جو حضرت علیؓ کی دشمنی پر محمول ہوں۔

امیر معاویہ اموی تھے اور حضرت عثمانؓ سے قرابت قریبہ بھی تھی۔ خون عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ بھی آپ کی طرف سے شرعی تھا۔ لیکن جب یہ پورا نہ ہوا تو دونوں

Marfat.com

فریق "صفین" میں لاؤ لشکر کے ساتھ اتر آئے۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی تھیں۔ جو دونوں کے درمیان آگئیں اور مملکت اسلام دونوں کے درمیان تقسیم کر دی۔ اور رعایت بھی اس تقسیم میں حضرت علیؓ کی کی۔ کہ امیر معاویہ کے حصہ میں صرف ملک شام آیا۔ کاش حضرت عمرؓ شوریٰ کی جگہ صدیقہؓ کے حوالہ جانشینی کا فیصلہ کرتے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں بھی حکومت اسی طرح تقسیم ہو سکتی تھی۔ اور ایک کی توجہ مغرب اور دوسرے کی مشرق کی طرف رہتی۔ امیر معاویہ اور حضرت علیؓ عرصہ تک تقسیم خلافت کے بعد امن سے اپنی اپنی جگہ رہے اگر خلافت پہلے ہی تقسیم ہو گئی ہوتی تو نہ خون عثمانؓ کا سوال پیدا ہوتا اور نہ امن میں خلل واقع ہوتا۔ اگر ہم ان روایات کو بھی صحیح تسلیم کر لیں جو شیعان علیؓ بیان کرتے ہیں تو یہ بات بالکل صاف ہے کہ وہ احترام شخصیت جو ان کے نزدیک حضرت علیؓ کا ہے اس زمانہ میں کسی دل میں نہ تھا۔ اور اگر یہ صورت ہوتی تو ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ کو کون خلافت غصب کرنے دیتا اور حضرت علیؓ بھی کیوں خاموش رہتے اگر خلافت کا حق اسی بنا پر ہے جو وہ قائم کرتے ہیں تو یہ بہت عرصہ بعد پیدا کیا گیا اگر ابتدا ہی میں ہوتا تو یہ ایسی بات نہ تھی کہ اس کا علم کسی کو نہ تھا اور یہ ایسی اہم بات تھی کہ اس کا علم اکثریت کو ضرور ہونا چاہیئے تھا۔ جب کہ احادیث چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی مذکور ہے اور ایسی ناقابل ذکر باتوں کا جن کو بچے بھی جانتے ہیں۔

جو بھی فرقہ سیاسی اغراض کے ساتھ کھڑا ہوا وہ یا تو خود حکومت کا طالب تھا یا طرز حکومت کو بدلنا چاہتا تھا۔ یہ دو فرقے شیعان علیؓ اور خوارج پہلی صدی ہجری میں پیدا ہوئے اس کے بعد ان کی شاخیں نئی نئی پھوٹتی گئیں۔ اور نئے نئے شگوفے نکلتے گئے۔ مفصل حالات مناسب مقام پر لکھے جائیں گے۔

ایسے فرقوں کو مذہبی فرقہ کہنا ہی درست نہیں۔ بلکہ سیاسی فرقے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قومیت کا مفہوم جیساکہ دیگر اقوام میں ہے مسلمانوں میں نہیں۔ ان کی قومیت انسان کا اوڑھنا بچھونا جو کچھ بھی ہے وہ ان کا دین ہے۔ اس لئے ان میں جو بھی فرقہ پیدا ہوا مذہبی رنگ میں رونما ہوا اور وہ کامیاب بھی نہ ہو سکتا تھا اگر مذہب کے نام پر نہ اٹھتا۔ اس

لیئے وہ تمام سیاسی جماعتیں یا فرقے جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے مذہبی فرقے ہی کہلائے حالانکہ ان کی اغراض میں قومی تفوق اور انفرادی دنیوی مفاد وغیرہ ہی کچھ تھا جو دیگر اقوام کی سیاسیات میں پایا جاتا ہے۔ ان کو مجبوراً اپنے مذہبی عقاید اور اپنی سیاسی اغراض میں مناسبت اور مطابقت پیدا کرنی پڑی۔ شیعان علیؓ اور خوارج کے عقاید میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ان کے سیاسی نظریوں میں ہے۔ شیعان علیؓ خلافت جس نے بعد ازاں "امامت" کی صورت اختیار کی اولاد علیؓ میں شخصی حق تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے خلاف خوارج نسباً نہیں وصفاً حق خلافت سمجھتے ہیں۔ اگر خلافت دنیوی حکومت اور امامت دینی حکومت تصور کی جائے۔ اور بظاہر ان میں یہی کچھ امتیاز ہے تو شیعان علی اعتقاداً اولاد علی کو دنیوی حکومت کا حق نہیں دیتے۔ بلکہ اس عقیدہ کی تائید میں امام جعفر صادقؓ کا ایک قول بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ "دنیوی حکومت ہمارے لئے نہیں ہے"۔

ایران کی تاریخ میں حکمران خاندانوں میں سے شاید ایک صفوی خاندان ہی ایسا گزرا ہے جس کو سید کہتے ہیں۔ لیکن مورخین کے نزدیک ہر ایک شخص یا خاندان جو سید کہلایا ضرور نہیں کہ اولاد علیؓ ہی ہو۔ عرب میں تو یہ اصطلاح اس معنے میں ابتدائی پانچ صدیوں میں کبھی استعمال نہیں ہوئی۔ مفصل بحث فرقہ اسماعیلیہ کے تحت کی جائے گی۔

شیعان علیؓ عرب بھی تھے اور زیادہ تر عجمی بھی ہیں۔ خوارج خالص عرب تھے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر ایک قوم کو خواہ عربی ہو یا عجمی جمہوریت کے لحاظ سے یہ حق حاصل ہے کہ آزاد ہو۔ لیکن یہ حق قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر اعتقاداً یہ تسلیم کیا جائے کہ حق حکومت صرف عرب کو حاصل ہے اور اس میں یہ خصوصیت پیدا کی جائے کہ خلافت کا حق صرف قریش کو ہے جیسے کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے یا قریش میں صرف اولاد علیؓ کا ہے جیساکہ شیعان علیؓ کا ہے۔ تو یہ صرف سیاسی نظریے ہیں۔ انہیں عملاً تقویت دینے کے لئے آیات قرآن اور احادیث کی ضرورت تھی۔ آیات سے تائید نہ ہوئی تو احادیث گھڑی گئیں۔ پھر انہی احادیث کا مفہوم کھینچ تان کر آیات میں بھی پیدا کیا گیا۔ غرض سیاسی

Marfat.com

نظریوں نے بھی مذہبی صورت اختیار کرلی۔ ان نظریوں کی تشریح ہم ان فرقوں کے عقاید میں کریں گے۔

فلسفہ فلسفہ سے مراد اگر عقلیات ہیں تو کوئی متمدن قوم اس سے خالی نہیں تھی لیکن یونان نے اسے مدون کیا اور افلاطون اور ارسطو نے اسے جس علمی رنگ میں پیش کیا۔ مسلمان جب اس سے واقف ہوتے تو اہل علم و حکمت خود بخود اس طرف کھیچے آئے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کا اوڑھنا بچھونا صرف دین تھا۔ اس لئے جو اشخاص فلسفہ یونان سے واقف ہوتے انہوں نے دین کے ترازو میں اس کو تولا۔ ابتدائی دو صدیوں میں مسلمانوں کی زندگی عملی تھی۔ دماغی تعیش کی طرف توجہ اس لئے نہ تھی کہ فرصت نہ تھی۔ لیکن فتوحات کے دوران میں جن عجمی اقوام سے سابقہ پڑا۔ ان کے مذاہب اور رسم و رواج سے واقفیت بھی ہوئی۔ ایران کے مذاہب میں کوئی کشش محسوس نہ کی۔ لیکن شام میں اہل کتاب نصاریٰ زیادہ تر یونانی تھے اور حکومت بھی یونانی تھی۔ اگرچہ رومی کہلاتی تھی۔ اہل کتاب سے مسلمانوں کو خاص نسبت بھی تھی۔ مسیحیت جیسی کہ یونان میں شائع تھی۔ حضرت مسیحؑ اور آپ کے حواریوں کا مذہب نہ تھا۔ پولوس رسول کی اختراع تھی (PAULINE CHRISTIANITY)۔ اس مسیحیت کو پولوس نے یونانیوں کے عقائد یا ذہنیت میں ڈھالا تاکہ یونانیوں میں قابل قبول ہو۔ جب مسیحیت یونانیوں کا راج دھرم ہو گیا۔ تو یونانی فلسفہ نے تثلیث اور دیگر پولوسی عقائد موضوعہ کی تائید میں اپنی قوت صرف کر دی، اگرچہ قرآن میں ان عقائد باطلہ کی پرزور تردید کی گئی۔ مگر مسلمان عرصہ تک اسے اصلی مسیحیت سمجھتے رہے جو رائج الوقت تھی۔ نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ مسیحؑ کی پیدائش اور وفات اعجازی ہے۔ بغیر باپ پیدا ہوئے اور اب تک زندہ ہیں۔ محض زندہ رہنا اور پوشیدہ رہنا تو ان کے لئے کچھ مفید نہ تھا۔ اس لئے آمد ثانی کی ضرورت بھی محسوس ہوئی اور مقدس متی وغیرہ کی انجیل میں ایسے فقرات بھی مل گئے۔ جو اس عقیدہ کی تائید میں ہیں۔ حالانکہ مسیحؑ اپنی آمد ثانی اپنے زمانہ کے لوگوں کی موجودگی میں بطور

Marfat.com

پیشں گوئی بیان کرتے ہیں۔ اور جب قبر میں ان کو مردہ سمجھ کر رکھا گیا اور تیسرے روز قبر خالی پائی گئی اور آپ حواریوں سے ملے اور ان کو یقین دلایا کہ وہ روح کو نہیں آپ کے خاکی جسم کو دیکھ رہے ہیں اور اپنی پسلی کا زخم بھی دکھایا جو رومی سپاہی کے بھالے سے لگا تھا۔ تو آپ کی آمد ثانی پر ایمان لائے۔ اور یقین کیا کہ صلیب پر آپ فوت نہیں ہوتے تھے

یہی واقعہ انجیل مقدس یوحنا اور قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

انجیل کی عبارت حسب ذیل ہے

"مگر ان بارہ حواریوں میں سے ایک توما جسے توام کہتے اس وقت ان کے ساتھ نہ تھا جب یسوع ان سے ملا۔ پس باقی شاگرد اس سے کہنے لگے ہم نے ربی کو دیکھا ہے مگر اس نے ان سے کہا کہ جب تک میں اس کے ہاتھوں میں میخوں کے سوراخ نہ دیکھ لوں اور میخوں کے سوراخ میں اپنی انگلی نہ ڈال لوں اور اپنا ہاتھ اس کی پسلی میں نہ ڈال لوں ہرگز یقین نہ کروں گا۔"

(مقدس یوحنا ٢٠/٢٤)

آٹھ روز بعد سب حواری جمع تھے اور توما بھی موجود تھا۔ تو مسیحؑ آگئے۔ حواریوں نے توما سے کہا کہ دیکھ لے۔ مسیحؑ نے توما سے کہا کہ میرے زخموں کو اچھی طرح دیکھ لے اور اپنی انگلی ڈال کر تسلی کر لے۔ بے ایمان نہ ہو ایمان لا۔"

توما چلایا۔ "ربی، ربی، میں ایمان لایا" یسوع نے اسے کہا کہ

"تُو تو مجھے دیکھ کر ایمان لایا ہے۔ مبارک ہے [redacted] قوم جو بن دیکھے ایمان لائے گی" (کہ میں صلیب پر فوت نہیں ہوا) یعنی اہل اسلام

قرآن میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ

"وما قتلوہ یقیناً ..... وان من اھل الکتب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ، ویوم القیمۃ یکون علیھم شھیدا ۰ (٦/٤)

"اور یقیناً مسیح کو انہوں نے نہیں مارا .... اور اہل کتاب (انجیل) سے کوئی ایسا نہیں مگر یہ کہ بالضرور ایمان (اس امر پر کہ مسیح مصلوب و مقتول نہیں ہوا) لائے

اس کی (طبعی) موت سے پیشتر اور قیامت کے دن تو وہ ان پر گواہ ہو گا۔"

"من اہل الکتٰب" سے مراد اس آیت میں "توما" اور اسی قبیل کے لوگ ہیں جو پہلے ایمان اس امر پر نہ لاتے مگر جب اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ایمان لائے۔

مسلمانوں نے آیات قرآن کو بھی نصاریٰ کے عقائد کی روشنی میں دیکھا۔ اس لئے کہ اولوالعزم رسول اور نبی کے بارہ میں جو معجزہ بھی بیان کیا جائے مان لینا چاہیئے۔ آیات محولہ بالا کی نسبت یہ سمجھے کہ مسیحؑ دوبارہ اس دنیا میں آئیں گے اور جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے یہود کو ان کے کفر کی سزا دیں گے۔ اس وقت اہل کتاب (یہود) ایمان لے آئیں گے اور نصاریٰ تثلیث ترک کر دیں گے۔ حالانکہ آیات کا سیاق سباق واضح کر رہا ہے کہ واقعہ صلیب زیر بحث ہے۔ حواریوں نے دور سے یہ نظارہ دیکھا اور اس وقت سب حواری بھی موجود نہ تھے۔

"مقتول اس شخص کو کہتے ہیں جو بذریعہ قتل مارا جائے اور مصلوب وہ ہے جو صلیب پر مارا جائے۔ اور یہ تو نصاریٰ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یسوع کی ہڈیاں صلیب سے اتار کر توڑی نہیں گئیں۔ اور ایک یا دو چوروں کی ہڈیاں اس لئے توڑی گئیں کہ ابھی زندہ تھے۔ اور یسوع کی نسبت یہ خیال رومی سپاہیوں کو ہوا کہ صلیب پر ہی دو تین گھنٹوں میں مر گیا۔ اس لئے آپ قتل نہیں کئے گئے۔ حواریوں نے یہ سمجھا کہ جب آپ صلیب پر آویزاں کئے گئے تو ضرور مر گئے۔ یہ غلط فہمی اس وقت رفع ہوئی جب ان سے ملے۔

مسلمانوں نے یہ کہہ کر بحث ختم کر دی کہ انجیل محرف ہے۔ صحیح یہی ہے کہ مسیحؑ کی جگہ کوئی اور (ناکردہ گناہ) شخص صلیب دیا گیا۔ جو شکل و صورت میں ملتا جلتا تھا اور جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے آپ آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور آخری زمانہ میں پھر نازل ہوں گے

اس حد تک تو مسلمانوں کا عیسائیوں سے مذہبی عقائد میں اتفاق اور اختلاف رہا۔ لیکن جب یونانی فیلسوفوں افلاطون اور ارسطو وغیرہ کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں

Marfat.com

سلام اُن پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی

تو پھر سے اپنے عقائد کا جائزہ لیا کہ کس حد تک مطابق یا مخالف ہے۔ بعض تو اتنے مرعوب ہوئے کہ فلسفہ یونان کو جیسا کہ افلاطون و ارسطو نے پیش کیا تھا، ایک حقیقت سمجھنے لگے۔ فارابی اور بوعلی سینا اور ابن رشد جیسے بلند پایہ حکماء بھی مسلمات اولی (FIRST PRINCIPLES) سمجھتے رہے۔ غالباً پہلا فرقہ جو یونانی فلسفہ سے متاثر ہوا "معتزلہ" ہے۔ اب علمائے اسلام کی توجہ بھی اس طرف ہوئی انہوں نے یہ سمجھا کہ فلسفہ نے مسلمانوں کے عقاید دربارہ ذات و صفات الٰہیہ اور حیات بعد ممات و جنت و جہنم متزلزل کردئے ہیں۔ اس لئے انھوں نے بھی مدافعت کے لئے انہی ہتھیاروں سے کام لیا جس کو فلسفی استعمال کر رہے تھے۔ یعنی استدلال عقلیہ یہ "متکلم" کہلائے۔ اس طرح "علم کلام" کی بنیاد ڈالی گئی۔ بعض مسلمان علماء ایسے بھی تھے جو سرے سے فلسفہ کو کفر سمجھتے اور مسلمانوں کو اس سے باز رکھتے۔

امام محمد غزالی اور امام رازی نے "علم کلام" کو عروج پہ پہنچا دیا۔ امام غزالی نے اپنی کتاب "احیاء العلوم الدین" میں فلسفہ کا رد شرح و بسط سے کیا ہے۔ آپ کی کتاب "تہافۃ الفلاسفہ" میں آپ کا ایک خطبہ ہے جو اسی موضوع پر دیا۔ اس میں آپ مسائل فلسفہ کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک وہ جو اسلام کے موافق ہیں۔ دوسرے وہ جو اصول اسلام کے مخالف نہیں۔ تیسرے وہ جو اسلام کے عقائد کے مخالف ہیں۔ اس میں عالم کا قدم و حدوث اور حشر اجساد وغیرہ داخل ہیں۔ زیر بحث بھی تیسری قسم ہے، امام صاحب جہاں تک اس مادی دنیا کے محسوسات کا تعلق ہے بحث خوب کرتے ہیں۔ اور ہر ایک شخص بسہولت سمجھ سکتا ہے لیکن جب مابعد الطبعیات پر بحث کرتے ہیں تو تصوف کی آڑ لیتے ہیں۔ تصوف ابتداءً اسلام میں عملی زندگی تزکیہ نفس و تصفیہ قلب اور اخلاق حسنہ تک محدود تھی۔ اب امام صاحب اور دیگر متکلمین، شیخ اکبرؒ محی الدین ابن عربی اور مولوی جلال الدین رومی صاحب مثنوی معنوی وغیرہم کے ہاتھوں میں فلسفہ کی صورت اختیار کر گیا۔

یہ مسلمات میں سے ہے کہ حقائق کا اظہار انسان پر تحقیقاً مشاہدہ اور تجربہ سے

ہوتا ہے اور تقلید "خبر صحیح" سے اور دونوں میں استدلال عقلیہ ہی کارفرما ہے۔ جب امام صاحب یہ کہتے ہیں کہ حشر و نشر وغیرہ ایک حقیقت ہے تو اس کی شہادت میں صوفیہ کرام کا مشاہدہ پیش کرتے ہیں یا انبیاء کا۔ تو اس کی حیثیت خبر صحیح کی رہ جاتی ہے۔

اس پر "یقین" کیا جا سکتا ہے مگر یہ "علم" نہیں جو صرف شاہد کو حاصل ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں مکہ معظمہ گیا اور وہاں یہ کچھ دیکھا۔ یہ خبر صحیح ہے لیکن اگر کوئی شخص انکار کرے تو اس کو مکہ معظمہ دکھایا بھی جا سکتا ہے۔ اس طرح خبر صحیح وہی علم کے درجہ کی حیثیت رکھتی ہے جو مشاہدہ میں آ سکے۔ ایک صاحب بصر کہتا ہے کہ آفتاب روشن ہے اور نابینا انکار کرتا ہے۔ نابینا آفتاب کو کسی صورت میں دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن استدلال عقلیہ ان محسوسات پر ہو سکتا ہے جن کا تعلق دیگر حواس سے ہے جس سے نابینا محروم نہیں۔ اس لئے استدلال عقلیہ بشرطیکہ حواس ظاہری و باطنی سے علیحدہ نہ ہو ذریعہ علم و یقین ہو سکتا ہے۔ امام صاحب مادہ پرست دہریوں کو کہتے ہیں کہ

"ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نہ چشی"

ابن رشد نے امام غزالی کے فلسفہ کا رد لکھا اور طنزاً کہا کہ

"یہ شخص ایسا احسان فراموش ہے کہ فلسفہ ہی سے سب کچھ سیکھا اور اسی کا رد کرتا ہے۔"

اور یہ بھی لکھتا ہے کہ

"اس کا کوئی خاص مذہب بھی نہیں۔ بظاہر "اشعری" ہے مگر صوفی بھی ہے اور فلسفی بھی ہے۔"

ابن رشد تو بالکل ارسطو کا گردیدہ ہے بلکہ اسی نے ارسطو کا نام زندہ کیا جس کو یونان بھی بھول چکا تھا۔

امام صاحب نے آیہ قرآنی پر عمل کیا کہ

"دشمنان دین اللہ اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے ہر ممکن قوت بہم پہنچاؤ۔"

نیزہ اور تیر کچھ آنحضرتؐ کی اختراع نہ تھے مگر دشمنوں کے مقابلہ میں انہی کے ہتھیاروں کو انہی کے مقابلہ میں استعمال کیا۔ عقل کا واحد مالک کچھ افلاطون اور ارسطو نہ تھا البتہ استدلال عقلیہ جس روش پر استعمال کیا۔ اسی طرح امام صاحب نے بھی کیا لیکن وہ خود کشف حقائق علم کلام پر منحصر یقین نہیں کرتے۔

معتزلہ فلسفہ یونان سے مرعوب ہے تو ان کے مقابلہ میں اشعری اٹھ کھڑے ہوئے اور یہی فلسفہ ان کے خلاف استعمال کیا۔ بغدادی کی کتاب "فرق بین الفرق" کا یہی موضوع ہے۔ غرض مسلمانوں میں فرقہ بندی کے اسباب میں سے ایک فلسفہ بھی ہے۔

عصمتِ انبیاء

شخصیت پرستی کا سنگ بنیاد عصمتِ انبیاء اور شفاعت وغیرہ عقائد ہیں۔ چونکہ ان دونوں عقائد عصمت انبیاء اور شفاعت پرستی اور شیعہ دونوں کا اتفاق ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے۔ کہ یہ عقائد کب اسلام میں داخل کئے گئے۔ حالانکہ قرآن اور احادیث صحیحہ میں ان کی کوئی سند نہیں۔

عصمت سے ہماری مراد عصمت عن الخطاء والنسیان ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا انسان خواہ وہ نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو خطا ونسیان سے معصوم اور مصئون ہے؟

غلط فہمی سے لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ عصمت سے مراد گناہ صغیرہ وکبیرہ میں انبیاء اور اماموں کا کیا مذکور ہے ایک نیک آدمی خواہ وہ غیر مسلم ہی ہو دیدہ دانستہ ایسے فعل کا مرتکب نہیں ہوتا ہے وہ شنیع یقین کرتا ہو۔ سہواً انسان سے ایسے اعمال سرزد ہوتے ہیں جنہیں گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہود عصمت انبیاء کے قائل نہیں تھے۔ البتہ مسیحی ایک مسیحؑ کی شخصیت کو معصوم یقین کرتے ہیں۔ چونکہ پولوس نے آپ کو الوہیت کا درجہ دیا اس لئے اس کا لازم نتیجہ یہ تھا کہ آپ کی ذات بے عیب ہے۔ یہ عقیدہ اقوام آریا میں عام ہے۔ وہ اپنے دیوتاؤں اور اوتاروں بلکہ راجوں کو بھی "نہ کلنک" (بے عیب معصوم) یقین کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب مظہر الوہیت تھے۔ اور اللہ ہر ایک عیب سے پاک ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ

Marfat.com

Immaculate

اگر کوئی مظہر الوہیت ہو تو وہ معصوم ہوگا۔

مذہبی آزادی خلافت اسلامیہ میں ہر ایک غیر مسلم کا پیدائشی اور قومی حق تسلیم کیا گیا جب خلافت عباسیہ کے دور میں مذہبی مباحثے بھی شروع ہو گیا تو غیر مسلم اقوام کے عقائد سے بھی واقفیت ہوئی۔ اسلام عالمگیر دین ہے۔ تبلیغ بھی ایک فریضہ اہل علم و حکمت پر ہے۔ اس لئے دوران تبلیغ میں بحث مسائل بھی ناگزیر امر تھا۔ ہر ایک اہل مذہب اپنے مذہب کی فوقیت پر دلیل لاتا۔

مسیحی یہ کہتے کہ مسیحؑ پیدائشی معصوم ہے اس لئے کہ بلا باپ پیدا ہوئے۔ آدمؑ کا گناہ آپ کو وراثتاً نہیں ملا۔ ان ایام میں مسلمان علماء عیسائیوں کی کتب بالخصوص انجیل سے واقف نہ تھے۔ وہ "بائیبل" کو محرف سمجھتے ہوئے اس کا مطالعہ تضیع اوقات خیال کرتے۔ اگر وہ انجیل کا مطالعہ کرتے تو خود مسیحؑ کی اپنی شہادت موجود ہے کہ آپ معصوم نہ تھے، اول تو آپ اپنے آپ کو بار بار "ابن آدم" کہتے ہیں۔ اگر یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ آپ کو "محروم الارث" کیا گیا تو خود مسیحی عقیدہ کے مطابق آپ نے تمام جہاں کے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور اس کی پاداش میں تین دن جہنم میں بھی رہے۔ (نقل کفر کفر نباشد) حسب روایت مقدس متی ($\frac{19}{16}$)

"ایک شخص آپ کے پاس آیا اور آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کہ اے نیک استاد، بتاؤ کہ میں کون سی نیکی کروں کہ حیات ابدی پاؤں، آپ نے فرمایا کہ "تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ نیک تو صرف ایک ہی ہے، اور وہ آسمانی باپ (اب) ہے"

مسلمان سچ کہتے ہیں کہ عیسائیوں نے انجیل میں تحریف لفظی اور معنوی ہر ایک زمانہ میں کی اور اس لئے کی کہ ان کے پولوسی عقائد سے مطابقت پیدا ہو جائے۔

میں نے جو انجیل آج سے زائد از چالیس سال پڑھی تھی اس میں وہی عبارت ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ موجودہ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۴۷ء جو بائیبل سوسائٹی انارکلی لاہور نے کیا اور گریٹ برٹن مطبع نے شائع کیا حسب ذیل ہے۔

Marfat.com

"اور دیکھو ایک شخص نے پاس آکر اس سے کہا: اے استاد! میں کونسی نیکی کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں اس نے اس سے کہا کہ تو مجھ سے نیکی کی بات کیوں پوچھتا ہے۔ نیک تو ایک ہی ہے لیکن اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر۔" وغیرہ

بائبل کا عربی میں ترجمہ قاہرہ (مصر) میں ۱۹۲۷ء میں طبع ہوا۔ انہی آیات محولہ بالا کا عربی میں ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

" واذا واحد تقدم وقال له	اور جب ایک شخص اس کے پاس
ایها المعلم الصالح ای صلاح اعمل	آیا اور اسے کہا کہ اے نیک استاد
لتكون لى الحيوة الابديه۔	میں کون سا عمل کروں کہ ہمیشہ کی
فقال له لماذا تدعونى صالحا	زندگی پاؤں۔ تو اس نے اسے کہا
ليس احد صالحا الا واحد	کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے، ہرگز
وهو الله۔"	کوئی نیک نہیں ہے۔ مگر ایک، اور
(انجیل متی $\frac{19}{17}$)	وہ اللہ ہے۔

انگریزی ترجمہ لندن میں جو "آئیر و سپوٹس وڈ، ۳۳ پیٹر نوسٹر رو، ای، سی (EYRE & SPOTTISWOODE, 33, PATERNOSTER ROW, E.C.) نے شائع کیا۔ حسب ذیل ہے:۔

16. AND BEHOLDE ONE COME	"اور دیکھو ایک اس کے پاس آیا
AND SAID UNTO HIM,	اور کہا اس کو نیک استاد، میں
GOOD MASTER, WHAT	کون سا نیک عمل کروں۔ کہ
GOOD THING SHELL I DO,	ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔"
THAT I MAY HAVE ETERNAL	
LIFE.	
17. AND HE SAID UNTO HIM	اور اس نے اس سے کہا "تو مجھے

نیک کیوں کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں، مگر ایک، یعنی اللہ۔	WHY CALLEST THOU ME GOOD, THERE IS NONE GOOD, BUT ONE, THAT IS GOD.

اردو ترجمہ میں جس تحریف سے کام لیا گیا ہے عربی اور انگریزی کے تقابل سے واضح ہو سکتا ہے۔

مسلمان عیسائیوں کو الزامی جواب دیتے ہوئے اس لئے بھی تقوی کو ہاتھ سے نہ دیتے کہ ایسا نہ ہو کہ بحث کی گرمی میں حضرت عیسٰی ابن مریم کی شان میں کوئی ناشائستہ کلمہ منہ سے نکل جائے۔ اور آنحضرت ؐ نے بھی فرما دیا تھا کہ

"میرا اور انبیاء سابقہ کا مقابلہ کرتے وقت کوئی ایسی بات نہ کہو کہ ان میں سے کسی کی توہین ہو۔"

یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء، بالخصوص حضرت موسیٰ و عیسیٰ کی نسبت جو کچھ بھی بڑھ چڑھ کر بیان کرتے مسلمان "امنا و صدقنا" کہتے۔ مسلمانوں کا تو ایمان توراۃ اور انجیل پر ایسا ہی تھا جیسا قرآن پر (والذین یومنون بما انزل علیک وبما انزل من قبلک "لا نفرق"۔ اور یہود و نصاریٰ دونوں قرآن اور آں حضرت ؐ کی رسالت کے منکر تھے اور اب بھی ہیں۔ جب مسیحی یہ کہتے کہ "مسیح ؑ بلا باپ پیدا ہوئے اور ہر ایک گناہ سے جو انسان کرتا ہے معصوم ہیں" تو یہ مسیح ؑ کو گنہگار ثابت نہ کر سکے، کانپ اٹھتے کہ ایک اولوالعزم پیغمبر کی شان میں یہ کیسے کہیں کہ وہ بھی آخر انسان تھا اور فطری کمزوری سے پاک نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اسی حربہ سے کام لیا جو دشمن استعمال کر رہا تھا۔ اور اصولاً ماننا پڑا کہ تمام انبیاء معصوم ہی تھے۔ اس لئے اگر مسیح ؑ معصوم ہیں تو یہ کوئی خصوصیت انہی کی ذات تک محدود نہیں۔ لیکن جب دیکھا کہ آیات قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی تو تاویل سے کام لیا کہ ہر ایک نبی نبوت سے پہلے ہو سکتا ہے کہ گنہگار بھی ہو لیکن جب اللہ نے نبوت عطا فرمائی تو بالکل معصوم ہو گیا۔ اور یہ کہ

Marfat.com

"توبہ گناہوں کو محو کر دیتی ہے۔ حضرت موسیٰ کو فرعون نے سر دربار جب یہ کہا کہ

"تیری پرورش شاہانہ طریقہ پر ہوئی۔ اس احسان کا بدلہ تو نے یہ دیا کہ ایک قبطی افسر کو مار ڈالا" تو آپ نے جواب دیا کہ پرورش تو اس لئے کی کہ مجھے میری قوم کے خلاف آلہ کار بنایا جائے۔ یعنی میری پرورش نیک نیتی سے نہیں کی۔ البتہ میں نے قبطی کا خون ضرور کیا۔ (فعلتہا اذا وانا من الضالین" (۲۰/۱۹) اور اس وقت میں گمراہ تھا۔"

قتل کے فوراً بعد کہا " ھذا من عمل الشیطٰن انہ عدو مضل مبین" (۲۸/۱۵) یہ شیطانی عمل تھا۔ تحقیق وہ علانیہ دشمن ہے۔"

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کی نسبت مذکور ہے کہ قوم ستارہ پرست تھی۔ آپ نے بھی سورج، چاند اور زہرہ کی پوجا کی لیکن جب نبوت عطا ہوئی تو فرمایا کہ لا احب الآفلین میں فانی ہستیوں کو بحیثیت معبود ناپسند کرتا ہوں،

اسی طرح آنحضرتؐ کی نسبت ارشاد ہے: "ووجدک ضالا فھدی" (۹۳/۷) جب نبوت عطا ہوئی تو ہدایت پائی۔

حضرت آدمؑ کی نسبت ارشاد ہے کہ " وعصیٰ آدم ربہ فغوی ثم اجتبٰہ ربہ فتاب علیہ وھدیٰ۔"

امام غزالیؒ "احیاء علوم الدین" (جلد چہارم باب اول در بارہ توبہ) میں لکھتے ہیں کہ:-

"کوئی شخص اعضا کے گناہ سے خالی نہیں کیونکہ اعضا کے گناہ سے تو انبیاء تک نہ بچ سکے۔ قرآن و حدیث میں انبیاء کی خطاؤں اور ان کی توبہ اور خطاؤں پر گریہ وزاری کا مذکور موجود ہے۔ اگر بعض اوقات انسان اعضا کے گناہ سے محفوظ بھی رہے تو دل سے قصد گناہ سے نہ بچے گا۔ اور اگر دل میں بھی قصد نہ ہوگا تو وسوسۂ شیطان سے نہ بچے گا کہ وہ خیالات پریشان دل میں پیدا کرتا ہے اور اس سے یاد الٰہی سے غفلت پیدا ہوتی ہے

Marfat.com

اور اگر وسواس سے بھی خالی رہے تو اس بات سے نہیں بچ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال کی واقفیت میں غفلت اور قصور ہو اور یہ سب باتیں نقصان کی ہیں۔ اور ہر نقصان کا کوئی سبب ہے اور اس نقصان کو چھوڑنا اور اس کی ضد نفع کو اختیار کرنا توبہ کی غرض ہے اور کسی انسان کے متعلق یہ متصور نہیں ہو سکتا کہ وہ اس نقصان سے خالی ہے (آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ ما عرفناک حق معرفتک) البتہ مقدار نقصان کے بارہ میں لوگ مختلف الرائے ہیں، اصل نقصان کچھ نہ کچھ ہر ایک میں موجود ہے اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ "انہ لیغان علی قلبی حتی استغفر اللہ فی الیوم واللیلۃ سبعین مرۃ" (بے شک میرے دل پر زنگ کا پردہ آجاتا ہے یہاں تک کہ میں دن رات میں ستر بار استغفار پڑھتا ہوں۔ رواہ مسلم) اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بزرگی عطا فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا "لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر" (اللہ نے تیری اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمائیں) جب ایسے عالی شان نبی کا یہ حال ہو تو دوسروں کا کیا ہوگا؟

امام صاحب (متوفی ۵۰۵ھ) کے زمانہ میں عصمت انبیاء پر بحث اس شد و مد سے نہیں تھی جس زور سے بعد میں جاری رہی۔ مسلمانوں کا عام عقیدہ یہی تھا کہ کوئی انسان خواہ وہ نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو خطا سے معصوم نہیں۔ مگر جب فلسفہ یونان سے واقف ہوئے اور عجمیوں کے عقاید کا بھی جائزہ لیا تو وہاں ان کے عقیدہ کے خلاف دیوتاؤں اور اوتاروں کی نسبت یہ عقیدہ تھا کہ وہ "نہ کلنک" ہیں اگرچہ بقول سقراط یونانی ایسے ہی بداخلاق واقع ہوتے تھے جیسے ان کے دیوتا تھے۔ بہر حال اگر کسی بشر کو الوہیت کا درجہ دیا جائے تو اسے معصوم ہی کہنا پڑے گا۔

امام صاحب نے بحث کرتے ہوئے یہ پتہ کی بات کہی ہے کہ

Marfat.com

چہ ممکن است رو و داغ بندگی زجبیں
زمیں فلک شود و آدمی خدا نشود (بیدلؒ)

علامہ محمود شبستریؒ "گلشن راز" میں لکھتے ہیں کہ

مگو ممکن زحد خویش بگذشت!
نہ این واجب شد و نے ممکن او گشت

لیکن ہمیں فلسفیانہ بحث میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ بات بالکل صاف اور سیدھی سادی ہے کہ واجب ہے کہ انسان غلطی کرے اور گناہ بھی کرے مگر ارادۃً نہ کرے۔ سہواً غلطی خاصہ بشری ہے اور اسی میں اس کے ارتقا کا راز مضمر ہے۔ ہم نے اپنے مقالات میں اس موضوع پر کافی بحث کی ہے کہ ہر ایک شے اتباع فطرت طوعاً کرتی ہے اور اسی میں اس کی زندگی بھی ہے۔ لیکن ترقی بھی نہیں کرتی۔ مگر انسان غلطی بھی کرتا ہے اور ترقی بھی کرتا ہے اگر یہ غلطی نہ کرتا تو حیوان مطلق ہوتا۔ اگر غلطی ارادۃً کرتا ہے تو بہائم سے بھی بدتر ہے۔ اگر انسان معصوم ہو تو وہ یا تو خدا ہوگا جیسا کہ بعض فرقوں کا عقیدہ ہے یا حیوان مطلق ہے بلکہ اس سے بھی بدتر جیسا کہ میں سمجھتا ہوں۔ اس لئے جو حضرات خوش عقیدت کی وجہ سے انبیاء اور اپنے بزرگوں کو معصوم عن الخطاء کہتے ہیں وہ نادان دوست ان کو انسانیت کے درجہ سے گراتے ہیں۔ وہ اس غلط فہمی میں الجھے ہوتے ہیں کہ اگر انبیاء اور رسل خطاکار تھے تو جو کچھ وہ بذریعہ "وحی" کہتے وہ بھی پایہ اعتبار سے ساقط ہو جائے گا۔

اس موضوع پر شیعہ علماء نے خوب موشگافی کی ہے۔ "مجلسی" اپنی کتاب "حیات القلوب" میں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو کہا کہ میں تجھ کو لوگوں کا امام بناتا ہوں؟ (انی جاعلک للناس اماماً ۲/۱۵) بھلا جو خود ہی خطاکار ہو وہ دوسروں کی رہبری کیسے کر سکتا ہے۔

"خفتہ را خفتہ کے کند بیدار"

اور کون عقلمند ایسے امام کی امامت قبول کرے گا جو فاسق حسب ارشاد قرآن اہل نار ہے۔ (واما الذین فسقوا فماوٰھم النار۔ ۲۱/۱۵) سُنّی علماء اماموں کی عصمت کے قائل نہیں۔ ان کو اتنی بصیرت نہیں کہ سمجھ سکتے کہ ظلم اور فسق و فجور امام کی شان سے بعید تر ہے

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ انھوں نے خلفاء بنو امیہ و عباسیہ کی امامت باوجود ان کے ظلم و فسق، مجبوراً تسلیم کر لی۔

اہل سنت والجماعت بے شک ابتدا میں عصمت انبیاء کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ امام غزالی کا ہم حوالہ دے چکے ہیں۔ لیکن غزالی کے بعد ابھی ایک صدی بھی نہ گزری تھی۔ کہ سُنّی بھی شیعوں کے ہم عقیدہ ہو گئے۔ فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر" (متوفی ۱۲۱۰ء) نے تفسیر کے علاوہ ایک رسالہ "عصمت انبیاء" پر بھی لکھا۔ اس میں وہ انبیاء کی عصمت ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ حالانکہ غزالی اور رازی دونوں شافعی المذہب تھے۔ مگر تصوف سے بھی فی الجملہ شناس تھے۔ صوفیوں کا تو مذہب ہی عصمت امام ہے

بہ سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا (خواجہ حافظ)

مشہور صوفی شیرانی کہتا ہے کہ

"آں حضرت ؐ اپنے چاروں طرف دیکھتے تھے۔ آپ ؐ کو گذشتہ اور آئندہ کا بھی علم تھا۔ اپنا قد و قامت بھی چھوٹا بڑا کر سکتے تھے۔ آپ کا سایہ نہ تھا کیونکہ آپ کا جسم نور تھا۔ اور نور کا سایہ نہیں ہوتا"

شیرانی غزالی سے ایک صدی پیشتر گزرا ہے۔

اب ہم حضرت "مجلسی" کے مغالطہ کو زیر بحث لاتے ہیں۔ یہی آیت (انی جاعلک للناس اماما۔ ۲/۱۲۴) جس کا اس نے حوالہ دیا ہے پوری حسب ذیل ہے

"قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عہدی الظالمین. واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا...... واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا بلدا امنا وارزق اھلہ من الثمرات من امن منھم باللہ والیوم الاخر قال ومن کفر فامتعہ قلیلا"

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھے لوگوں کا امام بناتا ہوں۔ عرض کی کہ میری اولاد

بھی (عہد برکت کی وارث ہو گی) فرمایا ہمارا عہد (برکت) ظالموں تک نہیں پہنچتا اور جب ہم نے "البیت" (کعبہ) کو زیارت گاہ عام اور جائے امن مقرر فرمایا ۔ ۔ ۔ تو ابراہیم نے عرض کی اے میرے پرور دگار اس شہر کو جائے امن بنا اور یہاں کے رہنے والوں کو (اس لئے کہ واد غیر ذی زرع ہے اپنی رحمت اور فضل سے) پھلوں کا رزق عطا فرما۔ جو بھی ان میں سے اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے۔ فرمایا (نہیں) جو کفر کریگا اسے بھی تھوڑا (دنیوی) فائدہ دیا جائے گا۔"

"مجلسی" نے انہی آیات کے شروع فقرہ کا حوالہ دیا ہے۔ انہی آیات میں حضرت ابراہیمؑ کی دو غلطیاں واضح کی گئی ہیں۔ جب بشارت امامت ملی تو بہ تقاضا بشریت اپنی ذریت کا خیال آیا کہ یہ عہد برکت یا عہدہ امامت میری اولاد میں موروثی ہو۔ ارشاد الٰہی ہوا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ہمارا عہد ظالموں کے حق میں نہیں جو بھی ظالم ہوگا خواہ وہ تیری ذریت ہی سے کیوں نہ ہو وہ اس عہد برکت یا امامت کا اہل نہیں سمجھا جائے گا۔

دوسری غلطی یہ کی کہ اس تنبیہ سے یہ سمجھا کہ امامت تو صرف اہل ایمان ہی کو ملے گی۔ اس لئے اس واد غیر ذی زرع میں اپنی ذریت یا یہاں کے باشندوں کو رزق ثمرات بھی اہل ایمان ہی کو ملنا چاہیئے۔ اس لئے اپنی دعا میں اہل ایمان کی تخصیص کر دی ارشاد ہوا کہ نہیں دنیوی مفاد جو فی الحقیقت بمقابلہ آخرت متاع قلیل ہے کافروں کو بھی دیا جائے گا۔

یہی وہ بات ہے جس کی طرف امام غزالی نے اشارہ کیا ہے کہ انسان خواہ نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو ناممکن ہے کہ خطا سے محفوظ ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ ایسا ہو تو وہ حیوان مطلق ہوگا انسان نہیں ہوگا۔ ایک ننھی سی جان شہد کی مکھی فطرۃً حیرت انگیز کام کرتی ہے۔ آج ماہران فن تعمیر نفیس سے نفیس اوزاروں کے ہوتے شہد کا چھتہ نہ بنا سکے۔ کیمیائی طریقہ سے شہد بنا لیتے ہیں۔ جو پہلے ہی پھلوں اور پھولوں میں موجود ہے مگر آفرینش سے مکھی ایک ہی حالت میں ہے

Marfat.com

ترقی نہیں کرتی۔ یہ انسان ہی غلطی کرنے والا ہے۔ جو برابر ترقی کرتا آرہا ہے اور کرتا جائے گا۔ اس کے لئے "اجر غیر ممنون" ہے۔ اس لئے واجب ہے کہ انسان غلطی کرے گناہ کے بارہ میں امام غزالی نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ غلطی بھی گناہ ہی ہے، خواہ صغیرہ ہے۔ ان تنگ نظر لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بھی جو "وسع علی کل شئی" ہے تنگ ہی دیکھا۔

گر مزاج کرم آنست کہ من می دانم   عالمے را بخطائی من تنہا بخشند

بجناب کرم افسون ورع پیش مبر
بے گناہی گنہے نیست کہ آنجا بخشند   (بیدلؔ)

حافظ شیرازی کہتا ہے کہ

سہو و خطاء بندہ چوں گیرند اعتبار
معنی عفو و رحمت پروردگار چیست؟

بیدل نے کیا اچھا لکھا ہے اور کیا ہی اچھا حکیمانہ خیال ہے کہ

ز ساز معبد رحمت ہمیں نواست بلند
کہ اے عدم صفتاں کاش کے گناہ کنید

انسان فطرۃً "ضعیف" مخلوق ہے۔ اس کو قوت انہی غلطیوں سے حاصل ہوتی ہے جب ایک غلطی کرتا ہے تو اس کے نتائج بھی محسوس کرتا ہے اس لئے اسے رفع بھی کرتا ہے۔ غلطی نقائص ہیں جوں جوں رفع ہوتے جاتے ہیں۔ تکمیل مقصد بھی ہوتی جاتی ہے۔

بنوامیہ پر یہ الزام کہ وہ ظالم اور فاسق وفاجر تھے کوئی تاریخی واقعہ نہیں۔ ہم نے اس موضوع پر اپنی کتاب "خلافت اسلامیہ" میں بحث کی ہے۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اگرچہ وہ فاسق وفاجر نہ تھے مگر آخری تاجداران ضرور ظلم کے مرتکب ہوتے اور حکومت ان سے لی گئی۔ یہ سنت اللہ ہے۔ لیکن بالفرض اگر وہ فاسق وفاجر بلکہ کافر بھی ہوں تو دنیوی حکومت سے تو وہ محروم ہو سکتے ہیں اور نہ اور قومیں بھی اس

Marfat.com

سے محروم ہوئیں اور ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ امامت کے اہل نہیں تھے۔ امامت پر ہم مناسب مقام پر بحث کریں گے۔

شفاعت شفاعت پر بھی سنّی اور شیعہ متفق ہیں کہ بروز حشر آنحضرتؐ اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے۔ اور آنحضرتؐ اور شہدا اور صالحین مسلمین کی شفاعت بھی قبول کی جائے گی۔

قرآن سے اس عقیدہ کی تائید نہیں ہوتی۔ مگر سنّی اور شیعہ کے پاس احادیث اس کی تائید میں ہیں۔ روایات یہ ہیں کہ لوگ خواہ وہ کسی امت سے تعلق رکھتے ہوں بروز حشر اپنے اپنے انبیاء اور رسل کے پاس حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت مسیحؑ تک جائیں گے لیکن وہ سب کانوں پر ہاتھ رکھیں گے اس لئے کہ وہ خطاکار تھے اور خطاکار شفیع نہیں ہو سکتا۔ خطاکار کو تو ضرورت ہے کہ کوئی اس کی دست گیری کرے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کی نسبت روایت ہے کہ جب آپ بہشت سے بوجہ معصیت نکالے گئے۔ تو صدہا سال روتے رہے آخر آنحضرتؐ کا نام مبارک شفاعت کے لئے درمیان میں لائے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا "اے آدم تجھے "محمدؐ" کا نام کیسے معلوم ہوا"۔ آدمؑ نے عرض کی کہ "جب تو نے مجھے پیدا کیا عرش عظیم کا پایہ میری آنکھوں کے سامنے تھا اس پر جلی حروف میں لکھا تھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ تیرا محبوب ہے کہ اپنے نام کے ساتھ اسے بھی لکھا"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "وہ تیری ذریت سے ہوگا اور تو اسی کے نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ اسی دن سے حسب الحکم خداوندی آدم کی کنیت ابو محمدؐ ہو گئی۔

"شفاعت" امم آریہ اور مسیحیوں کا بنیادی عقیدہ ہے۔ مسیحی کہتے ہیں کہ مسیحؑ نے تمام جہانوں کا گناہ اپنے کندھوں پر اٹھا لیا ہے اور خود ہی اس کی سزا بھی بھگتی۔ لیکن سنّی اور شیعہ میں شفاعت کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرتؐ اور امامان معصوم اور شہدا اور صالحین مومنین مسلمان گنہگار کی شفاعت خدا سے کریں گے اور خدا ان کو بخش دے گا۔

یہود جو یہ کہتے ہیں کہ "ہمیں دوزخ کی آگ چھو نہیں سکتی۔ مگر چند روز" وہی مسلمان بھی

Marfat.com

کہنے لگے کہ اول تو ہماری شفاعت میدان حشر ہی میں ہو گی لیکن بعض گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جانا ہی پڑا تو چند روز بھی شفاعت کام آئے گی۔ لیکن "عصمت انبیاء" کا عقیدہ باطل ہو کر رہ جاتا ہے اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ تمام انبیاء آدم سے حضرت عیسیٰ تک ایک دو گناہوں کی وجہ سے شفاعت کا وصف کھو بیٹھے تھے۔

مناسب ہے کہ پہلے آیات قرآن میں تدبر کیا جائے۔

مشرکین کا عام عقیدہ تھا کہ ان کے دیوتا اور دیویاں شفیع ہیں۔ اس کی تردید فرمائی گئی

"فما تنفعهم شفاعة الشافعين" (۲۹/۱۴)

"تو (ان مشرکین کو) شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے (جیسا کہ ان کا عقیدہ تھا) کچھ بھی تو فائدہ نہ دیا۔"

قرآن میں لفظ "نفع" لفظ "ضرر" کے مقابل استعمال ہوا ہے۔ آیہ محولہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے عقیدہ کے خلاف ان کے ٹھاکر ان کو اس ضرر سے نہ بچا سکے جو دوزخ میں لاحق ہو رہا تھا۔

اہل کتاب کے عقیدہ دربارہ شفاعت کی تردید فرمائی گئی ہے۔

"اتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منها شفاعة ولا یؤخذ منها عدل ولا هم ینصرون" (۱/۴)

"اس دن سے ڈرو جب کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے کسی امر میں کام آئے گا اور نہ اس کی شفاعت قبول ہو گی اور نہ کفارہ لیا جائے گا اور نہ کوئی (اللہ کے سوا) مددگار ہی ہو گا۔"

مسیحی عقیدہ دربارہ کفارہ یہ ہے کہ اولاد آدم سب گنہگار ہے اور یہ گناہ وراثت میں ان کو مورث اعلیٰ آدمؑ سے ملا ہے۔ اس کا کفارہ مسیحؑ ہو گئے اور اس طرح ان کی شفاعت ہو گئی جو مسیحؑ پر ایمان لاتے ہیں۔ آیت محولہ بالا میں یہ واضح کیا گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے خلاف ہے کہ ایک گنہگار کے عوض کسی بے گناہ کو ماخوذ فرمائے خواہ وہ خود ہی کسی وجہ سے اپنے آپ کو پیش کرے۔ عند اللہ ہر ایک اپنے اعمال کا کل نفس بما کسبت رهينة

Marfat.com

ذمہ دار ہے اور اسی کو سزا و جزا ملنی چاہئیے۔

"مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ" (۲/۲۵۵)

"کون ہے جس کو یہ دعوی ہو کہ وہ اللہ کے ہاں سفارش کر سکتا ہے مگر یہ کہ اسی کے اذن سے، اور وہ تو جو کچھ ان کے اعمال گزشتہ و آیندہ کا علم بھی رکھتا ہے اور اس کے علم پر کسی اور کا احاطہ نہیں البتہ اس میں سے جو کچھ بھی چاہے (اپنے بندوں کو عنایت فرمائے)

"شفاعت کی ضرورت تو وہاں پیش آتی ہے کہ قاضی صاحب فریقین کے حالات سے واقف نہ ہو۔ تو گواہان فریقین اپنے اپنے فریق کے حق میں وہ بات کہتے ہیں جو اپنے فریق کے حق میں مفید ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو ہر ایک شے کے عمل کو کلہ جانتا ہے اس سے تو کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ اس لئے اگر شفاعت کی یہ غرض ہو تو بالکل باطل ہے۔ البتہ ایک بات ہے بعض جرائم قابل معافی اور بعض قابل راضی نامہ اور اور بعض قابل راضی نامہ باجازت عدالت ہوتے ہیں۔

بروز قیامت اگر ایک شخص اس بات پر رضامند ہو کہ مستغاث علیہ سے کسی ضرر کا بدلہ نہ لے تو اگر یہ قابل معافی یا قابل راضی نامہ ہے تو اس کا اختیار ہے۔ لیکن اگر یہ عدالت کی اجازت کی بھی ضرورت ہے تو یہ عدالت کا اختیار ہے کہ اجازت دے یا نہ دے۔ آیات محولہ بالا کا یہ مفہوم ہے کہ ایسی شفاعت قابل قبول ہو سکتی ہے اکثر علماء اہل روایت نے روایات کی روشنی میں اس آیت کی تاویل کرتے ہوئے ٹھوکر کھائی ہے۔

شرعی جرائم یا گناہ دو قسم کے ہیں۔ اصطلاح میں ہم جرائم ان کو کہتے ہیں جن سے حقوق العباد تلف ہوتے ہیں۔ اصطلاح قرآن میں ان کو "اثم" وغیرہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ پیشی کے وقت عدالت الٰہیہ میں فریقین اپنا دعوے یا استغاثہ اور جواب پیش کریں گے۔ فرض کرو مدعی یا مستغیث دعوی سے دست بردار ہو جائے

توکیا اللہ تعالیٰ اسے مجبور کرے گا کہ دستبردار نہ ہو اور اگر دستبردار ہو گیا تو مجرم کو سزا ضرور دے گا۔ البتہ اس کے رحم کا تقاضا یہ ہے کہ مدعی کو اپنی رحمت سے وہ دے کہ ضرر کا معاوضہ ہو جائے اور گنہگار کو بخش دے۔ فرض کرو کہ مدعی اپنے دعویٰ سے دستبردار نہیں ہوتا اور اس کا دعوی بھی سچا ثابت ہوتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اسے مجبور کریگا کہ دستبردار ہو جائے اور مجرم کو سزا نہ دے۔ وہ وہی کچھ کرے گا جو اس کے عدل کا تقاضا ہے۔ لیکن فرض کرو کہ اللہ تعالیٰ کینہ وغیرہ کے جذبات محو کر دے اور مدعی یہ کہے کہ میں نے مجرم کا جرم اگرچہ سنگین ہے معاف کر دیا تو اللہ اپنی رحمت سے معاوضہ دے گا اور مجرم کو بخش دے گا۔ مگر بعض بلکہ اکثر جرائم ایسے ہوتے ہیں کہ اگرچہ افراد سے سرزد ہوتے ہیں اور بلا واسطہ افراد پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ مگر بالواسطہ اس کی زد میں ایک جماعت یا قوم بھی آجاتی ہے مثلاً قتل عمد، اگرچہ ایک شخص مارا گیا مگر ایک جماعت جس کا یہ فرد ہے اس کا جماعت پر اور جماعت کا اس پر حق ہے۔ اور جماعت اس کے قتل کی وجہ سے اس فائدہ سے محروم ہو گئی جو اس کی ذات سے متوقع تھا۔ مقتول کے وارثان قصاص کا دعویٰ بھی اسی بنا پر کرتے ہیں۔ اس لئے ایسا جرم تمام جماعت یا قوم ہی معاف کر سکتی ہے۔ عدالت قوم کی نمائندہ ہے۔ وارثان مقتول اگر معاف کرنے پر رضامند بھی ہوں تو ان کو پہلے عدالت کی اجازت حاصل کرنی چاہیئے۔ اگر عدالت اجازت دیدے تو یہ معافی کل قوم کی طرف سے ہوگی۔

یہ مفہوم ہے آیات محولہ بالا کا۔ اس کی تائید آیہ "یشفعون الا لمن ارتضی" (۲۱/۲) سے بھی ہوتی ہے۔ یعنی شفاعت کے لئے عدالت کی رضامندی کی بھی ضرورت ہے ان آیات سے یہ مفہوم پیدا کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و اولیاء کو پہلے ہی اجازت دے رکھی ہے کہ اپنی امتوں کے لئے سفارش کریں تو ان کی مغفرت ہو جائے گی۔ اعمال نیک و بد میں ہر ایک تمیز اٹھ جائے گی۔ اور ہر ایک شخص معصیت پر دلیر ہو سکتا ہے۔ آنحضرتؐ جب اپنے لخت جگر کو یہ کہتے ہیں کہ "تیرا ایمان و عمل ہی کام آئے گا۔ یہ خیال نہ کرنا کہ تیرا باپ نبی اور رسول ہے تو وہ کام آئے گا" البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ میں

جانا ہی پڑے گا تو یہی چند روز۔ مسلمان بھی انہی کی سی باتیں بناتے ہیں۔

دوسری قسم جرم کی وہ گناہ ہے جس سے حقوق الہیٰ تلف ہوتے ہیں۔ تو یہ معاملہ بندوں اور خدا کے درمیان ہے۔ اس میں کون دخل دے سکتا ہے۔ وہ خود بہتر جانتا ہے کہ اس کے عدل اور رحم کا کیا تقاضا ہے۔ جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے تو یہ معاملہ بندوں کا بندوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ان میں انصاف فرمائے گا اور فرما رہا ہے۔ قرآن میں واضح الفاظ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"جہاں تک حقوق الٰہیہ کا تعلق ہے "شرک" کے سوا سب "ذنوب" بخش دے گا۔ یہ ظلم عظیم ہے۔" (لقمان ۲۱/۲)

ضعیف الاعتقاد یہ عذر کرتے ہیں کہ شفاعت ایک "دعا" ہے۔ اور بعض لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں وہ اللہ کے پیارے بلکہ بمنزلہ اولاد ہیں یہ باطل عقیدہ اہل کتاب نصاریٰ کا ہے۔

ابو الانبیاء حضرت نوحؑ کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا والد کے حق میں رد کی جاتی ہے۔ اور ہم مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ اس بات میں ابراہیمؑ کا بھی اتباع نہ کرو۔ حضرت لوطؑ کی خائنہ زوجہ ہلاک ہو جاتی ہے۔ ان حضرات نے دعا کا مفہوم بھی نہ سمجھا۔ یہ تو اقرار عبودیت ہے۔ اور طلب کسی مقصد کی جائز وسائل سے ہے جہاں وسائل منقطع ہوں یا دسترس سے باہر ہوں۔ وہاں عجز و نیاز سے اللہ کی نصرت کی طلب ہے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ مفصل بحث کی گنجائش اس مقام پر نہیں۔ قیامت کا کیا مذکور ہے۔ قوم لوط کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے کیا کچھ زور دعاؤں میں نہیں لگایا۔ کچھ بھی شنوائی نہ ہوئی۔ لوگ روزانہ دعائیں مانگتے ہیں کوئی بھی قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے سوچنا چاہیئے کہ یا تو دعا کا وہ مفہوم نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہوا ہے یا ان کے ذہن نشین کیا گیا ہے۔ بعض مدعیانِ قبولیت دعا کے پاس لوگ جاتے ہیں کہ میرے حق میں دعا کرو اس امید پر کہ یہ مقرب ہیں ان کی اللہ سنتا ہے حالانکہ وہ ورد اور وہ تفرع ان مدعیوں کے قلب میں ممکن ہی نہیں کہ پیدا ہو جو اس شخص کے دل

میں ہے جو مصیبت میں مبتلا ہے۔ ویسے ہر ایک مومن مسلمان کو خیراندیش ہی ہونا چاہیئے۔ اور اس جذبۂ اخوت کے تحت اپنے بھائی کے حق میں دعائے خیر بھی کرنی چاہیئے۔ نری دعاؤں سے کام نہیں چلتا کچھ بوقت ضرورت عملی مدد بھی کرنی چاہیئے اسی پر آنحضرت ﷺ بیعت بھی لیتے تھے۔

ارشاد قرآن ہے کہ

"وقالوا اتخذ الرحمٰن ولداً سبحٰنہ بل عباد مکرمون ٥ لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون ٥ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یشفعون الا لمن ارتضٰی وھم من خشیتہ مشفقون ٥ ومن یقل منھم انی الٰہ من دونہ فذٰلک نجزیہ جھنم کذٰلک نجزی الظٰلمین" (الانبیاء ۱۷/۲)

"اور کہتے ہیں کہ اللہ کا بیٹا ہے۔ اللہ اس سے پاک ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جن کو یہ پوجتے ہیں (اللہ کے) مکرم بندے ہیں۔ انہیں اتنی جرأت نہیں کہ بڑھ کر (اللہ کے حضور) بات کریں۔ وہ تو اسی اللہ کے حکمبردار ہیں۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کا حال ہے اور جو کچھ ان کا ماضی ہے اور وہ اللہ کی رضامندی کے بغیر کسی کی شفاعت بھی نہیں کرتے اور مارے ڈر کے کانپ رہے ہیں اور ان میں سے جو بھی کہے میں اللہ ہوں اللہ کے ہوتے تو ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔"

ہمارے ایک ہمعصر مفسر قرآن نے "بل عباد مکرمون" سے یہ بات پیدا کی ہے کہ یہ آیت صریحاً عصمت انبیاء پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ کہ مسلمانوں میں یہ عقیدہ بلا اختلاف تسلیم شدہ ہے کہ انبیاء معصوم ہی ہوتے ہیں۔

"مکرمون" سے یہ بات پیدا کرنا کچھ عجیب ہی بات ہے۔ ارشاد قرآن ہے کہ

"لقد کرمنا بنی اٰدم" (۱۵/۷)

انبیاء تو انبیاء ہی ہیں اس مفروضہ سے تو تمام بنی آدم معصوم ہیں۔ تکریم و تقریب بلاشبہ عزت افزائی کا مفہوم واضح کرتے ہیں اور جس شخص کے اخلاق پسندیدہ ہوں تو وہ بیشک

Marfat.com

واجب الاحترام شخصیت عنداللہ اور عندالناس بھی ہونی چاہیئے۔ لیکن بقول امام غزالی یہ کہاں سے ثابت ہوگیا کہ اس میں بشری کمزوری بھی نہیں۔ اور یہ کہ اس کا قلب "تمنا" سے خالی ہے۔ حالانکہ نص قرآن سے یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ

آنحضرت صلعم سے پیشتر کوئی نبی اور کوئی رسول تمنا سے خالی نہ تھا اور اس لئے جب بھی تمنا کی شیطان نے اس میں القاء کیا۔

آیت میں الفاظ نبی اور رسول استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی اس حیثیت کے ہوتے بھی وہ القا شیطانی سے پاک نہ تھا۔

آیت محولہ بالا میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ لوگ جو "من دون اللہ" بندوں کو بلکہ شجر و حجر کو پوجتے ہیں۔ تو اس لئے کہ ان کو مظہر الوہیت یقین کرتے ہیں چونکہ وہ "عباد مکرمون" ہیں اس لئے ان کی عصمت اور شفاعت کا عقیدہ بھی اخذ کرتے ہیں۔ ان تمام عقاید باطلہ کی بنیاد ایک ہی عقیدہ یہ ہے کہ وہ بندوں کو خدا بناتے ہیں یا خدازادے۔ جو بھی یہ دعوے کرے یا کسی بشری شخصیت سے ایسا دعویٰ منسوب کرے یا کسی بشر کو اللہ یقین کرے تو اس کی سزا جہنم ہے۔

"تکریم میں "فضیلت" کا مفہوم ضرور پایا جاتا ہے اور اس میں بھی کچھ کلام نہیں کہ انبیاء اور رسل کو عوام الناس پر ایک گونہ فضیلت ہوتی ہے لیکن وہ فوق البشر نہیں ہوتے۔" قل انا بشر مثلکم۔ ایسے ہی بشر ہوتے ہیں جیسے بادشاہ۔

یہ عقیدہ مشرکین کا ہے کہ وہ اپنے ہمعصر انبیاء پر پھبتی جملتے کہ یہ کیسا رسول ہے "پیٹو اور شرابی اور محصول لینے والوں کا دوست" (انجیل) ۔۔۔۔۔ مسیح ؑ کے زمانہ میں رومی حکومت یہودیوں پر مسلط تھی جو محصول وصول کرتی۔ علمائے یہود نے فتویٰ دیا تھا کہ جو شخص حکومت کی مدد وصولیٔ محصول میں کرے گا، کافر ہے۔ مسیح ؑ سے بھی فریسیوں نے سوال کیا تھا کہ محصول دیں یا نہ دیں، فرمایا "جو قیصر کا ہے قیصر کو دو۔" مسیح کا ایک حواری مقدس متی رومی گورنمنٹ کا ملازم تھا۔ اور محصول وصول کیا کرتا۔ کفار مکہ کہتے "یہ کیسا رسول ہے کہ کھاتا پیتا، بازاروں میں جوتیاں چٹخاتا پھرتا ہے"۔ ان کے ذہن میں انبیاء اور

Marfat.com

رسول کا یہ تصور تھا کہ اسے فوق البشر ہونا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ملائکہ بھی ہوں جو لوگوں کو ڈرائیں دھمکائیں۔

مفسر ممدوح نے لکھنے کو تو لکھ دیا کہ عقیدہ "عصمت انبیاء" متفق علیہ ہے۔ لیکن یہ نہیں لکھا کہ کب سے اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہوا ہے؟ اور کیوں ہوا؟ کسی نظریہ پر محض اتفاق تو اسکی صداقت کی دلیل نہیں۔ اگر بادشاہ وقت حضرت ابراہیم کو یہ کہتا کہ کل عالم انسانی یا کم از کم ہماری قوم کا اتفاق اس امر پر ہے جس کی تو مخالفت کرتا ہے تو حضرت ابراہیمؑ کے پاس اس کا جواب تھا مگر معلوم نہیں مفسر ممدوح کیا جواب دیتا۔ ہم کہتے ہیں کہ صداقت صداقت ہے خواہ تمام جہاں اسے تسلیم نہ کرے اور گناہ گناہ ہے خواہ تمام جہاں اسے کار ثواب سمجھے۔ اگرچہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ حق و باطل میں تمیز اہل علم و حکمت ہی کر سکتے ہیں۔ اور ان کی تعداد ہمیشہ تھوڑی ہی رہی ہے۔ ان کے نظریوں میں بھی اختلاف رہا ہے۔ اور خلف سلف سے ہمیشہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔ اگر نہ کریں تو ذہنی ارتقاء رک جائے گا۔

"ڈوائٹ، ایم، ڈونلڈ سن، ڈی ڈی، پی ایچ ڈی۔ مشہد، ایران۔ (DWIGHT M. DONALD SON, D.D., Ph.D) اپنی کتاب "شیعہ مذہب" (THE SHI'ITE RELIGION) میں اسلامی عقیدہ درباره عصمت کے تحت لکھتا ہے کہ:۔

"ہجرت کے بعد تیسری صدی تک عصمت کا عقیدہ مسلمانوں میں نہیں پایا جاتا۔ جب مسلمانوں اور عیسائیوں میں مذہبی مجادلہ شروع ہوا تو اس وقت بھی اسلامی لٹریچر میں اس عقیدہ کا مذکور نہیں۔ خلیفہ مامون رشید کے عہد (۸۳۳-۸۱۳ء) میں ایک مکتوب عبداللہ ابن اسمٰعیل ہاشمی نے عبدالمسیح ابن اسحاق الکندی کو لکھا۔ اگرچہ راقم مکتوب کا موضوع بحث دعویٰ اسلام کی صداقت ہی ہے مگر عصمت انبیاء پر ایک حرف بھی نہیں لکھا۔ اگرچہ جواب میں الکندی نے آنحضرتؐ کے دعویٰ رسالت

پر مخالفانہ بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن جواب میں بھی عصمت انبیاء پر
اشارتاً یا صراحتاً کچھ نہیں لکھا۔ خلیفہ متوکل (۲۴۷-۲۳۲ھ) کے عہد میں
طبرستان کا ایک مسیحی پیشوا دین نے (علماء اسلام سے اکثر مذہبی مباحثہ
کیا۔ آخر اس پر حقانیت اسلام واضح ہو گئی تو) اسلام قبول کر لیا۔ اور
کتاب "کتاب الدین والدولة" لکھی۔ اس میں بھی عصمت انبیاء کو
زیر بحث نہیں لایا گیا۔ مؤلف علی طبری نے اس کتاب میں توریت اور
صحف انبیاء اور انجیل سے ان تمام پیش گوئیوں کو جمع کیا ہے جو آنحضرتؐ
کی بعثت کے متعلق ان میں ہیں۔ اور ان پیش گوئیوں کے موضوع کے
لحاظ علیحدہ علیحدہ باب باندھا ہے۔"
(یہ کتاب عربی سے انگریزی میں ترجمہ ہو چکی ہے اور ہمارے مطالعہ میں
رہی ہے)

اگر تاریخی نقطہ نظر سے دیکھا جائے۔ تو قیاس غالب یہی ہے کہ عصمت انبیاء کا عقیدہ
اور اس کی اہمیت شیعہ مذہب کے ارتقا کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئی۔ اہل تشیع
کی غرض یہ تھی کہ اپنے اماموں کے دعوئی کی فضیلت سُنّی خلفاء کے دعوئی خلافت پر
ثابت کی جائے۔ اس لئے ضرورتاً اماموں کی عصمت کا بھی قائل ہونا پڑا جو انبیاء کے
بھی جانشین ہیں۔ جس استدلال سے شیعہ کام لیتے ہیں وہ "معتزلہ" کلھا ہے۔ اگر ابراہیمؑ
معصوم نہ ہوتا تو گنہگاروں کا امام کیسے ہوتا۔ اسی طرح اگر علیؓ معصوم نہ ہوتا جو ابراہیمؑ کا
جانشین بالواسطہ ہے تو لوگ اس کی اطاعت کیوں کرتے۔ آل بویہ عباسی خلافت
کے ایام انحطاط میں خلافت کے سرپرست بغداد میں تھے۔ اور غالی شیعہ تھے کلینی
اور شیخ مفید اور ابن بابویہ صدوق سب آل بویہ کے اقتدار میں گذرے ہیں۔ انہوں
نے عصمت انبیاء امام کا عقیدہ اپنی پوری شان کے ساتھ نمایاں کیا۔ انہی ایام میں سید
مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب "تبصرة العوام" میں یہی عقیدہ بحث کا موضوع بنایا
کلینی نے اپنی کتاب کافی میں عصمت انبیاء کے بارہ میں جو احادیث روایت

Marfat.com

کی ہیں اس کے قریب تر زمانہ میں فقہ اکبر میں بھی درج کی ہیں۔ اس کی تدوین دسویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ اب سوال یہ ہے کہ امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) تک تو سنیوں میں یہ عقیدہ نہ تھا ان میں کب آیا؟

(اس دعویٰ کا ثبوت موجود ہے کہ مجلسی اپنی کتاب "حیات القلوب" میں ملا سعد الدین سنی کی تردید کرتا ہے کہ ملا کہتا ہے کہ امام اور خلیفہ کا انحصار قوت اور فتح پر ہے۔ مجلسی کہتا ہے کہ یہ بے ہودہ عقیدہ ہے)

"عقاید نسفی میں بھی عصمت انبیاء کا مذکور نہیں۔ النسفی امام رازی سے دو نسلیں پیشتر گزرا ہے۔"

شفاعت کے بارہ میں ارشاد قرآن ہے:-

"قل للہ الشفاعۃ جمیعا، لہ ملک السمٰوٰت والارض ثم الیہ ترجعون"

"کہو کہ شفاعت تو ساری اللہ کے اختیار میں ہے۔ اسی کا ہے ملک السمٰوٰت والارض اور اسی کی طرف تمہارا رجوع ہے۔" (۴۴/۵)

اصل میں بات یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے قرآن میں آنحضرت ؐ کے بارہ میں یہ پڑھا کہ

"ما ضل صاحبکم وما غوی ہ وما ینطق عن الھویٰ ہ ان ھو الا وحی یوحیٰ ہ .... ما زاغ البصر وما طغیٰ ہ (۵۳/۲)

"تمہارا رفیق نہ تو سیدھی راہ سے بھٹکا اور نہ بہکا۔ اور نہ اپنے جی سے باتیں بناتا ہے۔ بلکہ جو کچھ کہتا ہے وہ تو وہی ہے جو اسے وحی ہوتی ہے .... (مشاہدہ آیات کے وقت) اس کی نظر نہ بہکی اور نہ اچٹی۔"

تو قیاس یہ کیا کہ آنحضرت ؐ جو کچھ بھی ارشاد فرماتے وہ "وحی" ہے۔ اور وحی میں غلطی نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ قرآن تمام وحی ہے اور اس میں باطل کا دخل نہیں اور یہ کہ بوقت نزول وحی آنحضرت ؐ کا قلب سلیم ان تمناؤں سے خالی تھا۔ یہ مفہوم ہے "ما ضل صاحبکم وما غویٰ اور "ما زاغ البصر وما طغیٰ" کا۔ اس لئے

Marfat.com

جہاں تک وحی کا تعلق ہے وہ ہر ایک غلطی سے پاک ہے۔ لیکن اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ آنحضرت جو کچھ بھی فرماتے وہ سب وحی ہی ہے۔ تو آن حضرت کی بشریت کی نفی ہو جائے گی، اس لئے جب عصمت انبیاء کا عقیدہ پختہ ہو گیا تو اس کی تائید میں ان احادیث کو جو آں حضرت سے منسوب ہیں اہل حدیث (سنی اور شیعہ) نے وحی "غیر متلو" یا "خفی" کہہ کر دلوں کو تسلی دے لی۔ وحی خفی کا یہ مفہوم ہے کہ معانی یا مطالب مجرد تو وحی ہوئے۔ مگر الفاظ کا جامہ ان کو آں حضرت نے خود پہنایا۔ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ یہ لوگ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "علم النفس" سے واقف نہیں دل میں کوئی خیال بلا الفاظ پیدا ہی نہیں ہو سکتا اور یہ کہ معانی یا حقیقت مجردہ کا احساس انسان کے لئے ممکن ہی نہیں۔ اس لئے ارشاد قرآن ہے کہ

"کسی بشر کے لئے (خواہ وہ رسول ہی کیوں نہ ہو) ممکن نہیں کہ اللہ تعالےٰ اس سے کلام (جو حقیقت مجردہ ہے) فرمائے۔ مگر (اسکی تین ہی صورتیں ہیں) یہ کہ وحیاً یا من وراء حجاب (رویا یا تصورات ذہنی کی صورت میں) یا کوئی (بشر) رسول بھیج دیتا ہے۔" (جس سے وحیاً یا من وراء حجاب کلام فرماتا ہے وہ عوام الناس کو اسی وحی سے آگاہ کرتا ہے)

وحی "بلفظہٖ" ممکن ہے۔ الفاظ دل میں ہی ہر ایک خیال کے ساتھ ہی بیک وقت پیدا ہوتے ہیں۔ اور زبان پر جو بے شعور آلہ صوت ہے آتے ہیں، یعنی جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر آتا ہے۔ وحی اور عام خیالات میں فرق یہ ہے کہ وحی میں تصنع نہیں ہوتا اور نہ اس میں انسانی ارادہ کا دخل ہوتا ہے۔ تدبر و تدبر و تفکر سے جو خیالات ہمارے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور جن کا اظہار ہم لفظوں میں کرتے ہیں۔ اس میں ہمارے ارادے کو دخل ہوتا ہے۔ اور اس میں غلطی کا بھی احتمال ہے۔ بلکہ "اختلاف کثیر" اس میں واجب ہے۔ اور یہی کیفیت احادیث کی ہے۔ یعنی یہ آنحضرت کا بشری عقلی کلام ہے۔ اور ایسا کلام ہمیشہ وقتی ہی ہوگا۔ اور بالاستقلال محفوظ دائمی صداقت نہ ہوگا۔ وحی غیر متلو یا خفی تو کوئی چیز ہی نہیں۔

Marfat.com

اگر احادیث مستقل شریعت اسلامیہ ہوں تو ضرور ہے کہ ان کا ہر ایک حرف محفوظ بھی ہو۔ کیونکہ آئین و قوانین لفظاً اور معناً محفوظ ہوں تو ان پر عمل ہو سکتا ہے۔ مگر احادیث لفظاً تو محفوظ ہی نہیں اس لئے معناً بھی نہیں۔ آنحضرتؐ تو اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے۔ اور عام ذہنیت کے تقاضا کو بھی سمجھتے تھے۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ

"جو کلام مجھ سے منسوب ہے۔ سوائے قرآن قلم بند نہ کیا جائے"

جب کلام قلم بند ہو جائے تو محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ "پہلی اُمتوں کی گمراہی کا باعث بھی یہی تھا کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی احادیث کو "ما انزل اللہ" کے ساتھ مخلوط کر دیا"

جب مسلمانوں نے اس ارشاد نبوی پر عمل نہ کیا تو عصمت انبیاء اور شفاعت اور آمد ثانی وغیرہ کے مسائل بھی موضوعات کے ساتھ ان کے عقاید میں داخل ہو گئے اور یہاں تک غلو سے کام لیا کہ احمد بلا میم اور عرب بلا عین بھی کہنے لگے۔

اس موضوع پر ہم نے اپنی کتاب "علم تصوف" میں کافی بحث کی ہے۔

۹ امامت

صدر اسلام میں خلافت اور امامت میں کچھ فرق نہ تھا۔ ان اصطلاحات کے مفہوم میں فرق بعد میں پیدا کیا گیا۔ خلافت سے مراد دینی حکومت لی گئی۔ جن کو دنیوی حکومت نہ ملی۔ انہوں نے دینی حکومت سنبھال لی۔ دینی حکومت دنیوی حکومت سے کم نہ تھی بلکہ کچھ بڑھ کر ہی تھی اس کے جواز میں ایک حدیث بھی پیش کی گئی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "میرے بعد تیس سال تک تو خلافت رہے گی اس کے بعد ملوک ہوں گے"۔ اور یہ کہ "جو شخص اپنا امام وقت نہ پہچانے اور مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا"۔ اس عقیدہ پر سُنی اور شیعہ کا اتفاق ہے۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ امامت کا تقرر اللہ کے اختیار میں ہے یا لوگوں کے ہاتھ میں۔ امامیہ شیعہ اور اسماعیلیہ کہتے ہیں کہ تقرر اللہ فرماتا ہے۔ مگر سُنی کہتے ہیں کہ انتخاب مسلمانوں کے اتفاق رائے پر ہے۔ امامت کی

Marfat.com

شرائط میں بھی بقدر اس فرق کے فرق ہے

بات دراصل یہ ہے کہ سنیوں نے امامت کا مسئلہ عصمت اور شفاعت کی
کی طرح باہر ہی سے لیا۔ اور ان کے نزدیک امام اور خلیفہ ایک ہی ہے۔ اس سے
انکار شیعہ فرقہ کو بھی نہیں ہے لیکن جب کسی کے ہاتھ میں دنیوی حکومت نہ ہو تو
امامت ہی سہی۔ اس لئے ضرورتاً ان کو امامت کو خلافت سے علیحدہ کرنا پڑا چونکہ
امام وقت کا نہ پہچاننا جاہلیت کی موت مرنا ہے اور ماسوی حضرت علیؓ کوئی بھی ہاشمی
خلیفہ "امامیہ" کے عقیدہ کے مطابق نہیں ہوا۔ اس لئے بھی امامت کو خلافت سے
علیحدہ ہی کرنا پڑا۔ اس موضوع پر "مجلسی" نے اپنی کتاب "حیات القلوب" میں
مفصل بحث کی ہے۔ ملا محمد باقر مجلسی صفوی خاندان کے دورِ دورہ میں بہت بلند پایہ
شیعہ مجتہد تھا۔

امامت کے بارہ میں اہم سوال یہ ہے کہ آیا امامت واجب ہے اور جزو دین
ہے، اس پر علماء اسلام کا اختلاف رائے ہے۔

ابن خلدون نے اپنے "مقدمہ" میں ذکر کیا ہے:

"صرف اسی ایک سوال پر اختلاف رائے نے مسلمانوں میں کئی فرقے پیدا
کر دئے۔"

شہرستانی نے اپنی کتاب "ملل ونحل" میں ان فرقوں کا نام بنام ذکر کیا ہے۔ چونکہ یہ
ایک سیاسی مسئلہ ہے اس لئے باہمی کشت وخون بھی مسلمانوں میں ہوتا رہا۔ اور
ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگا۔

امامت کے "وجوب" پر مجلسی لکھتا ہے کہ

"جاننا چاہیئے کہ دربارہ تقرر امام علماء میں اختلاف رائے ہے۔ سوال یہ
ہے کہ کیا اماموں کا تقرر بعد ختم نبوت واجب ہے؟ اور اگر ہم اس کا
جواب اثبات میں دیں تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ وجوب اللہ کے
لئے ہے یا اماموں کے لئے۔ ہر دو صورتوں میں وجوب معقول ہے یا منقول

یعنی اسے عقل واجب ٹھہراتی ہے یا احادیث کی بنا پر تسلیم کیا جاتا ہے۔"

"تمام مستند شیعہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وجوب فی الحقیقت اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اس کی تصدیق معقول اور منقول دونوں دلائل سے ہوتی ہے۔ اہل سنت والجماعت۔ اشعری اور معتزلہ کے بعض فرقے یہ کہتے ہیں کہ" اماموں کا تقرر لوگوں کی خواہش پر منحصر ہے اور ایسا واجب نہیں جو معقول ہو۔ صرف احادیث کی رُو سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ معتزلہ کا ایک فرقہ یہ کہتا ہے۔ کہ اماموں کا تقرر جائز ہے اگر زور بازو سے نہ ہو۔"

"لفظ" امام" کے معنی ہیں نمونہ یا مثال یا رہنما۔ جب اس کا اطلاق بوقت صلوٰۃ ہوتا ہے تو مراد وہ شخص جس کے پیچھے مقتدی نماز ادا کرتے ہیں۔ لیکن اس کا اصل مفہوم وہ شخص ہے جو اللہ کی طرف سے خلیفہ یا نائب رسول اللہ مقرر کیا جائے۔ بعض اوقات اس کا اطلاق خود رسول اللہ پر بھی ہوا ہے۔ اکثر احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ" امام کا رتبہ نبی سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے" چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کو نبوت پہلے عطا ہوئی اور امامت بعد میں۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ

"انی جاعلک للناس اماما (۲/۱۵)

بعض اہل الرائے کہتے ہیں کہ" امام شخص ہے جس کو اللہ حکومت دینی اور دنیوی امور میں عطا فرماتے اور وہ نبی ہی کی مثل ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نبی کو تو بلا واسطہ اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے جو لوگوں کو بتاتا ہے اور امام نبی کے ذریعہ کلام کرتا ہے۔"

"لیکن یہ امتیاز بمشکل قائم رہ سکتا ہے کیونکہ پانچ الوالعزم انبیاء ایسے گزرے ہیں جن کے احکامات کو وہ انبیاء جو ان کے بعد آتے لوگوں تک پہنچاتے رہے (یہ پانچ نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمدؐ ہیں) اور اکثر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے اماموں کو بلا واسطہ روح القدس کی منجانب اللہ تائید حاصل تھی

Marfat.com

اس لئے جو کچھ اوصاف آنحضرتؐ میں پائے جاتے ہیں وہ اماموں میں بھی ہیں۔ مثلاً بدی کا رفع کرنا۔ شریعت کی محافظت، لوگوں کو اطاعت پر مائل کرنا اور ان سے ظلم کو دُور کرنا اور اپنے بعد جانشین امام کے حق میں بحکم خدا وصیت کرنا۔"

"یہ امر کہ امام کی اقامت واجب ہے۔ اس پر سیّد مرتضیٰ نے "شافی" میں اور شیخ طوسی نے "تلخیص" میں بہت دلائل پیش کئے ہیں۔ ہم بھی اسی کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔"

تقاضاء رحمت باری تعالیٰ

"تقاضاء رحمت الٰہی یہ ہے کہ اپنے بندوں پر جو بھی بہتر شے ہے ارزانی فرماتا ہے (مجلسی نے رحمت پروردگار پر بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ) اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ امام کا وجود واجب ہے۔" یہ تو معمولی عقل کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ جہاں ایک جماعت ہو گی وہاں ان کے حقوق اور حقوق کی حفاظت کا سوال بھی پیدا ہو گا اس لئے ایک شخص ایسا ہونا چاہیئے جس کا وہ حکم مانیں اور امن سے رہیں۔"

محافظِ شریعت

شریعت یعنی احکام رسولؐ خدا کی حفاظت واجب ہے تاکہ اس میں تحریف لفظی و معنوی نہ ہو۔ اس میں کمی بیشی نہ ہو۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہو۔ آیات قرآن مجمل ہیں اور اکثر احکام کا مفہوم واضح نہیں۔ اس لئے واجب ہے کہ کوئی شخص مامور من اللہ مسائل شرعیہ کا مفصل استنباط آیات سے کرے۔ یہی وہ بات تھی جو رسولؐ خدا بوقت وفات بتانا چاہتے تھے اور قلم اور دوات طلب فرمائی۔ مگر عمرؓ نے روک دیا اور کہا کہ آپ ہذیان میں ہیں۔ قرآن ہمارے لئے کافی ہے (حسبنا کتاب اللہ) حالانکہ رسول خدا لکھنا چاہتے تھے تاکہ امت آپ کے بعد گمراہ نہ ہو۔ یہ عمرؓ تھا جس نے روک دیا۔

حالانکہ وہ قرآن کی ایک آیت سے بھی واقف نہ تھا اور وہ اور اس کا دوست ابوبکرؓ جب بھی کوئی مشکل پیش آتی علیؓ کے پاس چھپ کے اور چھپکے آتے اور وہ ان کی مشکل کشائی کر دیتے۔ خود سنیوں کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ستر دفعہ عمرؓ

نے کہا کہ :-

"اگر علی نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو گیا ہوتا۔"

"اگر کتاب اللہ کافی ہوتی تو ان میں جو اسے ملتے ہیں اختلاف کثیر ہی کیوں ہوتا؟"

مثلاً ایک آیت ہے کہ

"انما انت منذر و لکل قوم ھاد" (۱۳/۷)

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ "منذر" اور "ہادی" ایک ہی شخصیت ہے لیکن بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ "تو ڈرانے والا ہے اور ہر ایک قوم میں ہادی ہوتا ہے۔" بہر حال ہدایت عذاب سے ڈرانے پر منحصر سہی۔ یہ تو واضح ہے کہ کوئی زمانہ امام سے خالی نہیں ہوتا۔ بصائر الدرجات میں امام باقرؑ سے مروی ہے کہ

"منذر تو رسول خداؐ ہیں اور آپ کے بعد ہر ایک زمانہ میں ہم میں سے ایک ہادی ہے جو لوگوں کو قرآن کی طرف دعوت دیتا رہے گا۔ اور بعد وفات آنحضرتؐ ہادی علیؑ ابن ابی طالب اور آپ کے بعد وہ امام جو جانشین ہوتے۔ اور یکے بعد دیگرے تا روز قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔"

ابن بویویہ نے "کمال الدین" میں لکھا ہے کہ

"امام باقرؑ نے آیت "لکل قوم ھاد" کی یہ تفسیر کی کہ اشارہ امام کی طرف ہے جو ہر ایک زمانہ میں لوگوں کی ہدایت کے لئے مامور ہوتا ہے۔"

دوسری مثال یہ آیت ہے کہ

"ولقد وصلنا لھم القول لعلھم یتذکرون" (۲۸/۵۱)

اکثر مفسرین یہ تفسیر کرتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے آیات یکے بعد دیگرے اور اسی طرح واقعات اور نصائح اور امثال وغیرہ ملتے جلتے بیان فرماتے تاکہ لوگوں میں فہم پیدا ہو اور اچھے برے میں تمیز کر سکیں۔"

لیکن اہل بیتؑ کے ذریعے جو احادیث روایت ہوئی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ

Marfat.com

حقیقی مفہوم یہ ہے کہ امام یکے بعد دیگرے آتے رہیں گے ۔"

"ابن بابویہ نے مجالس اور کمال الدین میں روایت[1] امام زین العابدین سے کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

"ہم لوگ مسلمانوں کے ہادی اور حجۃ اللہ ہیں اور ہماری ہی شفاعت پر شیعان جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں ایسے چمک دار ہوں گے گویا نور سے دھوئے ہیں بحیثیت ہادی مومنین ہم اللہ تعالیٰ کے غضب سے لوگوں کو بچائیں گے ۔ جب تک ستارے آسمان کی حفاظت کرتے ہیں زمین پر جب تک ہم ہیں روز قیامت قائم نہ ہوگا اور نہ عذاب نازل ہوگا۔ لیکن جب ہم زمین پر نہ ہوں گے تو ہلاکت کے آثار روئے زمین پر ظاہر ہوں گے ۔ ستارے جھڑ جائیں گے یہ آسمانوں کے خاتمہ کا نشان ہوگا۔"

اور یہ بھی فرمایا کہ

"ہم وہ ہیں کہ ہمارے ذریعہ سے آسمان قائم ہیں ۔ اگر ہم نہ ہوں تو آسمان گر پڑے اور تمام اہل زمین ہلاک ہو جائیں اور یہ ہماری ہی برکت کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین پر مینہ برساتا ہے اور رحمت فرماتا ہے اور زمین اپنی نعمتیں دیتی ہے ۔ اگر کوئی امام روئے زمین پر نہ ہو تو طبقات زمین متصادم ہوں اور تمام اہل زمین ہلاک ہو جائیں گے ۔"

اس لئے دیکھو کہ آدم سے تا ایں دم زمین کبھی حجۃ اللہ یا نمائندہ سے خالی نہیں رہی خواہ

---

[1] ایک انگریز مورخ لکھتا ہے کہ یہ روایت اس لئے قابل قبول نہیں کہ اس میں خود ستائی کے سوا اور کچھ نہیں "پیران نمی پرند مریدان می پرانند" ہم کہتے ہیں کہ اس لئے صحیح نہیں کہ نانا تو یہ کہتا ہے کہ "لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحی الی" (پ۷) (باقی حاشیہ صفحہ ۹۷ پر)

یہ ظاہر ہو۔ یا پوشیدہ ۔ بہرحال زمین پر خدا کا شاہد ہمیشہ موجود رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے ۔ اس لئے کہ اگر حجۃ اللہ زمین پر نہ ہو۔ اللہ کی عبادت بھی کوئی نہ کرے گا ۔ کیونکہ امام ہی ان کو عبادات کا طریقہ تعلیم کرے گا۔"

اس عقیدہ امامت اور امام کے بعد مشکل یہ پیش آئی کہ اگر کسی وقت امام موجود نہ ہو۔ تو ظاہر ہے کہ نظام عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ اور قیامت قائم ہو جائے گی۔ اس کا حل "مجلسی" حسب ذیل بتاتا ہے کہ :۔

"امام زین العابدین سے یہی سوال کیا گیا کہ اگر حجۃ اللہ غائب یا پوشیدہ ہو تو لوگ اس کی تعلیم وغیرہ سے کیسے مستفیض ہو سکتے ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا کہ اسی طرح جس طرح سورج بادلوں میں پوشیدہ ہے اپنا فیض پہنچا رہا ہے۔"

مجلسی کہتا ہے کہ خواہ امام غائب ہو اہل زمین کو اس کا فیض پہنچتا رہتا ہے۔ وہ لوگوں سے مل کر بھی ان کو راہ راست پر لاتا ہے اگرچہ ان کو شعور نہیں ہوتا کہ یہی امام ہے جس کا ان کا انتظار تھا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اگر وہ ظاہر ہو تو جو منتظر ہیں اس کی امامت تسلیم نہ کریں تو اور گنہگار ہوں۔ اور اگر ظاہر ہو اور اس کو تسلیم بھی کر لیں۔ تو لائق جہاد وغیرہ سے جی چرائیں۔ جس کا حکم وہ دیتے تو کہیں کے نہ رہیں۔ اس لئے امام کا غائب رہنا ہی ان کے حق میں بہتر ہوگا۔ علاوہ ازیں ایسی آنکھیں جنہوں نے اس کو نہیں دیکھا تو اس کے جلال کی تاب نہ لائیں جس طرح سورج کو دیکھنے سے آنکھیں خیرہ اور [illegible] ہو جاتی ہے بادشاہ اور امراء کا تو اس پر ایمان ہے کہ امام منتظر تشریف لائیگا لیکن جب وہ آجائے اور اس کا انکار کریں تو ایمان بھی گیا۔ جبکہ وہ امیر فقیر کو ایک سطح پر رکھے جیسا کہ امیر المومنین حضرت علیؓ نے طلحہ اور زبیر کو وہ کچھ دیا جو ایک غلام کو دیا تھا۔ تو انہوں نے بغاوت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶) "لیس لھم من دونہ ولی ولا شفیع لعلھم یتقون"
(۶/۱۲) "لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء" (۹/۱۳) "انما انا بشر مثلکم"

Marfat.com

کی ان کیلئے یہی کافی ہے کہ امام کی موجودگی واجب ہے خواہ ظاہر ہو یا غائب، اس پر ایمان انہیں ضرور نفع دے گا۔"

ضرورت امام پر مجلسی نے طویل بحث کی ہے۔ یہ بھی لکھتا ہے کہ

"امام کا تقرر یا تو اللہ کی طرف سے یا نبی کی جانب سے واجب ہے اس لئے واجب ہے کہ ہر ایک امام اپنا جانشین خود نامزد کرے۔"

عباسی کہتے ہیں کہ امامت یا نامزدگی یا وراثتاً ہی صحیح ہے۔ اور تمام سُنّی اس امر پر متفق ہیں کہ یا تو بذریعہ انتخاب یا نامزدگی درست ہے۔ لیکن ان کے عقاید کے خلاف بے شمار براہان ہیں۔

(۱) ۔ امام کا معصوم ہونا واجب ہے اور عصمت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اللہ ہی پر اس کا تقرر لازم ہے۔

(۲) تاریخی واقعات سے اہل عقل پر واضح ہو چکا ہے کہ اگر حکمران مستقل مزاج، مضبوط دل وگردہ کا آدمی نہ ہو تو نظام و انتظام بگڑ جاتا ہے۔ لوگ قانون شکنی پر اتر آتے ہیں اور فتنہ وفساد رونما ہوتا ہے۔ لیکن "اللہ فساد پسند نہیں فرماتا" جب اللہ فساد پسند نہیں فرماتا تو ضرور ہے کہ سدباب بھی کرے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ حکومت ایک شخص کے ہاتھ میں ہو جو فساد پیدا نہ ہونے دے اور اگر ہو تو رفع کرے۔ ایسا آدمی امام ہے۔"

(۳) اللہ کی رحمت کاملہ کا تقاضہ ہے کہ اس نے رسول مبعوث فرمایا اور چھوٹی سے چھوٹی بات بھی نہیں جو بذریعہ رسول بیان نہ کی ہو۔ مثلاً لباس اور جسم کی پاکیزگی، وضو اور تیمم وغیرہ۔ لیکن ضرور ہے کہ احکام شریعت جو رسول خدا کے ذریعہ ہمیں ملے اس کی حفاظت بھی ہو۔ اس کا محافظ امام ہے۔"

(۴) چوتھی دلیل یہ ہے جس پر سُنّیوں کا بھی اتفاق ہے کہ آدم سے آنحضرت تک تمام انبیاء کا یہ دستور رہا ہے کہ اپنا جانشین مقرر کرتے رہے۔ خود آنحضرت جب مدینہ سے مکہ کی طرف جاتے تو کسی کو مدینہ میں اپنا جانشین چھوڑ جاتے۔ عثمان

Marfat.com

اور دیگر اولی الامر کا تقرر بھی آنحضرتؐ کی قائمقامی ہی ہے اس لئے یہ کب باور ہو سکتا ہے کہ آں حضرتؐ اپنے بعد کسی کو نامزد نہ فرماتے۔" (جیسے نامزد فرمایا وہ علیؓ ابن ابی طالب ہے)

(۵) اگر لوگوں پر امام کا تقرر چھوڑ دیا جائے تو ہر ایک اپنی محدود عقل کے مطابق جسے چاہے مقرر کر سکتا ہے۔ امامت اور نبوت ایک ہی جیسی ہے۔ اگر امام کا تقرر لوگ کریں تو نبی کو بھی اپنے میں سے منتخب کر سکتے ہیں۔"

(۷) اگر انتخاب لوگوں پر چھوڑ دیا جائے تو لوگ غلطی سے پاک نہیں اس لئے ممکن ہے کہ وہ غلط انتخاب کریں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابتدا میں جس کا انتخاب ہو وہ اچھا ہی ہو مگر عموماً دیکھا گیا ہے کہ جب حکومت ہاتھ آتی ہے تو ظلم وغیرہ پر اتر آتے ہیں۔ اس لئے امام ایسا ہونا چاہیئے جس سے غلطی کا امکان نہ ہو۔ اور ایسے شخص کو اللہ ہی پیدا کرتا ہے اور وہی منتخب بھی فرماتا ہے۔"

(۸) بالفرض اگر امام جس کو ایک جماعت منتخب کرے بہمہ وجوہ موزوں بھی ہو ممکن ہے کہ دوسری جماعت کسی وجہ سے تسلیم نہ کرے تو دونوں میں لڑائی جھگڑا ہوگا لیکن اگر خدا اسے مقرر کرے تو اس کی مدد بھی کرے گا اور دشمنوں کو نیچا دکھائے گا۔ جیسے نبی کے مقابلہ میں کفار کو شکست دیتا رہا ہے۔"

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ امام اور نبی میں کچھ فرق نہیں تو مجلسی کے دلائل نہایت وقیع اور مضبوط ہیں۔ غالباً سُنی بھی مرعوب ہو کر ہمنوا ہو گئے۔ نجم الدین النسفی نے عقاید اہل سنت والجماعت پر جو کچھ لکھا اس کی شرح سعد الدین تفتازانی نے کی خلافت اور امامت کے تحت نسفی لکھتا ہے کہ:-

"آنحضرتؐ کے بعد بہترین خلایق صدیق اکبر اور آپ کے بعد عمر فاروق اعظم اور آپ کے بعد عثمان ذی النورین اور آپ کے بعد علی مرتضےٰ اسی ترتیب سے ہیں۔ ان کی خلافت تیس سال رہی، ان کے بعد ملوک اور امرا ہوئے۔"

"واجب ہے کہ امت مسلمہ میں کوئی امام ہو جو صاحب نظم و نسق ہو اور حدود اللہ سے تجاوز نہ کرنے دے۔ جو ممالک اسلامیہ کی سرحدات کا محافظ ہو۔ جو دشمنان دین و ملت کے مقابلہ کے لئے لشکر آراستہ کرے۔ زکوٰۃ اور خیرات اور صدقات وصول کرے اور آئین شکن لوگوں کو کوتاہ دست کرے۔ اور صلوٰۃ بالخصوص صلوٰۃ یوم الجمعہ ادا کرے۔ اور تنازعات باہمی کا تصفیہ کرے۔ مال غنیمت تقسیم کرے اور بیوگان اور یتامی کا مناسب انتظام دربارہ نکاح وغیرہ کرے":

"واجب ہے کہ امام ظاہر ہو، نہ کہ غائب یا منتظر اور واجب ہے کہ قبیلہ قریش سے ہو، ضرور نہیں کہ ہاشمی ہو۔ ضرور نہیں کہ اولاد علی سے ہو۔ ضرور نہیں کہ وہ معصوم عن الخطا ہو اور نہ یہ ضرور ہے کہ وہ بلحاظ تقویٰ بہترین ہو۔ لیکن ضرور ہے کہ وہ آزاد ہو اور اسے کامل اختیار حکومت ہو۔ امام محض کسی بدی کے ارتکاب یا ظلم کی وجہ سے معزول نہیں ہو سکتا"

موجودہ عقیدہ اہلسنت الجماعت ہے کہ" ضرور نہیں کہ وہ قبیلہ قریش سے ہو"۔ امام کے جو فرائض نسفی نے بیان کئے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ خلافت کی تعریف کر رہا ہے مگر اس خیال سے کہ خلافت صرف تیس ۳۰ برس رہی۔ ان کو خلیفہ نہیں کہتا بعد میں جو بھی ہوئے وہ ملوک یا امرا یا امام ہوئے۔ مگر یہ سب صاحب حکومت ہی تھے۔ اگر امامت کو صرف دینی حکومت تک محدود کر دیا جائے تو ہر ایک مسجد کا ملّا امام ہے۔ خواہ یہ فقیہہ مدرسہ یا مجتہد بلحاظ مدارج ہو۔ لیکن اس کو صرف قبیلہ قریش میں محدود کرنا کئی مشکلات کا موجب ہوگا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دین یا مذہب حکومت کا خادم ہو کر رہ جائے گا۔

امامت کے بارے میں مسلمانوں کے دو بڑے مذاہب کے اکابر کا عقیدہ ہم نے واضح کر دیا۔ اب ہم دونوں کے عقائد کو تاریخی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں اور ان پر علمی بحث بھی کریں گے۔

بلاشبہ" امامت" نص قرآنی سے حضرت ابراہیمؑ کے حق میں ثابت شدہ حقیقت

Marfat.com

ہے۔

"انی جاعلک للناس اماما"

لیکن یہ حقیقت ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ حضرت ابراہیمؑ کو امام وصفاً بلحاظ ایمان وعمل بنایا گیا نہ کہ نسباً۔ آپ کا باپ آذر مشرک تھا اور ہمہ حد بیٹے کی دعائے مغفرت بھی اس کے حق میں قبول نہ ہوئی۔

ارشاد قرآن ہے کہ:۔

"قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ ...... الا قول ابراھیم لابیہ لاستغفرن لک وما املک لک من اللہ من شئ۔" (۲۸/۴)

"تحقیق تمہارے لئے ابراہیم میں ایک نمونہ ہے اور ان میں جن کو اس کی معیت حاصل ہے ...... مگر اس قول ابراہیم میں نہیں کہ اپنے باپ سے کہا کہ میں ضرور تیرے لئے مغفرت مانگوں گا۔ ویسے اللہ کے ساتھ میرا کچھ زور تو چلتا نہیں۔"

نصوص قرآنی سے امامت کے بارے میں چند اصولی باتیں بالکل صاف ہیں۔

۱۔ ہر ایک شخص صاحب ایمان وعمل وصفاً امام ہو سکتا ہے نہ کہ نسباً۔ اگر نسباً امامت ہوتی تو نہ صرف حضرت ابراہیمؑ کا والد امام ہوتا بلکہ آپ کی ذریت بھی ہوتی خواہ وہ ظالم ہی ہوتے۔

۲۔ ہر ایک امام کا اتباع علی بصیرت ہی جائز ہے نہ کہ اس کی بشری شخصیت کا یعنی کورکورانہ تقلید ناجائز ہے۔ اتباع "ما انزل اللہ" علی بصیرت واجب ہے۔ کسی بشری شخصیت کا اتباع شرک ہے۔

۳۔ امامت کوئی موروثی منصب نہیں، وصفاً ہر ایک شخص ہو سکتا ہے۔

۴۔ امام معصوم عن الخطا ہرگز نہیں ہوتا اور محض خطا مانع منصب امامت نہیں۔

۵۔ یہ ضرور نہیں کہ امام کی ہر ایک بات قابل قبول ہو۔ ہر ایک نامعقول بات رد کرنی چاہیئے خواہ وہ کسی نبی سے منسوب کی گئی ہو اور ہر ایک معقول بات تسلیم کرنی

Marfat.com

چاہیئے۔ خواہ وہ کسی نبی سے منسوب نہ ہو۔

آیات محولہ بالا (۲/۱۲۴) سے تو واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی امامت مسلّمہ ہے۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ آپ کا اتباع ہر ایک قول میں کیا جائے۔ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ کن باتوں میں اتباع کرنا چاہیئے اور کن باتوں میں نہیں کرنا چاہیئے؟ لیکن اس کا مفصل جواب قرآن میں موجود ہے۔ اس لئے اس پر بحث تحصیل حاصل ہے۔

ارشاد قرآن ہے کہ

"فبشر عباده الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه ط اولٰئک الذین هداهم الله واولٰئک هم اولوا الالباب ه (۳۹/۱۸)"

"پس ہمارے بندوں کو بشارت دو جو کلام کان دھر کر سنتے ہیں اور اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں۔ وہی ہیں جن کو اللہ ہدایت فرماتا ہے۔ اور وہی عقل مند بھی ہیں۔"

نیز ارشاد ہے کہ

"یجعل الرجس علی الذین لا یعقلون (۱۰/۱۰۰)"

"جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ اللہ ان کی ذہنیت گندی بنا دیتا ہے۔"

نبی ہو یا رسول یا امام یا کوئی مصلح ہمیشہ دعوت الی الحق دے گا۔ ہمارے پاس پرکھنے کا ذریعہ صرف "بصیرت" ہے۔ اس لئے جب ہم کسی کا اتباع کریں تو اس کی بشری شخصیت کا نہیں کرتے بلکہ "حق" کا کرتے ہیں۔

ارشاد قرآن ہے کہ

"قل هذه سبیلی ادعوا الی الله علی بصیرة انا ومن اتبعنی وسبحان الله وما انا من المشرکین (۱۲/۱۰۸)"

"کہو کہ یہ ہے میرا طریق کہ اللہ کی طرف دعوت علی بصیرت دیتا ہوں۔ میں اور وہ بھی جو میرا اتباع کرتا ہے اور سبحان اللہ اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں (جو اللہ کو چھوڑ کر شخصیت کا اتباع کرتے ہیں)"

Marfat.com

نیز ارشاد ہے کہ

والذین اذا ذکروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صما و عمیانا ٭ (۹/۱۴)

"اور (اللہ کے بندے) وہ ہیں کہ جب ان پر ہماری آیات سنائی جائیں تو اندھے اور بہرے ہو کر ان پر نہ گریں (کورکورانہ تقلید کریں)

جو شخص کسی بشری شخصیت کا اتباع من دون اللہ کرتا ہے وہ آیت ۱۲/۱۴ کے تحت مشرک ہے۔ اس قسم کا اتباع اور اطاعت وہی لوگ کرتے ہیں جن کی ذہنیت انتہائی پست ہوتی ہے اور وہ بندوں کی بندگی کرتے ہیں اور ان کے گن گاتے ہیں جن کا کھاتے ہیں۔

امامیہ کے جتنے فرقے ہیں وہ سب امام کو معصوم عن الخطا یقین کرتے ہیں ۔ اس موضوع پر ہم بحث کر چکے ہیں۔ جب ایک دفعہ یہ عقیدہ پختہ ہو گیا تو ظاہر ہے کہ امام جو کچھ بھی کہے گا وہ عین صواب ہی ہو گا۔ اس لئے اتباع امام بے چون وچرا ہی کرنا پڑے گا۔ لیکن ہم واضح کر چکے ہیں کہ یہ مفروضہ ہی غلط ہے۔ سنی بھی انبیاء کو معصوم عن الخطا یقین کرتے ہیں۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ عقیدہ بہت عرصہ بعد سنیوں کے مذہب میں داخل ہوا۔ مجلسی کہتا ہے کہ منصب امامت رسالت اور نبوت سے بھی افضل ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو یہ منصب نبوت و رسالت کے بعد ہی ملا۔ اگرچہ یہ دعویٰ محل نظر ہے مگر سردست ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ ہم امامت پر تاریخی نقطہ نظر سے بحث کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی امامت برائے نص قرآن ثابت شدہ حقیقت ہے۔ لیکن آپ کو یہ منصب اس وقت ملا جب آپ کی آزمائش ایمان و عمل پوری طرح ہوئی۔

"واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمٰت فاتمھن ؕ قال انی جاعلک للناس اماما ؕ قال ومن ذریتی ؕ قال لا ینال عھدی الظٰلمین ٭ (۱/۱۵)

"جب ابراہیم کو اس کے پروردگار نے ان باتوں میں آزمایا جو امامت کے لئے ضروری ہیں اور وہ امتحان میں پورے اترے تو فرمایا کہ میں تجھے لوگوں کا امام مقرر کرتا ہوں۔

Marfat.com

(یہ تقاضائے بشریت عرض کی کہ یہ منصب موروثی ہوگا) اور میری ذریت بھی ، فرمایا کہ ہمارا عہد ظالموں تک نہیں پہنچتا۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ "امامت" کوئی موروثی عہدہ نہیں۔ اس کا استحقاق چند شرائط سے وابستہ ہے۔

اول یہ کہ "قلب سلیم" ہو (اذ جاء ربہ بقلب سلیم۔ ۳۷ ۸۴) اور یہ کہ اس کے ایمان وعمل کا امتحان ہوچکا ہو۔ یہ اوصاف "امامیہ" کے اکثر فرقے بھی تسلیم کرتے ہیں ان اوصاف کے ہوتے اگر کوئی شخص کسی امام کا بیٹا بھی ہو تو اس کا تقرر بھی ہوسکتا ہے یہ امر کہ وہ صرف ایک امام کا بیٹا ہے کوئی قابلیت نہیں۔ لیکن اگر اس میں شرائط امامت پائی جائیں تو وہ ایسا ہی مستحق ہے جیسے اور لائق افراد امت۔ یہ تو نامعقول بات ہے۔ کہ ایک بہمہ وجوہ لائق آدمی اس لئے محروم ہے کہ اس کا باپ امام تھا۔ حضرت عمرؓ نے جب تقرر خلافت شوریٰ کے ہاتھ میں دے دیا تو یہ بھی کہا کہ میرا بیٹا میرا جانشین نہ ہوگا۔ البتہ شوریٰ میں شامل رہے گا۔ حضرت عمرؓ نے دوراندیشی سے کام لیا۔ آپ کو یہ ڈر تھا کہ یہ عہدہ یا منصب موروثی نہ ہو جائے۔ اور عقیدت شرائط قابلیت نظرانداز کر دے۔ آیہ استخلاف میں بھی ایمان وعمل صالح شرط ہے۔ اس میں کوئی شرائط ایسی نہیں کہ کسی خاص خاندان میں امامت محدود کی جائے۔ اگر نفسیات کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ شیعان علیؓ نے محض عقیدت اور محبت اولاد علیؓ کی وجہ سے امامت آپ کے خاندان میں مخصوص کی۔ ہم اس موضوع پر ایک اور پہلو سے بحث کرتے ہیں۔

لفظ "امام" مشتق ہے "ام" سے۔ جس کا مفہوم ہر ایک شئے کی اصل ہے مثلاً "ام الکتاب" ایسی کتاب ہے جس سے تمام انسانی علوم جو کتب میں درج ہیں ماخوذ ہیں۔ یہ صحیفہ فطرت ہے "لاریب فیہ"۔ "ام القریٰ" کوئی مرکزی بستی یا ایسی بستی جو بلحاظ تجارت وغیرہ خاص یا مشہور شہر ہو۔ جیسے عرب میں مکہ معظمہ۔ لفظ "امت" بھی اسی سے مشتق ہے۔ ایسی جماعت جس کی اصل ایک ہی ہو جب

اس کا اطلاق کسی ایک شخص پر ہو تو مفہوم یہ ہے کہ امت یا جماعت کے افراد میں جو بات یا امتیازی خصوصیت فرداً فرداً پائی جاتی ہے وہ بہیئت مجموعی اس ایک شخص میں موجود ہے یا یہ کہ جماعت کی قوت کی اصل اس شخص میں پائی جاتی ہے حضرت ابراہیمؑ کی نسبت ارشاد ہے کہ:۔

"ان ابراھیم کان امۃ قانتاللہ"

امام راغب لکھتا ہے کہ

"عبادت الٰہی میں قائم مقام جماعت، یعنی بلحاظ عبادت ابراہیم میں وہ سب خوبیاں ہیں جو ایک جماعت میں بہیئت مجموعی مشاہدہ ہو سکتی ہیں"

چونکہ "ملت" کی اصل حضرت ابراہیمؑ سے شروع ہوئی اس لئے جو بھی اس ملت کا اتباع کرتا ہے وہ امت ابراہیمی میں داخل ہے۔ اسی لئے حضرت ابراہیم کو "امام" کا لقب عطا ہوا۔ یہ لفظ بھی "ام" سے مشتق ہے۔ "امام" ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کسی امت یا جماعت کا رہنما یا پیشوا ہو۔ اس لئے اس کا اطلاق ہر ایسے شخص پر ہوتا ہے جو کسی جماعت کی رہنمائی کسی مقصد کے لئے کر رہا ہو۔ بلالحاظ اس امر کے کہ یہ مقصد فی نفسہ اچھا یا برا ہے۔ بروں کے بھی امام ہوتے ہیں جیسے اچھوں کے۔

زیر بحث صرف امامت ایسی جماعت کی ہے جو دین اسلام میں کسی جماعت کا امام ہو۔ دیکھنا یہ ہے کہ ایسا امام کون ہو سکتا ہے؟

ہم واضح کر چکے ہیں کہ یہ شخصیت بہ نص قرآن حضرت ابراہیم کی ہے۔ اور یہی جب تک اسلام زندہ ہے امام رہیں گے۔ باقی خواہ آپ کی ذریت ہو یا غیر ذریت بشرطیکہ مومن صالح ہوں اور ظالم نہ ہوں بالتبع امام ہیں۔ اور ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی بروئے نص قرآن اصل امام نہیں خواہ یہ موسیٰؑ یا عیسیٰؑ ہو خود آنحضرتؐ کو ارشاد الٰہی ہے کہ:۔

"ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان

Marfat.com

من المشرکین ۔ (۱۴/۲۲)

"پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کا اتباع کر جو ایک ہی (اللہ) کا ہو رہا تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔"

یہود و نصاریٰ کے بارے میں ارشاد ہے کہ

"وقالوا کونوا ھودا او نصٰری تھتدوا قل بل ملۃ ابراھیم حنیفا" (۱/۱۶)

"اور یہود کہتے ہیں کہ یہودی اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیحی ہو جاؤ تو راہ راست پر آؤ۔ کہو کہ نہیں بلکہ اصل ہدایت ملت ابراہیم ہے۔ وہ جو ایک ہی اللہ کا ہو رہا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔"

"ومن یرغب عن ملۃ ابراھم الا من سفہ نفسہ ولقد اصطفینٰہ فی الدنیا وانہ فی الاخرۃ لمن الصٰلحین ۝ (۱/۱۶)

"اور کون ہے جو ملت ابراہیم سے انحراف کرے مگر وہی جس کی عقل ماری گئی ہو اور بے شک ہم نے اس کو دنیا میں بھی منتخب کر لیا اور آخرت میں بھی وہ نیکوں میں سے ہے۔"

"قل صدق اللہ فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین ۝ (۴/۱)

"کہو کہ اللہ کا ارشاد سچ ہے اس لئے ملت ابراہیم کا اتباع کرو جو ایک اللہ والا تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔"

اسلام نام بھی حضرت ابراہیم کا تجویز کردہ ہے جس پر مہر توثیق قرآن نے بھی ثبت کر دی۔ Thesis

"وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمّٰکم المسلمین من قبل وفی ھذا لیکون الرسول شھیدا علیکم وتکونوا شھداء علی الناس ۔ (۱۷/۱۲)

Marfat.com

"دین کے بارے میں ہم نے تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی۔ اور یہ ملت ابراہیم ہے جو (اے ذریت ابراہیم) تمہارا مورث اعلیٰ تھا اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا اور قرآن میں بھی یہی برقرار رکھا گیا اس لئے کہ اس کی شہادت رسول تم پر دے اور تم دنیا جہان کے لوگوں پر شہادت دو۔"

"ومن احسن دیناً ممن اسلم وجھہ للہ وھو محسن واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاہ (۵/۱۵)

"اور اس شخص سے کس کا دین بہتر ہے جس نے اللہ کے حضور سر تسلیم خم کر دیا اور وہ مومن بھی ہے اور یہ ملت ابراہیم ہے اسی کا اتباع کرتا ہے جو ایک ہی اللہ والا تھا اور ابراہیم کو اللہ نے اپنا مخلص قرار دیا۔"

امامت کے بارے میں قطعی فیصلہ یہ ہے کہ

"واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمٰت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عھدی الظٰلمین ○ واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا واتخذوا من مقام ابراھم مصلی (۱/۱۵)

" اور ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کا مرجع اور جائے امن ٹھہرایا اور حکم دیا کہ ابراہیم کے مقام کو جائے نماز مقرر رکھو۔"

تمام آیات محولہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ امامت حضرت ابراہیمؑ کو عطا ہوئی اس لئے آپ کے بعد جو بھی اس ملت ابراہیم کا اتباع کرنے والے ہیں خواہ نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہوں سب کے امام حضرت ابراہیم ہی ہیں۔

انتباہ ممکن ہے کہ بعض اشخاص کو کچھ غلط فہمی ہو یا پیدا کریں۔ اس لئے یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرنی چاہیئے۔ کہ خود حضرت ابراہیمؑ کی البشری شخصیت قابل اتباع نہیں۔ آپ کی "ملت" ہی قابل اتباع ہے۔ خود حضرت ابراہیم حضرت نوحؑ کے پیرو تھے۔

"وان من شیعتہ لابراھیم (۳/۲۳)

Marfat.com

"اور نوح کے طریق پہ چلنے والا ایک ابراہیم بھی تھا۔"

ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علی طرح ذریت نوحؑ سے اور بھی ہوں۔ آیات قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ یقیناً تھے۔ لیکن چونکہ یہ سلسلہ اب منقطع ہو چکا ہے۔ اور صرف حضرت ابراہیمؑ کی امامت باقی ہے اس لئے ہماری بحث کا موضوع صرف یہی ہے۔ توحید بلا شائبہ شرک صرف ملت ابراہیمؑ میں پائی جاتی ہے۔

"دین" ایک ہی ہے۔ اور یہ انسانی اختراع نہیں۔ ہر ایک شے کی فطرت میں ودیعت ہے۔ اور صرف عالم انسانی کا نہیں بلکہ کل کائنات کا ہے اس لئے یہ دین الحق دین اللہ ہے۔

"لہٗ اسلم من فی السمٰوٰت والارض"

"اسی اللہ کا فرماں بردار ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے"

ملت وہ روش ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے دین اللہ میں اختیار کی۔ یہ صرف انسان ہی پر موقوف نہیں بلکہ ہر ایک نوع کی اختلاف صورت کے ہوتے الگ الگ ہے۔

"وما من دآبۃ فی الارض ولا طٰئر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم" (پ۷)

"اور جتنے حیوانات چلتے پھرتے ہیں روئے زمین پر اور پرندے جو اڑتے پھرتے ہیں یہ سب تمہاری طرح امتیں ہیں۔"

امامت اور امت لازم و ملزوم ہیں کوئی امام بلا امت نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی جماعت یا امت بلا امام … نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ امر بالکل صاف ہے کہ امت مسلمہ کا امام حضرت ابراہیمؑ ہی ہیں لیکن خود حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور ارشاد الٰہی سے واضح ہوتا ہے کہ یہ منصب امامت آپ کی ذریت میں وراثتاً منتقل ہو رہا ہے اور امام وہ تھے جو آپ کی ذریت میں انبیاء اور رسول ہوئے۔ لیکن یہ سلسلہ نبوت یا دینی حکومت آنحضرتؐ "خاتم النبیین" پر ختم ہو گیا۔

Marfat.com

یہ حقیقت اچھی طرح دل نشین کرنی چاہئیے کہ آنحضرتؐ سے پیشتر ملت ابراھیمؑ صرف ذریّت ابراہیمؑ کا مذہب تھا۔ اور تمام انبیاء و رسل ذریّت ابراہیمؑ کے انبیاء و رسل تھے۔ اس لئے نبوت و رسالت و امامت بھی آپ ہی کی ذریّت میں محدود رہی۔

"توراۃ" میں لکھا ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ

"دنیا جہاں کی قومیں تجھ سے برکت پائیں گی" (تکوین ۱۸/۱۸)

یہ آیت ہم معنی آیہ" قال انی جاعلك للناس اماما (۲/۱۲۴) کے ہے۔ لیکن آنحضرتؐ کل عالم انسانی کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے۔

"انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملك السموٰت والارض (۷/۱۵۸)

دینی حکومت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ختم ہو گئی۔ صرف امامت رہ گئی۔ اور اب ذریّت ابراہیمؑ میں محدود نہ رہی جیسا کہ ملت ابراہیمؑ ذریّت ابراہیمؑ میں محدود نہ رہی۔ امت مسلمہ میں سے ہر ایک شخص وصفاً امام ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پہلے بھی وصفاً ہی ذریّت ابراہیمؑ میں امام ہوتے۔ ایام جاہلیت کی خصوصیت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے جب کہ قوموں میں وہ رابطہ اتحاد نہ تھا جو اب ہے، امامت وصفاً ذریّت ابراہیم میں محدود رہی اور اس کا فائدہ کسی دوسری قوم کو نہ پہنچا۔

شیعانِ علیؓ

سب سے پہلا فرقہ جو امت مسلمہ میں پیدا ہوا وہ شیعان علی مرتضیٰ کا ہے۔ اور حضرت علیؓ کی زندگی ہی میں دوسرا فرقہ جو شیعان علیؓ سے علیحدہ ہو گیا "خوارج" کے نام سے مشہور ہے۔

اس میں کچھ کلام نہیں کہ دونوں سیاسی فرقے ہیں۔ اور سیاسی الجھن کی پیداوار ہیں۔ اور دونوں خلافت کی گتھی کو سلجھاتے رہے ہیں اور خلافت ہی ان کے

Marfat.com

امتیازی عقائد کا سنگ بنیاد ہے۔ بعد میں جو کچھ عقائد کی عمارت بلند کی! اس میں اختلاف چند فقہی مسائل کا ہے جو ان کے عقیدہ خلافت یا امامت کے مناسب ہیں۔ یعنی انہوں نے اپنے مذہب کو ایسی صورت میں ڈھالا کہ عقیدہ خلافت یا امامت سے لگا کھائے۔ لیکن اہل تشیع کے بھی ہزاروں فرقے بعد میں پیدا ہوتے اور ان میں سے معتزلہ بہت مشہور فرقہ ہے۔ معتزلہ بھی فرقہ در فرقہ ہے۔ لیکن اکثر کا عقیدہ دربارہ امامت سنیوں کے مطابق ہے کہ "امامت" اختیار پر مبنی ہے نہ کہ نص اور تعین پر۔

Marfat.com

شجرہ نسب امامان شیعہ

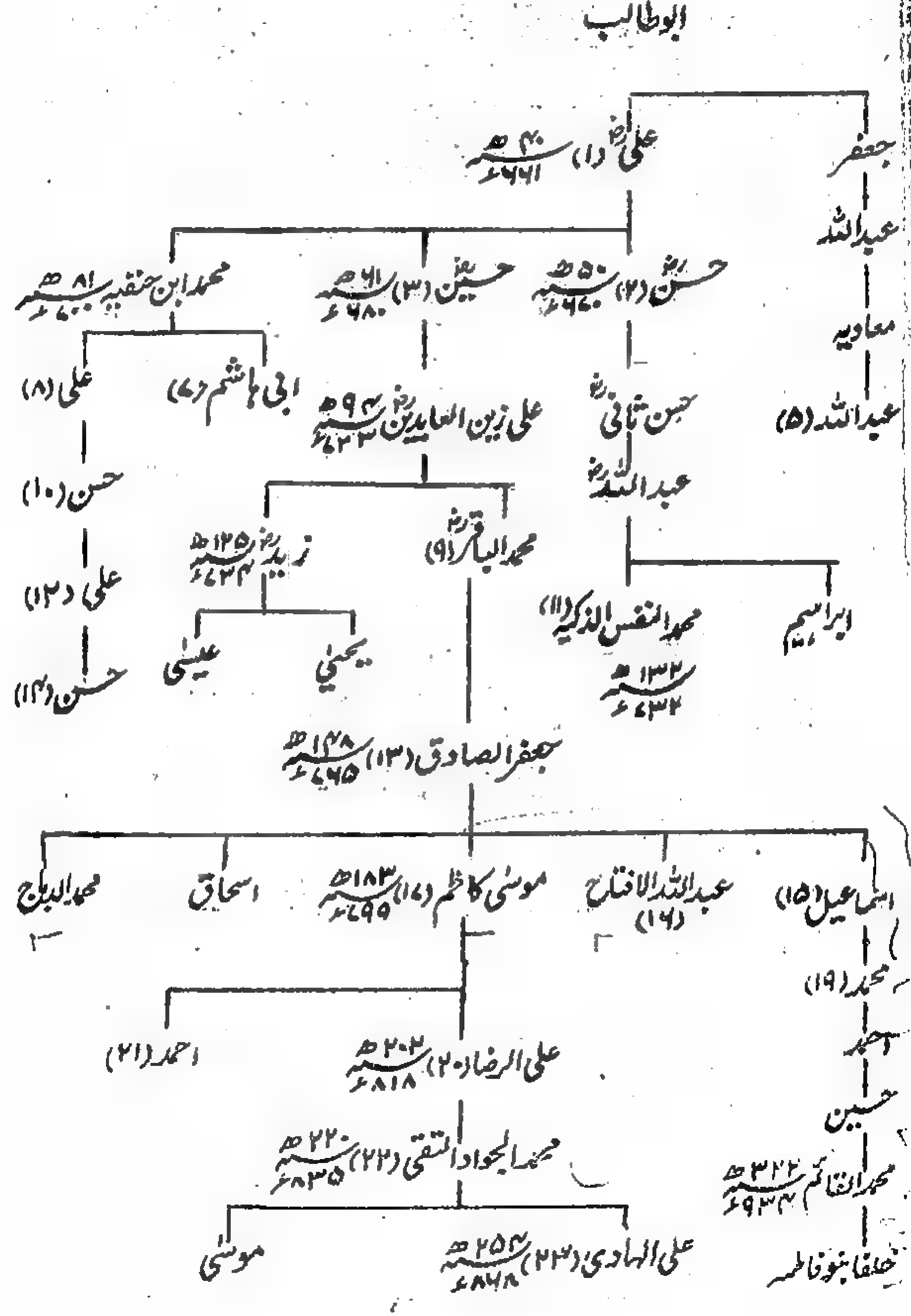

علی الہادی (۲۳) ۲۵۴ھ / ۸۶۸ء

محمد (۲۴) — حسن العسکری (۲۵) ۲۶۰ھ / ۸۷۴ء — جعفر (۲۶)

محمد المہدی القائم (۲۷) ۲۶۰ھ / ۸۷۴ء

شجرہ نسب خلفاء عباسیہ

العباس

عبداللہ

علی

محمد (۲۸)

عبداللہ السفاح — موسیٰ — منصور ابوجعفر — ابراہیم

عیسیٰ (۲۹) — محمد المہدی

Marfat.com

شیعان علیؓ دو قسم ہیں ایک وہ جو بنو فاطمہ سے وابستہ ہیں اور دوسرے جو حضرت علیؓ کی اولاد غیر بنو فاطمہ "علوی" سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے عقاید دربارہ امامت میں اختلاف ہے۔ شہرستانی نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں ان تمام فرقوں کے ناموں کی فہرست دی ہے اور ان کے عقائد بیان کئے ہیں یہ فہرست طویل ہے ان میں سے اکثر کا اب صرف نام تذکروں میں رہ گیا ہے۔

شہرستانی فرقہ "کیسانیہ" سے شروع کرتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق کیسان حضرت علیؓ کا غلام تھا اور بقول شہرستانی تمام علوم ظاہر و باطن کی تعلیم باب مدینۃ العلم یعنی حضرت علیؓ سے براہ راست حاصل کی اور بعض روایات یہ ہیں کہ امام محمد حنفیہ کا شاگرد تھا۔ آخرالذکر روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ فرقہ اور اس کی بے شمار شاخیں امام محمد حنفیہ کو وہ درجہ دیتی ہیں جو عیسائی مسیحؑ کو۔

اشتباہ ان اوراق میں ہم نے مختلف مذاہب کا تذکرہ لکھا ہے۔ ان میں سے اکثر اپنے آپ کو حضرت علیؓ سے منسوب کرتے ہیں۔ بلکہ ایک غیر مسلم مورخ نے یہاں تک لکھ دیا کہ

> "اگر اسلام میں حضرت علی کی شخصیت نہ ہوتی تو غالباً فرقہ بندی سے جو شر انگیز تفرقہ پیدا ہوا نہ ہوتا۔"

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے دور خلافت میں ایک سیاسی فرقہ ضرور پیدا ہوا۔ جس کو آج شیعان علی کہتے ہیں اور یہ پُرجوش حامی اہل بیت کے تھے۔ لیکن بعد میں جو عقائد ان لوگوں نے بخشے گئے اس کی ذمہ داری کسی طرح حضرت علیؓ پر عاید نہیں ہوتی۔ یہ عقاید صحیح ہوں یا غلط سر دست ہماری بحث کا موضوع نہیں لیکن ہر ایک محقق مورخ کی یہی رائے ہونی چاہیئے کہ حضرت علیؓ ان عقاید کے معلم اول نہیں ہیں۔ نو مسلم مجوسی اپنی سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے اور اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو بحال کرنے کے لئے بہت کچھ ہر ایک دور خلافت اسلامیہ میں ہاتھ پاؤں مارتے رہے۔

اور دین میں ایسے عناصر نے بھی نکالے جن میں مزدکی اور مانوی عقائد کی آمیزش صاف پائی جاتی ہے۔ اگر یہ عقائد عین اسلامی ہوتے اور قرآن سے ان کی تصدیق ہوتی تو کچھ اور بات تھی۔ مگر یہ کیفیت نہیں ہے۔ ان لوگوں کی غرض یہ تھی کہ ایرانی سلطنت اور زرتشتی مذہب کا احیا ہو۔ یہ تاریخی واقعات ہیں۔ اور بعض فرقوں کے حالات میں ان کی تصدیق ہوتی ہے۔ ایرانی اپنی قومی حکومت اور مذہب کی بحالی جس طرح چاہتے، کرتے۔ ان کے لئے بالکل جائز تھا۔ لیکن جیسا کہ قاسم زادہ نے اپنی کتاب "جلوہ ریزی روح ایران" اور محسن فانی نے "دبستان مذاہب" میں لکھا ہے۔ یہ لوگ مسلمانی کے لباس میں مزدکی وغیرہ مذاہب کی اشاعت میں مسلسل کوشش کرتے رہے۔ سیاسیات میں یہ بھی جائز ہے۔ بہر حال جہاں تک ہماری اور متقدمین کی تحقیق ہے۔ ان مذاہب سے حضرت علی مرتضیٰ کو دور کی نسبت بھی نہیں۔

مختاریہ

ابن خلکان (مولود ۶۰۸ھ متوفی ۶۸۱ھ) اپنی کتاب "وفیات الاعیان" میں بحوالہ جوہری کی کتاب "الصحاح" لکھتا ہے کہ "کیسان" لقب مختار بن ابی عبید الثقفی کا ہے۔ لیکن دیگر مورخین یہ کہتے ہیں کہ وہ حضرت علی کا غلام تھا۔ بہر حال اس نے لوگوں کو محمد بن علی بن ابی طالب المعروف ابن الحنفیہ کی امامت کی طرف دعوت دی۔

امام زین العابدینؑ اس وقت زندہ موجود تھے۔ مختار نے پہلے آپ کی طرف رجوع کیا۔ مومن کی فراست نور ہوتا ہے۔ اس کی روشنی میں مختار کی اغراض آپ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ اس لئے صاف انکار کر دیا۔ آپ اس وقت مدینہ منورہ میں تھے۔ مسجد نبوی میں لوگوں کو جمع کیا اور مختار کی شرارتوں سے آگاہ کیا۔
اب مختار نے عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف رجوع کیا۔ آپ ارض حجاز میں اپنی خلافت قائم کر چکے تھے اور آپ کا بھائی مصعبؓ بصرہ میں آپ کی حکومت کو تقویت دے رہا تھا۔ یہ وقت شورش اور شوریدہ سروں کے موافق تھا۔ مختار کو قرین تھا جو شروع

سے آخر خلافت عباسیہ تک شورش کا مرکز رہا۔

یزید فوت ہو چکا تھا۔ اس کے بعد معاویہ ثانی نے چند ماہ حکومت کی اور فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یزید ثانی تھا۔ اکابر اس کے پاس جمع ہوئے لیکن اس نے اس حکومت سے بیزاری کا اظہار کیا جس نے دنیائے اسلام میں شر پیدا کر رکھا تھا۔ کہا کہ :۔

"اس خلافت کے حالات سے میں خوب واقف ہوں۔ افسوس ہے کہ تم میں ایسے چھ آدمی بھی نہیں ہیں کہ میں خلیفہ کا انتخاب ان کے سپرد کر دوں اور ایک بھی ایسا شخص نہیں کہ اس کے حق میں وصیت کر دوں تم ہی شوریٰ ہو جس کو چاہو منتخب کر لو میں بری الذمہ ہوں۔"

اور گوشہ نشین ہو گیا۔

دنیائے اسلام میں کئی دعویداران خلافت کھڑے ہو گئے اور طول و عرض میں بدنظمی شائع ہو گئی۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے حجاز میں علم خلافت بلند کیا اور مکہ معظمہ کو دار الخلافت قرار دیا۔ آپ کا بھائی مصعب عراق کو زبیری خلافت میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ مختار ثقفی کسی ایسے آدمی کی تلاش میں تھا جس کے نام پر علم حکومت بلند کرے وہ جانتا تھا کہ کوفہ ہی ایسی جگہ ہے جہاں اسے کامیابی کی امید ہو سکتی ہے۔ جب حضرت زین العابدین اس کے بھرتے میں نہ آتے تو عبداللہ بن زبیر کے پاس گیا اور کہا کہ وقت ہے کہ آپ شام پر حملہ کریں۔ آپ نے کہا کہ اتنا لشکر کہاں سے لاؤں۔ کہا کہ کوفہ سے۔ اور یہ کام میرے سپرد کر دیں۔ میں شامیوں سے نپٹ لوں گا۔ ابن زبیرؓ نے اجازت دے دی۔ مختار کوفہ میں آیا اور اہل کوفہ کو جمع کر کے کہا کہ

"تم نے اولاد علیؓ سے جو کچھ سلوک کیا اس کی پاداش میں تم سب اس لائق ہو کہ ہلاک کیے جاؤ اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ بنو امیہ سے خون حسینؓ کا بدلہ لو توبہ کرو اور بنو امیہ کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔"

لوگوں کی عقیدت اس سے بڑھ گئی۔ اور اس پر اضافہ اس طرح ہوا کہ بیت المال

Marfat.com

کا دروازہ کھول دیا اور داد و دہش سے لوگوں کو بالکل اپنا گرویدہ بنا لیا۔ جب بصرہ میں مصعب کو اطلاع ہوئی تو بھائی کو لکھا کہ مختار آپ کے نام پر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ ابن زبیرؓ نے مختار سے جواب طلب کیا تو اس کا جواب عملاً یہ دیا کہ ابن زبیر کی خلافت سے انکار کر دیا اور لوگوں کو کہا کہ خلافت کا حق بنو ہاشم کا ہے۔ لیکن علیؓ (زین العابدین) بن حسینؓ اس کا اہل نہیں اس لئے محمد بن الحنفیہ کو اپنا امام سمجھو تاریخی واقعات کا تذکرہ ہمارا موضوع بحث نہیں ہمیں ان عقائد کا جائزہ لینا ہے جو فرقہ مختاریہ یا کیسانیہ سے منسوب ہیں۔

ابن خلکان "وفیات الاعیان" میں لکھتا ہے کہ:۔

"آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو ایک فرزند کی بشارت دی اور فرمایا کہ اس کا نام میرا نام اور اس کی کنیت ابوالقاسم میری کنیت ہوگی میری امت میں کسی کے لئے جائز نہیں کہ میری کنیت اختیار کرے۔ مگر میرا نام اپنی اولاد کا رکھ سکتا ہے۔ صرف اسی ایک کے لئے میری کنیت جائز ہے۔ چنانچہ جب محمد ابن الحنفیہ خولہ بنت جعفر کے بطن سے پیدا ہوا تو کنیت ابوالقاسم سے مشہور ہوا۔"

یہ بہت بڑا عالم دین تھا اور زہد و تقویٰ میں بھی کسی سے کم نہ تھا۔ "شدید القوۃ" ایسا تھا کہ اس بارہ میں عجیب حکایات مشہور ہیں۔ اس لئے عبداللہ بن زبیر کی بیعت سے انکار کر دیا تو ابن زبیر نے خطبہ دیا کہ

"تمام لوگوں نے میری بیعت کی مگر یہی ایک جوان محمد ابن الحنفیہ اڑا ہوا ہے۔ میں اسے غروب آفتاب تک مہلت دیتا ہوں اگر بیعت نہ کی تو مارا جائے گا۔"

عبداللہ بن عباسؓ اور محمد ابن الحنفیہ نے ابن زبیر کو کہا کہ "جب تک دنیائے اسلام تیری خلافت پر متفق نہ ہو ہم بیعت نہیں کریں گے۔" ابن الحنفیہ کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔

Marfat.com

بعض کہتے ہیں کہ مدینہ میں فوت ہوا اور ابان بن عثمان بن عفانؓ نے نماز جنازہ پڑھی اور جنت البقیع میں دفن ہوا۔

بعض کہتے ہیں کہ طائف کی طرف گیا اور ابن زبیر سے لڑا اور وہیں فوت ہوا۔

بعض کہتے ہیں "ایلہ" میں رحلت کی۔ مگر فرقہ مختاریہ یا کیسانیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ فوت نہیں ہوئے بلکہ جبل "رضوی" میں غائب ہو گئے۔ اور کسی وقت خروج فرمائیں گے۔ جبل رضوی کے متعلق بھی اختلاف ہے کہتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان بحر قلزم سے دو منزل پر واقع ہے۔

مہدی کے بارہ میں روایات جو بھی مشہور ہیں فرقہ مختاریہ محمد ابن الحنفیہ ہی کو اس کا مصداق یقین کرتا ہے۔ چنانچہ سید حمیری اور شاعر کثیر نے بہت اشعار آپ کی مدح میں لکھے ہیں جن کو مسعودی مروج الذہب میں اور ابن خلکان "وفیات" میں نقل کرتا ہے۔ کثیر کہتا ہے کہ

الا ان الائمۃ من قریش
ولاۃ الحق اربعۃ سواء

سن رکھو کہ امام تو قریش سے ہی ہیں
مگر دوستداران حق چار شخص ہیں

علیؓ والثلاثۃ من بنیہ
هم الاسباط لیس بہم خفاء

ایک تو علی اور اس کے بیٹوں میں سے تین تن
جن کا نانا پیغمبر ہے اس میں کوئی بات چھپی ہوئی نہیں

فسبط سبط ایمان و بر
وسبط غیبۃ کربلاء

ان میں سے ایک صاحب ایمان اور نیکو کار ہے
اور دوسرا کربلا میں مدفون ہے

Marfat.com

وسبط لا ترى العين حتى

يقود الخيل يتبعها اللواء

اور وہ تیسرا فوت نہ ہوگا جب تک لاؤ لشکر کے ساتھ

اور پرچم لہراتا ہوا خروج نہ کرے

يغيب لا يرى فيهم زماناً

برضوى عنده عسل وماء

اس عرصہ تک رضوی میں پوشیدہ ہے اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا

اور اس کے پاس شہد اور پانی (کی نہریں) ہیں

آمد ثانی کا عقیدہ اب جزوِ مذہب بن گیا۔ مختار اور مصعب برادر عبداللہ بن زبیر میں جنگ ہوئی۔ مختار مارا گیا۔ لیکن جس مذہب کی طرح ڈال چکا تھا زندہ رہا۔ زندگی کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جاندار شے بڑھے، پھولے پھلے۔ چنانچہ کیسانیہ یا مختاریہ کی بہت شاخیں پھوٹیں۔ اور عقیدہ آمد ثانی اور حلول وغیرہ نے مستقل صورت اختیار کر لی۔

اس حقیقت کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ مختاریہ فرقہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد قریب تر زمانہ میں پیدا ہوا۔ اور اس نے بنو فاطمہ کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ محمد بن الحنفیہ کے حالات کا علم کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہمیں معلوم نہیں۔ کچھ حکایات ہیں اور روایات ہیں اور آپ کی شخصیت کو ایسے رنگ روپ میں پیش کیا گیا کہ آپ فوق البشر انسان تھے۔ آنحضرتؐ سے قرابت قریبہ بحض حضرت علیؓ کو نہ تھی۔ بنو عباس کو بھی مساوی دعوے اس رشتہ کا تھا۔ بنو فاطمہ نے دعویٰ خلافت اس دلیل پر کیا کہ وہ حضرت علی کی اولاد، حضرت فاطمہ دختر آنحضرتؐ کے بطن سے ہیں۔ یہ دعویٰ بنو عباس اور بنو فاطمہ میں مابہ النزاع رہا۔ آخر فیصلہ برہان قاطع یعنی تلوار نے کر دیا۔

سر دست دیکھنا یہ ہے کہ فرقہ مختاریہ وغیرہ نے بنو فاطمہ کو چھوڑ کر محمد بن الحنفیہ کی طرف رجوع کیوں کیا۔ کو وہ ہمیشہ شورہ پشتی کا مرکز رہا ہے۔ اور اس فرقہ کی ابتدا بھی یہیں سے ہوئی۔ اور تائید بھی نو مسلم ایرانیوں کی طرف سے ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ مختار اولاد علیؓ

کی آڑ میں اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتا تھا۔ بنو فاطمہ پر تو اس کا جادو نہ چلا اس لئے علوی خاندان کے نام پر کھڑا ہوا۔

محمد بن الحنفیہ خود تو کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوا مختار ہی ابن زبیر اور آپ کے بھائی سے لڑتا رہا اور مارا گیا۔ اس لئے یہ بھی مشتبہ امر ہے کہ محمد ابن الحنفیہ دعویدار خلافت تھے ؟۔

ہاشمیہ محمد بن حنفیہ کی نسبت ان لوگوں کا عام عقیدہ تھا کہ وہ دشمنان دین کے خوف سے روپوش ہے اور کسی مناسب وقت پر ظاہر ہوگا۔ اور اس وقت کا انتظار ہے۔ اس لئے امامت کے بارہ میں اب تین صورتیں پیدا ہو گئیں۔ امام ظاہر امام غائب، امام منتظر۔

امام غائب زندہ کہیں موجود ہے مگر وہ خاص خاص مقربین کے ذریعہ احکام نافذ کرتا رہتا ہے۔

امام منتظر وہ جس کا انتظار ہے اس کے بارہ میں اختلاف ہے کہ وہ کون ہے آیا محمد بن حنفیہ یا کوئی اور۔ عقیدہ "مہدی" کے تحت اس کی وضاحت کی جائیگی۔

محمد حنفیہ تو امام غائب ہے مگر اس کا کوئی قائم مقام یا "وکیل" ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد بیٹا ابی ہاشم بن محمد بن حنفیہ ہے۔ فرقہ ہاشمیہ جو اس کے نام سے موسوم ہے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام علوم اصل و فرع جن کا مالک باپ تھا ابی ہاشم اس کے بیٹے میں منتقل ہو گئے۔ اگرچہ یہ سب فرقے سیاسیات کی پیداوار تھے۔ مگر جب مختار کو بساطِ سیاست پر شکست ہوئی اور مات کھا گیا۔ اور متبعین میں قوت عسکری نہ رہی تو مذہبی رنگ میں قائم ہے۔ اور یہ امید منقطع نہ ہوئی کہ حالات سازگار ہوئے تو پھر سے اقتدار حاصل کریں گے۔

ابی ہاشم کی وفات کے بعد اس کے متبعین پانچ فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک فرقہ کا یہ عقیدہ تھا کہ ابی ہاشم شام سے مراجعت کے وقت شراۃ میں فوت ہو گیا اور محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کے حق میں وصیت امامت کر گیا۔ اس طرح یہ فرقہ

Marfat.com

بنو عباس کی امامت کے بارہ میں کہتا ہے کہ خلافت بوجہ قرابت آنحضرتؐ بنو عباس کا حق ہے۔ اسی قرابت کو مدنظر رکھتے ہوئے خلیفہ عباسی ابوجعفر اور محمد النفس الذکیہ میں حق خلافت بحث کا موضوع رہا ہے۔

مفصل بحث ہم نے اپنی کتاب "صدیق اکبرؓ" اور خلافت اسلامیہ (حصہ اول) میں کی ہے۔

منصور یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ وراثت میں عمّ کا حق اولاد دختر پر فائق ہے۔ اور یہی دلیل فرقہ ہاشمیہ کا عقیدہ ہے۔ دوسرا فرقہ ہاشمیہ یہ کہتا ہے کہ بعد وفات ابی ہاشم حق امامت آپ کے بھائی حسین بن علی بن محمد حنفیہ کا ہے۔

ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ ابی ہاشم نے وصیت عبداللہ بن عمرو بن حرب کندی کے حق میں کی تھی۔ اس لئے امامت بنی ہاشم سے عبداللہ مذکور میں منتقل ہوگئی۔ صرف عہد امامت ہی نہیں بلکہ روح ابی ہاشم بن محمد حنفیہ بھی حلول کر گئی۔

اب ایک اور شاخسانہ امامت میں تناسخ کا کھڑا کیا گیا۔ عبداللہ مذکور کے بارہ میں شہرستانی لکھتا ہے کہ

"وہ تناسخ کا قائل تھا اور اس کا دعوی یہ تھا کہ روح اللہ عیسٰی علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور آپ کی روح کا حلول مجھ میں ہوا ہے۔ اس لئے دعوی نبوت بحیثیت مثیل مسیحؑ اور الوہیت بلحاظ روح اللہ کیا۔ یہ فرقہ قیامت کا منکر تھا اور عقیدہ رکھتا تھا کہ ثواب و عذاب اسی دنیا میں ہے اور آیہ "لیس علی الذین آمنوا عملوا الصّلحت جناح فیما طعموا" کی تاویل یہ کرتا کہ جس نے امام کو دیکھا وہ کمال کو پہنچ گیا اور خورد و نوش میں حلال و حرام کا امتیاز بھی اٹھ جاتا ہے۔"

شہرستانی کی رائے یہ ہے کہ یہ مذہب "مزدکیہ" کا تھا اور ہے۔ ہم نے یہی بات اس کتاب کے شروع میں لکھی ہے کہ مسلمانوں میں فرقہ بندی کی بنا یا تو سیاسیات میں یا وہ فلسفہ جو یونان اور ایران سے داخل ہوا۔ جو فرقے سیاسیات کی اغراض کے ساتھ

کھڑے ہوئے ان میں تو قتل و غارت بھی لازمی نتیجہ تھا اور جو محض فلسفیانہ رنگ میں رنگین تھے اور خود بھی امن پسند تھے اور ان سے کچھ تعرض بھی نہ ہوا۔ لیکن سیاسی اغراض کی تکمیل ان عقاید کے بغیر بھی ممکن نہ تھی جس میں فلسفہ کی رنگ آمیزی نہ ہو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کا حق حکومت اپنے ہی ہم جنس انسانوں پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا جب تک اس شخص کو "فوق البشر" تسلیم نہ کیا جائے۔ تاریخی زمانہ میں دیوتاؤں کی اولاد یونان و روم اور مصر و ایران اور ہندوستان میں راجے اور ملوک بہت گزرے ہیں۔ اور یہی عقیدہ "تفوق" کسی نہ کسی رنگ میں ہمیشہ جلوہ نما ہوتا رہا۔ "بادشاہوں کے آسمانی حقوق" (DEVINE RIGHTS OF KINGS) وہی حق امامت ہے۔ جسے بہ نص قرآن شیعان علیؓ ثابت کرتے رہے اور اب پختہ عقیدہ ہو چکا ہے۔ لیکن اگر تاریخی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ عبداللہ بن عمرو بن حرب کندی کا دعویٰ کہ مسیحؑ کا روح اس میں حلول کر گیا ہے۔ وہی مسیحی عقیدہ ہے کہ مسیح روح اللہ ہے اور مظہر الوہیت ہے۔ اس فرقہ کو "حربیہ" کہتے ہیں۔

یہ فرقہ عراق میں زور پکڑ گیا۔ مگر عبداللہ خراسان میں مارا گیا تو اس کے متبعین میں پھر تفرقہ رونما ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ زندہ ہے اور دوبارہ آئے گا اور دوسرا فرقہ کہتا کہ فوت ہو گیا مگر اس کا روح اسحٰق بن زید بن حارث انصاری میں منتقل ہو گیا۔ اس فرقہ کو "حارثیہ" کہتے ہیں۔

اسی ہاشمیہ کی ایک شاخ "بنانیہ" ہے جو بنان بن سمعان سے منسوب و موسوم ہے۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ مظہر الوہیت ہیں۔ اور تفسیر آیہ "ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام" یہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد امام المتقین حضرت علیؓ ہیں کہ ظلل میں آئے گا اور رعد اس کی آواز ہے اور برق اس کا تبسم ہے۔

اور بنان کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ جزو الٰہی جو حضرت علیؓ کی بشری صورت میں تھا۔ اب اس میں منتقل ہو گیا ہے۔ اس لئے مستحق امامت و خلافت میں ہی ہوں۔ دلیل یہ

پیش کرتا کہ یہ روح الہیٰ یا جزو الہیٰ ہی تھا۔ کہ جب آدم میں نفخ ہوا تو ملائکہ سجدہ میں گر پڑے اور جو اکڑا وہ راندہ درگاہ الہیٰ ہوا۔ اس لئے میرا منکر شیطان اور ذریت شیطان ہے "ہمارے زمانہ میں بھی ایک مدعی نے مخالفین کو "ذریت البغایا" (حرامزادے) سے مخاطب کیا۔

ابی ہاشم بن محمد حنفیہ کا انتقال ۹۸ھ میں ہوا۔ عبداللہ بانی مذہب حربیہ اس صدی کے آخر میں ظاہر ہوا۔ بنان بن سمعان کے بارے میں ابن حزم لکھتا ہے کہ وہ تائب ہو گیا تھا اور آخر متقی مومن بن گیا۔

شہرستانی بھی تائید کرتا ہے۔ بنان کے متبعین نے اسے چھوڑ کر عبداللہ ابن معاویہ کی طرف رجوع کیا۔ پست فطرت ایسے ہی ہوتے ہیں۔

میرے ایک دوست نے مجھے باتوں باتوں میں کہا کہ

"دنیا میں دو قسم آدمی ہوتے ہیں۔ ایک عابد دوسرے معبود۔ عابد کثرت سے ہیں۔ انہیں ہمیشہ کسی نہ کسی معبود کی تلاش رہتی ہے۔ جہاں کسی کا شہرہ سنا پروانہ وار گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ وہ ملنے نہ مانے یہ اسے معبود بنا کر چھوڑتے ہیں۔ اگر اس معبود سے کسی وجہ سے برگشتہ ہوئے تو کسی اور معبود کی تلاش جاری رہتی ہے۔

حربیہ اور بنانیہ فرقوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا یعنی اللہ آدمی کی صورت رکھتا ہے۔ جزو بجزو اور عضو بعضو اور یہ کہ تمام اجزا و اعضا ہلاک ہوتے رہتے ہیں۔" الادجہ

رزامیہ یہ فرقہ رزام بن زعم سے منسوب ہے۔ ان کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ امامت حضرت علیؓ کے بعد محمد حنفیہ کی طرف منتقل ہوئی۔ پھر اس کے بیٹے ابی ہاشم کی طرف اور ابی ہاشم کی وفات کے بعد حسب وصیت علی بن عبداللہ بن عباس امام برحق ہے۔ علی نے اپنے بیٹے محمد کے حق میں وصیت کی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے ابراہیم کی طرف منتقل ہوئی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب خلافت بنوامیہ

روبہ زوال تھی اور دعویداران خلافت بنو ہاشم اٹھ کھڑے ہوتے اور اپنے داعی ممالک اسلامیہ کے طول و عرض میں پھیلا دیتے۔ ابو مسلم خراسانی ابراہیم کا خاص معتمد تھا۔ خراسان میں اس فرقہ کا بہت زور تھا۔

شہرستانی لکھتا ہے کہ

"ابو مسلم کا مذہب "کیسانیہ" تھا اور ابتدا میں اسی مذہب پر اس کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ اس نے کوشش کی کہ کسی طرح امام جعفر بن محمد الصادق کو اپنے دام تزویر میں پھانسے۔ مگر جب ادھر سے ناامید ہوا تو ابوالعباس بن محمد کی طرف رجوع کیا۔ اسی کی کوشش سے بنو امیہ کا تختہ حکومت شام میں الٹ گیا اور خلافت پر قبضہ بنو عباس کا ہو گیا۔ لیکن ابو مسلم کی نسبت اس کے خراسانی جانثاروں کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ مظہر الوہیت ہے۔ اور وہ خود بھی اپنی سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا۔"

خلیفہ منصور عباسی جب اس کے ارادوں سے آگاہ ہوا تو ایسی سیاسی چال چلا کہ ابو مسلم کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ ابو مسلم مارا گیا مگر اپنے بعد ایک مذہب چھوڑ گیا۔ جو بعد میں "خرمیہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ دین صرف معرفت امام ہے اور بس۔ اسی کی ایک شاخ کا یہ عقیدہ ہے کہ دین دو امر پر مشتمل ہے۔ معرفت امام و ادائے امانت۔ جس کو یہ دو باتیں نصیب ہوں وہ کمال حاصل کر سکتا ہے اور تمام تکالیف شرعیہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

یہ فرقے جو امام محمد حنفیہ سے منسوب ہیں۔ ان کو "علویہ" کہنا چاہیئے۔ اگر بنو فاطمہ دعویدار امامت یا خلافت ہوتے تو علویہ فرقوں کا ظہور ہی نہ ہوتا اور جب کھڑے ہوئے تو یہ فرقے گوشۂ گمنامی میں جا بیٹھے۔ لیکن جس سیاسی غرض کے ساتھ ان کا ظہور ہوا وہ ایسی نہ تھی کہ قریب تر زمانہ میں اپنی موت مر جاتے۔ اسی غرض کی تکمیل کے لئے وہ بنو ہاشم یعنی اول بنو عباس اور پھر بنو فاطمہ سے وابستہ رہے۔ اور پھر عملاً دونوں سے الگ ہو کر اپنی سلطنت قائم کر لی۔ لیکن عقاید میں فرق نہ آیا اگر آیا تو وہ صرف "غلو" ہی تھا

Marfat.com

اس لئے شہرستانی اور بغدادی اور دیگر مورخین ان کو "غلات" سے موسوم کرتے ہیں۔ شہرستانی شیعہ "غالیہ" کے تحت لکھتا ہے کہ

"وہ بیابان ضلالت اور بحر طغیان میں اس حد تک بڑھ گئے کہ حلولیہ اور تناسخیہ کے مشابہ ہو گئے۔ اور ملت یہود و نصاریٰ ان کا مذہب بن گیا۔ کیونکہ یہود تشبیہ خالق کرتے ہیں خلق کے ساتھ اور تنزیہہ خلق بخالق"

اسی کا اثر تھا کہ بعض اہل سنت "اعتزال" کی طرف مائل ہو گئے

چار فرقے ہیں۔ تشبیہہ اور حلول سب میں ایک جیسا عقیدہ ہے اور مختلف ممالک میں مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔

اصفہان میں ان کو "خرمیہ" و "کودیہ" اور رے میں ان کو "مزدکیہ" اور آذربائیجان میں "قولیہ" اور "محمرہ" (سرخ پوش) اور ماوراء النہر میں (سفید پوش) اور مقنعیہ کہتے ہیں جو حکیم مقنع سے منسوب ہیں۔

"غلات" میں سب سے پہلا فرقہ "سبائیہ" یا "سبئیہ" ہے جو عبداللہ بن سبا سے منسوب ہے۔ اس کے حالات ہم لکھ چکے ہیں۔ عبداللہ بن سبا حضرت عثمانؓ کے عہد میں مسلمان ہوا۔ اور حضرت علیؓ کے ہواخواہوں یا بدخواہوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ "آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت علیؓ کا حق خلافت جو مسلسل غصب ہوتا رہا" اور حضرت علیؓ کی نسبت ان کا یہ عقیدہ ہے کہ "آپ مظہر الوہیت ہیں۔

کمالیہ

اس فرقہ کا بانی "ابی کامل" تھا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ "آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تمام صحابہ ماسوی علیؓ مرتد ہو گئے۔ علیؓ کا بھی قصور ہے کہ آپ نے ان مرتدین کے خلاف جہاد نہ کیا۔ لیکن بایں ہمہ عقاید دربارہ حضرت علیؓ آپ کو الوہیت کا درجہ بھی دیتے ہیں۔ "ابی کامل" کہتا ہے کہ ایک ہی نور ہے جو ایک شخص میں نبوت اور دوسرے میں امامت کی صورت میں جلوہ نما ہوتا ہے اس ف

Marfat.com

ر ایہ عقیدہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک مکان میں قائم اور ہر ایک زبان میں ناطق اور
ر ایک بشری شخصیت میں ظاہر ہے۔ غرض حلول اور تناسخ ان کے عقیدہ کی بنیاد ہے
لتے ہیں کہ حلول یا جزوی ہوتا ہے یا کلی۔ جزوی اس طرح جیسے سورج کی روشنی بہا
یا بلور یا شیشہ میں کرنیں۔ اور کلی کی صورت یہ ہے جیسے فرشتہ کی آدمی کی صورت
ں یا ظہور شیطانی حیوانی شکل میں۔ اور مراتب تناسخ چار ہیں "نسخ" اور "مسخ" اور "فسخ"
ر سخ"۔ تناسخ کی تفصیل ہندوؤں اور مجوسیوں کی کتابوں میں دی گئی ہے کہ اعمال
ر عقاید کا اثر کیا کچھ اگلے جنم میں ہوتا ہے۔ اس لئے بحث تحصیل حاصل ہے۔

لیائیہ یہ فرقہ علیا بن ذراع السدی سے منسوب ہے۔ یہ اور اس کی شاخیں انتہائی غالی شیعہ ہیں۔ ان کے عقیدہ میں علیؓ کا مرتبہ آنحضرتؐ سے بھی اعلیٰ اور
فع ہے۔ بلکہ علیؓ اللہ ہے جس نے آنحضرتؐ کو مبعوث فرمایا۔ اور آنحضرتؐ کی
ثت کا مقصد ہی اتنا تھا کہ لوگوں کو حضرت علیؓ کی متابعت کی تلقین کریں۔ اس فرقہ
"ذمیہ" بھی کہتے ہیں۔ ان میں سے دوسرا فرقہ "عینیہ" کہلاتا ہے۔ ان کے نزدیک
لیؓ عین محمدؐ اور محمدؐ عین اللہ ہے۔ تیسرا فرقہ "میمیہ" سے موسوم ہے۔ یہ فرقہ پنج تن
مظہر الوہیت یقین کرتا ہے۔ یعنی آں حضرتؐ اور علیؓ اور حسنؓ اور حسینؓ اور فاطمہ زہراؓ
ضرت فاطمہ کو "فاطم" کہتے ہیں کہ تانیث کا اطلاق آپ پر صحیح نہیں۔ چنانچہ ان کے
ک شاعر کا شعر ہے کہ

تو لیت بعد اللہ فی الدین خمسۃ
نبیاً و سبطیہ و شیخا و فاطما

اللہ کے بعد میں پانچ کو دوست رکھتا ہوں، نبی اور دو نبیرگاں (حسن و حسین)
ر علی اور فاطم کو۔

مغیریہ جب تک اموی خلافت عروج پر تھی حضرت امام حسینؓ کے بعد بنو ہاشم دبے رہے لیکن کبھی خاموش نہ بیٹھے۔ ان کے داعی کچھ تو بوجہ عقیدت
ر زیادہ تر اپنی سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے عراق اور ایران میں پھیلے ہوئے تھے۔

Marfat.com

ہجرت کے بعد ایک سو سال کے عرصہ میں اسلام اگرچہ دنیائے اسلام کے طول وعرض میں شائع ہو چکا تھا۔ مگر عوام غیر عرب ابھی تک حقیقت اسلام سے واقف نہ ہوئے تھے۔ عجمی یا تو ایرانی آریا نسل سے تھے۔ جیسے ایرانی اور ہندوستانی یا ترک تھے یہ لوگ ابھی تک اپنے آبائی رسم ورواج اور مذہبی عقاید کو نہ بھولے تھے۔ جو ان کی طبیعت ثانیہ ہو چکی تھی۔ اور یہ کہنا کچھ بےجا نہیں کہ ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد بھی نہیں بھولے۔ عجمی مذاہب میں دیوتا پرستی عام ہے اور جب کسی شخص سے عقیدت کسی شخص یا جماعت کو اس شخصیت سے وابستہ کر دیتی تو وہ اس کو الوہیت کا درجہ خود بخود دے دیتے۔ اس لئے یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ وہ آنحضرتؐ اور حضرت علیؓ اور ان جن کو آنحضرتؐ سے قرابت قریبہ تھی۔ بمنزلہ "اللہ" یقین کرتے۔ داعیان بنو ہاشم ان لوگوں کے مذاہب کو اپنا سیاسی آلہ کار بنا لیا اور ان کو کامیابی بھی خاطر خواہ ہوئی داعی عرب اور شام اور افریقہ میں بنو امیہ کے فسق و فجور کے افسانے اٹھتے بیٹھتے ایک جگہ بیان کرتے۔ اور دور دراز ممالک میں جہاں عجمیوں کی اکثریت تھی بنو ہاشم بطور دیوتا پیش کرتے اور پیشگوئیاں گھڑتے جو آنحضرتؐ سے منسوب کرتے۔ ان میں سے مہدی اور نزول عیسیٰ کے بارہ میں احادیث مشہور ہیں۔

تعجب ہے کہ صحیح بخاری میں مہدی کی آمد کے بارہ میں ایک بھی حدیث نہیں اور نزول عیسیٰ کے متعلق ایک مجمل سی حدیث ہے جو الحاقی معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ مسیح کی آمد ثانی کا عقیدہ مسیحی ہے اور مسلمانوں کو اس کا علم تھا۔ اور مہدی کے بارے میں بخاری سے بہت پہلے روایات شائع ہو چکی تھیں۔ غالباً اس لئے کہ ان میں سخت اختلاف تھا اور رواۃ ثقہ نہ تھے جو بخاری کے معیار پر پورے نہ اترے اس لئے لاکھوں احادیث کے طومار میں ان کو بھی موضوع سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

بنو امیہ کے زوال کے اسباب میں سے بہت بڑا سبب یہی سیاسی تحریک تھی جو بنو ہاشم نے مسلسل ایک صدی تک جاری رکھی۔ مسلمانوں کا اوڑھنا بچھونا یہی ایک دین اسلام ہے اس لئے ان ایام میں بلکہ اب بھی کوئی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی

Marfat.com

جب تک اس پر مذہبی رنگ نہ چڑھا ہو۔ اس لئے ہر ایک تحریک گو وہ سیاسی ہی تھی مذہبی قرار پائی۔ اور ہر ایک مذہبی فرقہ بن گیا۔ اس کے بعد فرقہ در فرقہ پیدا ہوتا گیا بنتا اور بگڑتا رہا۔ ہمارے زمانہ میں جو کچھ اب چند فرقوں کی ہستی ہے وہ مناسب مقام پر بیان کی جائے گی۔ سردست ہم ان ابتدائی سیاسی فرقوں کے حالات لکھتے ہیں۔

فرقہ "مغیریہ" مغیرہ بن سعید عجلی سے منسوب ہے۔ یہ شخص محمد بن عبد اللہ بن حسن بن علیؓ کا داعی تھا۔ مغیرہ موالی خالد بن عبد اللہ قسری کا تھا جو اس وقت والئے عراق بنو امیہ کی طرف سے تھا اور ولایت عراق پر ولید اور ہشام کے عہد میں متمکن رہا۔ اس نے اکثر داعیوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ مغیرہ کی نسبت طبری اور ابن حزم کی روایت ہے کہ زندہ جلا دیا گیا۔

محمدؒ جو تاریخ میں "نفس ذکیہ" کے لقب سے مشہور ہے پہلا شخص ہے جس کی نسبت مغیرہ نے اعلان کیا کہ

"یہی مہدی موعود ہے جس کی نسبت آں حضرتؐ کی پیشگوئی ہے کہ اس کا نام میرا نام اور اس کے والد کا نام میرے والد کا نام ہوگا"

مغیرہ کو والئے عراق خالد بن عبد اللہ نے ۱۱۹ھ میں حکومت وقت کے خلاف بغاوت کے جرم میں قتل کیا۔ نفس ذکیہ نے حجاز میں اپنی خلافت کا اعلان کیا۔ اکثر علماء دین نے تائید کی۔

کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ پر بھی شبہ تھا کہ وہ بھی خلافت نفس ذکیہ کا حق سمجھتے تھے۔ اس لئے جب عباسی خلیفہ منصور مظفر و منصور ہوا۔ اور نفس ذکیہ میدان جنگ میں ۱۴۰ھ میں کام آیا تو امام ابو حنیفہ کو قید و بند کی سختی برداشت کرنی پڑی۔ لیکن اس روایت کی صداقت مشتبہ ہے۔ یہ ممکن ہے کہ امام صاحب چونکہ کوفی تھے اور کوفہ شورش کا مرکز تھا اس لئے آپ پر بھی شبہ ہوا ہو۔ امام صاحب اور آپ کا شاگرد ابو یوسف تو عباسی دور دورہ میں اعلیٰ عہدوں پر ممتاز نظر آتے ہیں۔

مغیرہ کی کوشش سے اکثر اہل عراق بنو فاطمہ کے حق میں علم بغاوت بلند کرنے

Marfat.com

کے لئے تیار تھے اور وہ یہی کہتا کہ مناسب وقت پر امام برحق کا ظہور ہوگا اور وہ رکن اور "مقام" کے درمیان لوگوں سے بیعت لیگا۔ یہ پیشگوئی جس کا مذکور احادیث میں ہے اگرچہ عبداللہ بن زبیر کے حق میں پوری ہو چکی تھی مگر ان لوگوں کے عقیدہ کے مطابق آپ امام و خلیفہ برحق نہ تھے۔ غالباً اس لئے کہ کامیاب نہ ہوتے۔ بہر حال نفس ذکیہ کے حق میں پوری ہوئی مگر کامیاب وہ بھی نہ ہوا۔

منصوریہ یہ فرقہ ابو منصور العجلی سے منسوب ہے۔ اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ امامت اولاد حضرت علیؓ میں منتقل ہوتی رہی۔ اور اب ابو جعفر محمد ابن علی ابن الحسین ابن علی مرتضیٰ میں آئی۔ ابو جعفر الملقب بہ الباقر جب تک زندہ رہے ابو منصور آپ کی امامت کا قائل رہا لیکن آپ کی وفات کے بعد خود دعوے دار امامت ہوا۔ امام باقر کا انتقال ۱۱۴ھ میں ہوا۔ ایک اور فرقہ "باقریہ" آپ کے نام سے منسوب ہے ان کا عقیدہ ہے کہ امام باقر پانچویں امام ہیں اور یہی مہدی ہیں۔ یہ فرقہ "امامیہ" ہی کی ایک شاخ ہے۔ ابو منصور محض امامت پر قانع نہ رہا اس نے وہی دعویٰ کیا جو مسیحی مسیحؑ سے منسوب کرتے ہیں۔ اس نے آیہ

"ان یروا کسفا من السماء ساقطا یقولوا سحاب مرکوم" (۴۴:۵۲)

"اگر کوئی ٹکڑا آسمان سے گرتا ہوا دیکھیں تو کہیں گے کہ یہ بادل کے ٹکڑے جمع ہو گئے ہیں (اور بارش کی تمہید ہے جو مفید ہے)" یہ کی کہ "کسف ساقط سے مراد اللہ تعالیٰ کی کبریائی ہے اور زمین پر اس کا نزول میری صورت میں ہوا۔ میں آسمان پر اٹھایا گیا مجھے رویت حق کا مشاہدہ ہوا۔ حق تعالیٰ نے میرے سر پر تھپکی دے کر سریانی زبان میں فرمایا کہ "اے میرے بیٹے زمین پر جا۔" آسمان سے میرا نزول زمین پر ہوا "کسف ساقط میں ہوں۔ جو میرا تابع ہے اس کے لئے تو باران رحمت اور جو مخالف ہے اس کے لئے عذاب ہے۔ نبوت ہرگز منقطع نہیں ہوتی۔ یہ ابدی ہے اور جاری رہے گی جنت سے مراد وہ اشخاص ہیں کہ ان سے ہمارا رشتہ الفت ہے اور جہنم سے مراد وہ ہیں جن سے ہمیں دشمنی ہے اور یہ وہ ہیں جو امام برحق کے دشمن ہیں ان کا مال اور

Marfat.com

اولاد ہم پر حلال ہے۔ تکالیف شرعیہ ان لوگوں کے لئے نہیں ہیں جو امام برحق کی زیارت سے مشرف ہو چکے۔ وہ اہل جنت ہیں۔

اس کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت عیسیٰ کو خلق فرمایا۔ بعد ازاں نقش ثانی حضرت علیؑ ابن ابی طالب کو، ابو منصور اور مغیرہ بحیثیت موالی ایک ہی قبیلہ عجلی سے وابستہ ہیں۔ دونوں کوفی تھے مسیحی عقیدہ الوہیت درباره مسیحؑ اور آپ کی آمد ثانی اس فرقہ کے عقیدہ میں نظر آتا ہے۔ یوسف بن عمر ثقفی اس وقت والئے عراق تھا۔ جب ابو منصور کے عقاید کا علم ہوا اور اس کی چیرہ دستی نے ہڑبونگ مچا رکھی تھی اس لئے پھانسی کی سزا دی۔

خطابیہ

امام محمد الباقر کی وفات کے بعد شیعان امامیہ دو فرقوں میں بٹ گئے ایک فرقہ تو محمد النفس الذکیہ کا طرفدار تھا اور دوسرا امام جعفر صادق کا۔ امام جعفر صادق، نفس ذکیہ کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتے۔

امام صاحب کا پرجوش حامی الخطاب محمد بن ابی زینب اسدی اجدع تھا۔ اکثر شیعہ فرقے اسی سے منسوب ہیں یا خطابیہ کی شاخیں ہیں۔

امام جعفر کے بعد شیعان پھر دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک تو امام صاحب کے بڑے بیٹے اسماعیل کو امام تسلیم کرتا تھا اور اسماعیل کے بعد آپ کے بیٹے محمد کو۔ خطاب اس فرقہ کا سرغنہ تھا۔ دوسرا فرقہ امام جعفر صادق کے دوسرے بیٹے موسیٰ کاظم کی امامت کا قائل تھا۔ یہ فرقہ بعد میں امامیہ اثنا عشری کہلایا۔ اور دوسرا فرقہ "اسمٰعیلیہ" سے موسوم ہے۔ اس فرقہ نے شمالی افریقہ میں خلافت بنو فاطمہ قائم کردی۔ پایہ خلافت "قاہرہ" انہی کا بسایا ہوا ہے۔ اور شہر اسماعیلیہ بھی اسمٰعیل بن امام جعفر صادقؑ کے نام پر آباد ہوا۔

اثنا عشریہ وہ تمام احادیث جو امام جعفر صادق سے ابوالخطاب کے ذریعہ مروی ہیں، صحیح تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ احادیث جو امام صاحب سے علیحدگی کے بعد مروی ہیں تسلیم نہیں کرتے۔ فرقہ اسماعیلیہ ان کو تسلیم کرتا ہے اور جن کو اثنا عشریہ

Marfat.com

تسلیم کرتے ہیں مسترد کرتا ہے ۔ اس لئے اس کی روایات میں اختلاف اور تضاد بھی ہے۔

فرقہ خطابیہ کی شاخیں چار ہیں۔ ان میں سے "معمریہ" کا عقیدہ یہ ہے کہ امام جعفر صادق کے بعد ابوالخطاب امام ہے اور اس کے بعد معمر ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جنت سے مراد یہی دنیوی نعمتیں اور خیر و برکت اور دوزخ سے مراد شر و مشقت و مصائب ہیں۔ تمام محرمات شرعیہ حلال ہیں۔ اور تمام تکالیف شرعیہ صوم و صلوات عوام کالانعام کے لئے ہیں۔ معمر کوفہ میں گندم فروش تھا۔ اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ ابوالخطاب کے بعد معمر امام ہے۔

دوسرا فرقہ "بذیغیہ" ہے ان کا عقیدہ ہے کہ امام جعفر صادق اللہ ہے لوگ بشری صورت دیکھتے رہے ہے۔ وہ صورت مثالی تھی جب شہد کی مکھی کو وحی ہوتی ہے تو ہمیں کیوں نہ ہو۔ تمام مومن مبیطہ وحی ہیں۔ اور آیات "وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ" کی تاویل وحی کرتے تھے۔ یہ بھی عقیدہ تھا کہ ہم میں سے جو فوت ہو عالم ملکوت کی طرف اس کا رفع ہوتا ہے۔ اور زندہ ہے اور ہم گذشتگان کو صبح و مسا دیکھتے ہیں۔

تیسرا فرقہ عمیر بن بنان عجلی سے منسوب ہے۔ ان کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ موت کے قائل ہیں۔ یہ لوگ علانیہ امام جعفر صادق کی پرستش کے قائل تھے۔ اس فرقہ کو "عمیریہ" کہتے ہیں۔

چوتھا مفضل بن صیرفی سے منسوب ہے۔ یہ بھی امام جعفر صادق کی الوہیت کے قائل ہیں۔ اس فرقہ کو "مفضلیہ" کہتے ہیں۔ اس فرقہ کی روایات کے مطابق امام جعفر صادق نے ابوالخطاب سے بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ اس لئے یہ بھی دبارہ ابوالخطاب تبرا کرتے ہیں۔

عبدالقاہر بغدادی لکھتا ہے کہ

"خطابیہ اور اس کی چار شاخیں خلفاء راشدین ابوبکر و عمر و عثمان کو غاصب

Marfat.com

قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ خود بھی تو اسی گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں کہ اولاد علیؓ سے امامت چھین کر ابوالخطاب وغیرہ کے حوالہ کی۔ بلکہ بعض کا عقیدہ ہے کہ ابوالخطاب امام جعفر صادق سے بھی اعلیٰ رتبہ کا مالک رہا ہے۔"

خطابیہ فرقوں کا عقیدہ ہے کہ ہر ایک زمانہ میں دو امام ہوتے ہیں ایک "صامت" اور دوسرا "ناطق"۔ رسول کریمؐ امام ناطق تھے اور علیؓ امام "صامت"۔ اسی طرح امام جعفر صادق ناطق تھے اور ابوالخطاب صامت۔ لیکن بعد وفات امام جعفر صادق ابوالخطاب ناطق ہو گیا۔ جیسے حضرت علیؓ بعد وفات آنحضرتؐ ناطق ہو گئے۔

ابوالخطاب سے دو باتیں خاص طور سے منسوب کی جاتی ہیں یعنی ان کی ابتدا اسی نے کی۔ ایک تو "تقیہ" ہے۔ اس کا مفہوم ہے کہ دشمنان دین سے اگر خوف جان و مال ہو اور جھوٹ بول کر بچایا جا سکے تو جائز ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ کسی حد تک اس کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہے۔ آیت حسب ذیل ہے۔

"انما یفتری الکذب الذین لا یومنون بایت اللہ واولئک ھم الکذبون۔ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم۔" (نحل)

"حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے وہی جھوٹ باندھتے ہیں اور یہی لوگ ہیں جھوٹے۔ ایمان لانے کے بعد جو بھی کفر کرے۔ ماسوی ایسے شخص کے جو اس پر مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔ لیکن جس کا سینہ ہی کفر کے لئے کشادہ ہے تو اس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

ان آیات میں ان اہل ایمان کا مذکور ہے جو کفار کے نرغے میں آ گئے ہوں اور ان پر جبر کیا جاتے کہ اسلام ترک کریں تو اجازت ہے کہ زبانی اپنی جان بچانے کے لئے ایسا

Marfat.com

کریں بشرطیکہ وہ دل سے مومن ہوں۔ انہی آیات کے بعد ارشاد ہے کہ

"ثم ان ربک للذین ھاجروا من بعد ما فتنوا ثم جاھدوا وصبروا ان ربک من بعدھا لغفور رحیم" (پ ۱۴)

"تحقیق ان کے لئے جنہوں نے (فی سبیل اللہ) ہجرت کی پیچھے اس کے کہ ایذا دیے گئے۔ پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا۔ تحقیق اس کے بعد تیرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔"

دیگر آیات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جو شخص ان حالات میں کہ وہ کافروں کو دیکھتا ہے کہ زور پکڑ چکے ہیں اور وہ اور اس کا ایمان خطرے میں ہے تو اس کو ایسے محفوظ مقام کی طرف ہجرت کرنی چاہیئے جہاں یہ خطرہ نہ ہو۔ لیکن جو بالکل ضعیف اور بچے اور ہجرت کے لائق نہیں وہ مجبور ہیں۔ اگر وہ بظاہر کافروں میں کافر بن کر رہیں بشرطیکہ دل سے مومن ہوں تو معذور ہیں اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ لیکن ان میں سے جب بھی کسی کو موقع ملے اسے ہجرت ہی کرنی چاہیئے زیر دروغ مصلحت آمیز جس کے لئے وہ مجبور کئے گئے ہیں ایسا ہے کہ اللہ بخش دے گا۔ بخشش گناہ کی ہے۔ اس کذب کو کذب ہی کہا گیا ہے مگر قابل بخشش قرار دیا گیا ہے۔

شیعہ حضرات پر جب یہ اعتراض ہوا کہ حضرت علیؓ جب وصی تھے تو آپ اپنے حق سے کیوں خاموشی سے دستبردار ہو گئے۔ اس آیت کی آڑ لے کر تقیہ کا جواز ثابت کرتے ہوئے کہ جان بچائی لاکھوں پائے۔ لیکن ان آیات میں زیر بحث ایمان ہے اور ایمان باللہ۔ حضرت علیؓ کو کس نے مجبور کیا تھا کہ وہ اسے ترک کر دیں۔ اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ ابو الخطاب نے جو بات پیدا کی ہے وہ یہ ہے کہ اس کا عقیدہ تھا کہ امام وقت "اللہ" ہوتا ہے اور اس کے متبعین سب اس کے بندے ہوتے ہیں۔ یہ

ل ہمارے زمانہ میں بھی ایک مدعی نے "قل یعبادی" (پ ۲۴) کی تفسیر یہی کی ہے کہ نبی وقت کے متبعین سب اس کے بندے (باقی حاشیہ صفحہ ۱۳۳ کے نیچے)

عقیدہ ایسا تھا۔ جس کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت اسے محسوس ہوئی۔ اس نے فرقہ "باطنیہ" کی طرح ڈالی اور آیات قرآن کی تاویل بھی اپنے عقیدہ کے مطابق کرتا تھا لیکن اس پر بھی کسی نے کچھ تعرض نہیں کیا۔ البتہ شیعہ اثنا عشریہ کی روایات سے اتنا پایا جاتا ہے کہ جب امام جعفر صادق کو اس کے عقاید کا علم ہوا تو اس سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور اس کا مقاطع کیا اور اپنے عقیدت مندوں کو بھی کہا کہ اس سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔ محض عقیدہ تو قابل مواخذہ نہیں اور نہ اس پر مواخذہ ہوا۔ اس لئے اس آیت کا اطلاق ان حالات میں صحیح نہیں۔

البتہ ایک اور بات ہے۔ وہ یہ کہ ابوالخطاب اپنی حکومت قائم کرنی چاہتا تھا بنو امیہ کا تختہ الٹ چکا تھا۔ اب بنو ہاشم باہم دست و گریبان ہو رہے تھے۔ محمد نفس ذکیہ نے حجاز سے خروج کیا۔ اس کا مقابلہ منصور کے اپنے برادر زادہ عیسٰی بن موسٰی اور اس کے بیٹے محمد المہدی سے ہوا۔ نفس ذکیہ نے شکست کھائی اور مارا گیا امام جعفر صادق پہلے ہی نفس ذکیہ کے دعوئی خلافت کے خلاف تھے۔ یہ وقت ایسا تھا کہ ہر طرف بدنظمی رونما ہو رہی تھی۔ ابوالخطاب نے بھی موقعہ غنیمت سمجھا۔ ممکن ہے کہ اس نے امام جعفر صادق کو اکسایا ہو۔ آپ کے انکار پر خود دعویدار امامت بن گیا۔ کوفہ ہمیشہ شورش اور شورہ پشتوں کا مرکز رہا ہے۔ ممکن ہے اس نے لوگوں کو چکمہ دیا ہو کہ امام جعفر صادق اور آپ کی اولاد کے لئے لڑ رہا ہوں۔ اس کے پاس کافی جمعیت تھی کوفہ میں علم بغاوت بلند کیا۔ عیسٰی بن موسٰی مذکور نے اسے شکست دی۔ گرفتار ہوا اور مارا گیا۔ یہ وہ عقیدہ بارہ امامت اور ارادہ خروج تھا کہ اس نے تقیہ کی آڑ لے کر دیر تک پوشیدہ رکھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے۔ دین و ایمان سے اس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲) ہوتے ہیں۔ لیکن یہ گمراہ کن تاویل ہے۔

"ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین" (۳/۱۹)

Marfat.com

کچھ تعلق نہیں۔

"نوبختی" نے ابوالخطاب کے حالات مفصل لکھے ہیں۔ نوبختی اور دیگر مورخین نے جو کچھ ابوالخطاب کے حالات بہ تعلق امام باقر اور آپ کے بیٹے امام جعفر صادق اور آپ کی اولاد لکھے ہیں ان میں اختلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی واقعات کی حقیقت معلوم نہ کر سکا۔ اسمٰعیل بن امام جعفر صادق کی نسبت اثنا عشری روایات یہ ہیں کہ وہ امام صاحب کی زندگی میں فوت ہو گیا تھا اور یہ کہ امام صاحب نے اسے عاق کر دیا تھا اس لئے کہ وہ شرابی تھا۔ اور اس کی صحبت اوباش لوگوں سے تھی۔ اس کے خلاف فرقہ خطابیہ اور اسماعیلیہ یہ کہتے ہیں کہ اسماعیل روپوش ہو گیا تھا اور امام غائب ہے۔ اسماعیل ۱۴۵ھ میں فوت ہوا یا روپوش ہوا۔ امام جعفر صادق کی وفات ۱۴۸ھ میں واقع ہوئی۔ اسمٰعیلی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنے بیٹے موسیٰ کاظم کے حق میں وصیت جانشینی کی تھی اور اسماعیل نے بھی روپوش رہتے ہوئے تسلیم کر لی تھی۔ ابوالخطاب ۱۳۸ھ مطابق ۷۵۵ء میں مارا گیا۔ ظاہر ہے کہ تمام واقعات امام جعفر صادق کی زندگی ہی میں رونما ہوتے۔ ان واقعات کی حقیقت صرف اتنی ہے اور بالکل صاف اور سیدھی سادی ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ اموی تھے اور حضرت علیؓ ہاشمی۔ اور دونوں قبیلے حریفانہ جدوجہد میں سرگرم عمل تھے۔ اول دو خلافتوں کے دور میں دبے رہے مگر جب حضرت عثمانؓ نے عنان خلافت سنبھال لی تو بنو ہاشم کو حریف قبیلہ کا اقتدار ناگوار گزرا۔ اس لئے دو سیاسی فریق پیدا ہو گئے۔ ایک طرف داران علی تھا جو بعد میں شیعان علی کہلاتے۔ جب تک اس فریق میں اکثریت عرب کی تھی یہ خالص سیاسی ہی رہا۔ اور کبھی کوئی مذہبی مباحثہ دربارہ اختلاف اعتقاد نہ ہوا۔ لیکن جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوتے اور کوفہ میں دارالخلافت منتقل ہو گیا تو عجمی عنصر غالب آیا۔ عرب اور عجم کے حالات مختلف تھے۔ عرب حاکم اور عجمی محکوم تھے۔ ابتدا میں تو اس کا احساس شدید نہ تھا۔ لیکن بنو امیہ کے دور دورہ میں عرب نے اپنے لئے ایک خاص امتیازی شان حکومت پیدا کر لی تو عجمی اس

Marfat.com

ذلت محکومی کو برداشت نہ کر سکے۔ "مواخاۃ" عرب میں تھی اور "موالات" عجم میں۔ عرب تو بھائی بھائی تھے اور عجمی مسلمان دوست، اسلام نے عرب و عجم کو ملا دیا تھا مگر عرب ہر ایک عجمی کو "مولیٰ" ہی کہتے۔ بعد میں جو بھی فرقہ پیدا ہوا وہ انہی عجمی موالی سے منسوب ہے۔ یہ کسی نہ کسی عربی قبیلہ سے وابستہ تھے۔ اس وقت خلافت امویہ تمام دنیائے اسلام پر چھائی ہوئی تھی اور موالی اسی حکومت کے خلاف تھے۔ ان کو ایک شکایت یہ تھی کہ ان سے حکومت حسب ارشاد قرآن (انما المومنون اخوۃ) برادرانہ سلوک نہیں کرتی۔ دوسرے عجمی ذہنیت میں شخصیت پرستی نمایاں ہے۔ حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد سے وابستگی اسی شکایت اور عقیدت نے پیدا کر دی۔ ان کے علاوہ ایک اور ایرانی فریق بھی تھا۔ اس میں زیادہ تر ایرانی زرتشتی اور مانوی اور مزدکی وغیرہم کے پیشوا دین شامل تھے۔ جیسے ہمارے ہندوستان میں برہمن ہیں۔ اسلام نے ان کے مذاہب کو مٹا دیا تھا۔ مگر اس آتشکدہ کی آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ یہ بظاہر مسلمان تو ہو گئے مگر "ژندواستا" ان کے دلوں میں رچا ہوا تھا۔ یہی لوگ مسلمانی لباس میں زندیق تھے۔ انہی کے زیر اثر عجمی عقیدت جو "اہل بیت" سے تھی اسی عقیدہ میں ظاہر ہوئی جو ان کا اپنے اوتاروں اور دیوتاؤں سے تھا۔

مختار ثقفی نے کوشش کی کہ امام علی اصغر زین العابدین کو اپنے ڈھب پر لائے جب اس طرف سے مایوس ہوا تو عبداللہ بن زبیر کی طرف رجوع کیا۔ جب آپ سے نہ بنی تو محمد حنفیہ کا داعی بنا۔ اسی طرح ابوالخطاب نے امام محمد باقر اور آپ کے بعد امام جعفر صادق کو اکسایا۔ مگر یہ اپنے اپنے جد حضرت زین العابدین کی سنت پر چلتے رہے۔ اور سیاسیات سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ چونکہ ان کی روش ابوالخطاب کے خلاف تھی۔ اس نے امام ممدوح کے بیٹے اسمٰعیل کو گانٹھا۔ امام "صامت" اور یہ "ناطق" تھا۔ یہ بالکل ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ نوجوان اسمٰعیل اس کے چکمے میں آ گیا۔ امام جعفر صادق اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔ اس لئے بیٹے کو عاق اور ابوالخطاب کو مردود قرار دیا۔

Marfat.com

اس وقت خلافت عباسیہ قائم ہو چکی تھی۔ عبداللہ السفاح کے بعد اس کا بھائی ابو جعفر منصور خلیفہ تھا۔ یہ امر واقعہ کہ امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیاسیات سے بالکل الگ رہے اور اس کا علم عباسیوں کو بھی تھا اور چاہتے تھے کہ آپ کی اولاد بھی اس میں نہ الجھے۔ مگر ابوالخطاب نے اسمٰعیل کو پھانس ہی لیا۔ جب امام صاحب کو اس کا علم ہوا تو ابوالخطاب کو دھتکار دیا۔ اس کا جو کچھ انجام ہونا تھا وہ ہوا مگر اسمٰعیل کی نسبت معلوم نہ ہو سکا کہ ابوالخطاب کے بعد اس پر کیا گزری۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اس خیال سے کہ اس کی سیاسی سرگرمی کہیں تمام خاندان پر مصیبت نازل نہ کرے، گھر سے نکال دیا۔ اسماعیلی روایت کے مطابق آپ روپوش رہے اور اثنا عشری روایات کے مطابق باپ کی زندگی میں فوت ہو گئے۔

ابوالخطاب کے شاگردوں میں سے ایک شخص میمون المعروف القداح تھا اور دوسرا مفضل دونوں ایک ایک فرقہ کے بانی ہوئے۔ مفضل بھی ابوالخطاب کے نقش قدم پر چلا۔ ابوالخطاب کے بعد فرقہ خطابیہ سرگرم عمل رہا۔ اس کی سرپرستی مفضل بن عمر کر رہا تھا۔ اور اسمٰعیل کے ساتھ گاڑھی چھن رہی تھی۔ امام صاحب کو معلوم ہوا تو مفضل پر برس پڑے اور فرمایا کہ

"او کافر، او مشرک، تجھ میں اور میرے بیٹے میں کیا امر مشترک ہے کیا تو چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو گمراہ کرے اور ہلاک کرے۔"

یہ واقعہ "کشی" نے لکھا ہے۔ امام صاحب کا اشارہ ایک تو فرقہ خطابیہ کے عقاید اور دوسرے سیاسی سرگرمی کی طرف ہے۔

امام صاحب کی وفات کے بعد امام موسیٰ کاظم آپ کا جانشین ہوا۔ اور باپ کی طرح سیاسیات سے الگ رہا۔ منصور اور مہدی اور ہادی اور ہارون الرشید عباسی خلفاء کا عہد پایا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ دوازدہ امام سیاسیات سے الگ ہی رہے۔ مگر اسماعیلی شاخ سیاسیات میں الجھی رہی۔ امام جعفر صادق کی وفات کے بعد ابوالخطاب کے شاگرد رشید نے محمد بن اسمٰعیل کو گانٹھ لیا۔ اور طبرستان کی طرف

Marfat.com

دونوں چلے گئے۔ یہ شخص میمون القداح کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے حسب و نسب میں ایک نیا شاخسانہ نکالا۔ اور یہ پختہ عقیدہ فرقہ خطابیہ اور اس کی تمام شاخوں کا ہے کہ بیٹا حقیقی روحانی ہے نہ کہ جسمانی۔ جسمانی تو ایک مرد اور عورت کے نکاح کا نتیجہ ہے۔ لیکن ایک معلم جو ایک شاگرد کی تعلیم و تربیت کرتا ہے اس پرورش سے زیادہ قدر و قیمت رکھتی ہے جو بہائم بھی اپنے بچوں کی کرتے ہیں۔

خود حضرت ابراهیمؑ نے کہا کہ

"فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم" (۱۳/۱۸)

"جو (میری ذریت ہے) میرا اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہے اور جو نافرمانی کرے گا تو بخشنے والا مہربان ہے"۔

معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کا حقیقی بیٹا وہی ہے جو آپ کا اتباع کرے یعنی آپ کی تعلیم و تربیت کے تحت موحد ہو۔ اور حضرت نوح نے کہا کہ

"رب ان ابنی من اھلی وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین قال ینوح انہ لیس من اھلک، انہ عمل غیر صالح، فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم، انی اعظک ان تکون من الجٰھلین۔" (۱۲/۴)

"نوح نے فریاد کی کہ اے میرے پروردگار یہ میرا بیٹا میرے اہل سے ہے (جو غرق ہو رہا ہے) اور تیرا وعدہ سچا ہے تو بہتر حکم کرنے والا ہے۔ جواب دیا کہ اے نوح تحقیق یہ تیرے اہل ہی سے نہیں، تحقیق اس کا عمل غیر صالح ہے تو ایسی بات کی نسبت مت پوچھ جس کا تجھے علم نہیں۔ تحقیق میں تجھے نصیحت کرتا ہے (کہ اس بارہ میں زیادہ نہ پوچھ) ایسا نہ ہو کہ تو جاہل بنے"۔

نوح کا بیٹا اگرچہ جسم کے لحاظ سے تھا مگر جب نوح کا اتباع نہ کیا تو نوح کے اہل میں سے نہ رہا۔ اور قرآن میں ہے کہ "ملۃ ابیکم ابراھیم" یہ ملت (اسلام) تمہارے باپ ابراہیمؑ کا ہے۔ یعنی تعلیمی باپ کا نہ کہ جسمانی باپ کا۔

نصیر الدین طوسی کا تعلق فرقہ اسماعیلیہ سے ہے وہ لکھتا ہے کہ

"امام کی اولاد چار قسم کی ہے۔ ایک روحانی یا "درمعنی" جیسے سلمان فارسی کہ آنحضرت ؐ نے اس کے بارہ میں فرمایا کہ سلیمان من اھل بیتی۔" دوسرے جسمانی یا "شکل"۔ تیسرے روحانی اور جسمانی جیسے حسن رض۔ چوتھے جسمانی اور روحانی اور "درحقیقت" جیسے امام حسین رض"۔

رشید الدین ایرانی مورخ کہتا ہے کہ

"جعفر صادق نے اسمٰعیل کے بیٹے محمد یعنی اپنے پوتے کو میمون القداح کے پاس طبرستان میں بھیج دیا۔ میمون کا ایک بیٹا عبد اللہ تھا اس نے محمد کی تربیت میں دیا۔ اور عبد اللہ کو محمد بن اسماعیل کا بیٹا مشہور کیا کہ وہ محمد بن اسماعیل کا ولی عہد ہے۔ جب عبد اللہ سترہ برس کا ہوا تو میمون نے اس کی امامت کا اعلان کر دیا اور کسی شیعہ نے اعتراض نہ کیا۔ اس طرح خلفاء بنو فاطمہ اگرچہ بنو القداح تھے مگر بنو فاطمہ ہی کہلائے۔ یہی وجہ ہے کہ فرقہ اثنا عشریہ اور سنیوں نے ان کو بنو فاطمہ تسلیم نہیں کیا۔ عضد الدولہ دیلمی جب بغداد میں خلافت عباسیہ پر چھا گیا تو اس نے فاطمی خلیفہ العزیز کو لکھا تھا کہ اپنا حسب نسب ثابت کرو۔ عضد الدولہ شیعہ امامیہ تھا۔ اسی نے سب سے پہلے مجالس عزا اور علانیہ ماتمی جلوس اور تبرا اور سب کو رواج دیا جس کو بعد از ان صفوی خاندان نے راج دھرم قرار دیا۔

اسماعیلی عقاید کے مطابق امامت دو قسم کی ہے۔ ایک امام "مستودع" اور دوسرا امام "مستقر"۔ دونوں کو امامت کے پورے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ مگر امام مستودع ان اختیارات کو اپنی اولاد میں وراثتاً منتقل کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ لیکن امام "مستقر" کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جسے چاہے امامت کے اختیارات بذریعہ وصیت سونپ دے۔ امام مستودع کے پاس امامت بطور "ودیعت" یا امانت ہوتی ہے۔ اصل مستحق امامت امام مستقر ہی ہوتا ہے۔ امام مستقر ہی امامت

Marfat.com

کسی امام مستودع کو "تفویض" کر سکتا ہے۔ تفویض کا اختیار امام مستودع کو حاصل نہیں۔ اس عقیدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تمام خلفاء بنو فاطمہ "من ولد القداح" ہی تھے۔ یہ ممکن ہے کہ ابتدائی خلفاء قداح کی نسل سے ہوں جو صرف امام مستودع تھے۔ چونکہ یہ لوگ نہایت رازداری سے کام لیتے تھے اور آج تک لے رہے ہیں۔ اس لئے بیرونی دنیا کو ان کے رازدرون پردہ کا علم نہ ہو سکا مگر ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ کون صحیح النسب فاطمی ہے اور کون قداحی یا کسی دوسرے امام مستودع کی نسل سے۔ ان لوگوں کو ضرورتاً امام ناطق اور امام صامت، امام غائب اور امام ظاہر اور امام مستودع و مستقر کی اصطلاحات اختراع کرنی پڑیں۔ اس لئے ان تمام مذہبی تحریکات کی تہ میں سیاسی اغراض کارفرما تھیں۔ اس وقت بنو عباس کے ہاتھ میں عنان حکومت تھی۔ ان کی کڑی نگرانی بنو فاطمہ اور علویوں پر تھی۔ یہ بھی دعویدار خلافت ایسے ہی تھے، جیسے بنو عباس۔ بلکہ بنو فاطمہ اپنا حق فائق سمجھتے تھے۔ نفس ذکیہ اور منصور عباسی میں جو خط و کتابت دربارہ حق خلافت ہوئی اس کا تعلق تاریخ خلافت اسلامیہ سے ہے اور ہم نے اس کا مذکور علیحدہ کیا ہے۔

طرف دار بلکہ جاں نثاران بنو فاطمہ نے یہ مناسب سمجھا کہ اولاد علیؓ بالخصوص بنو فاطمہ کی جانوں کی حفاظت کی جائے۔ اس لئے جب تک عباسیوں کا زور رہا ان کو چھپائے رکھا۔ اور یہ "غائب" کہلائے اور علانیہ خود امامت کے فرائض امام غائبؑ کی زیر ہدایت انجام دیتے رہے۔ یہ بھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ فاطمی ہیں یا خطابی یا قداحی۔ وہ بھی اپنے آپ کو بنو فاطمہ کہتے اور لوگ بھی یہی سمجھتے رہے۔ اس طرح وہ اپنی جانیں بنو فاطمہ پر قربان کرتے رہے۔ ان کے لئے یہ بڑی فخر کی بات تھی کہ وہ کسی امام مستقر کے "ابن" یا "ابو" ہیں۔

تبنیت رسم تبنیت" بہت پرانی ہے اور اہم آریہ دسامیہ میں تسلیم کی گئی ہے۔ ہمارے ہندوستان میں اب بھی یہ دھرم شاستر کی رو سے نہ صرف جائز ہے بلکہ ہر ایک شخص کے لئے جس کی اولاد نرینہ نہ ہو واجب ہے کہ کسی شخص کو

اپنا "متبنٰے" بنائے۔ جو اس کے وفات کے بعد اس کی "کریاکرم" کرے۔ ورنہ وہ "سورگ" میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک درخت میں کسی دوسرے درخت کی شاخ پیوند کی جائے۔ اصل درخت اس شاخ کی پرورش کرتا ہے۔ اس اصل درخت کی تمام اپنی شاخیں کاٹ دی جاتی ہیں اور یہی پیوندی شاخ باقی رہ جاتی ہے۔ پرورش پاتی اور پھل لاتی ہے۔

ایام جاہلیت یا ازمنہ تاریک میں ہر ایک خاندان اور ہر ایک قبیلہ اور قوم کی قوت کا اندازہ اس کی کثرت نفوس پر کیا جاتا۔ اس لئے یہ تقاضائے حالات تھا کہ "تبنیت" ایک مذہبی فریضہ قرار دیا گیا۔ بلکہ اس ضرورت کا احساس اس شدت کا تھا کہ "نیوگ" بھی کار ثواب سمجھا گیا۔ غرض یہ تھی کہ اگر کوئی شخص خود اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو۔ تو دوسروں سے یہ "دان" لے۔ یہ اولاد جو بذریعہ تبنیت یا نیوگ حاصل کی جاتی اس شخص کی اولاد کہلاتی جس نے حاصل کی ہے اور اسی کی نسل کہلاتی۔ اور اب بھی کہلاتی ہے۔ یہ جائز نہیں کہ اس اولاد کو اس کے اصل باپ کے نام سے پکارا جائے۔ وہ اصل باپ سے بالکل قطع تعلق کر چکا ہے۔ اور اس کا وارث بھی نہیں۔ وارث اسی کا ہے جس کا نہ متبنی ہے۔

اس رسم "تبنیت" کا مذکور توراۃ (کتاب پیدائش) میں بھی ہے۔ رسم یہ تھی کہ اگر ایک بھائی بے اولاد فوت ہو جائے تو دوسرے بھائی کا فرض ہے کہ اپنے بھائی کی زوجہ سے اپنے متوفی بھائی کے لئے اولاد پیدا کرے تاکہ متوفی کا نام زندہ رہے۔ یہ اولاد جو اس کی بھاوجہ کے بطن سے ہو گی متوفی بھائی کی کہلائے گی۔ لیکن اس طرح صحیح حسب و نسب قائم نہیں رہتا۔

ایران میں بھی یہ رسم قدیم الایام سے جاری تھی۔ ہندوستانی نیوگ کی مثل وہ رسم بھی تھی جس کو "متعہ" کہتے ہیں۔ ہمسایہ ملک عرب میں بھی متعہ کا رواج ہو چکا تھا۔ قوم آریہ میں نہ صرف ہر ایک شخص کا صاحب اولاد ہونا واجب ہے بلکہ یہ بھی پسندیدہ امر تھا کہ اولاد تنومند اور خوبصورت ہو۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح اچھی نسل کے سانڈ سے اولاد

Marfat.com

حاصل کی جاتی ہے ۔ ہندوستان میں اس غرض کے لئے ایک جماعت نے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ یہ مجرد سادھو تھے ۔ اور اب بھی ہیں ۔ حکیم مزدک نے ایران میں اس رسم کو نمایاں کیا۔ شہنشاہ قباد نے اسے راج دھرم قرار دیا لیکن اس کے بیٹے نوشیروان نے حکیم بوزرجمہر کے مشورہ سے مزدک کو قتل کیا اور یہ رسم قانوناً ممنوع قرار دی۔

تبنیت کی رسم عرب میں بھی جاری تھی ۔ چنانچہ بعثت سے پیشتر آنحضرتؐ نے زید کو اپنا متبنی بنا لیا تھا۔ اور سب لوگ زید کو ابن محمدؐ کہتے ۔ دستور یہ تھا کہ بیٹا خواہ حقیقی صلبی ہو یا متبنی اس کی زوجہ مطلقہ ہو یا بیوہ کا عقد نکاح اس شخص سے ناجائز تھا جو باپ حقیقی یا مصنوعی ہو۔ بعثت کے بعد قرآن حکیم نے اس رسم تبنیت کو ناجائز قرار دیا۔ سورہ نساء میں واضح الفاظ میں بتایا گیا کہ

وہی عورت حرام ہے جو صلبی بیٹے کی ہو

سورہ احزاب میں زید ہی کی مثال پیش کرتے ہوئے بتایا گیا کہ تمہارے بیٹے وہی ہیں جو تمہارے صلب سے ہیں ۔ تبنیت بالکل غیر فطری رسم ہے۔ سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے ۔ جو تعلق فطرۃً اپنے حقیقی بیٹے سے ممکن ہے وہ غیر شخص کی اولاد سے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے خواہ بغرض پرورش یا تعلیم و تربیت تم ان کی سرپرستی قبول کرو۔ تو ان کو ان کے حقیقی باپوں کے نام سے پکارو اور اگر معلوم نہ ہوں تو وہ تمہارے "اخوان فی الدین" ہیں ۔

"احسان" بلاشبہ مذہبی فریضہ ہے لیکن اصلی وارث اصلی اولاد ہی ہے۔

"ماکان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" (۳۳/۴۰)

"محمدؐ تم میں سے کسی شخص کا باپ نہیں لیکن وہ اللہ کا رسول اور خاتم النبیین ہے"

اگر کوئی شخص بلحاظ تعلیم و تربیت کسی کا باپ ہوتا تو آنحضرتؐ کا زیادہ حق تھا کہ وہ

امت مسلمہ کے باپ کہلاتے تھے۔ جبکہ واضح الفاظ میں ارشاد قرآن ہے کہ

"رسولاً منکم یتلوا علیکم ایتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون" (پ ۲)

"یہ معزز رسول جو تم میں سے مبعوث کیا گیا ہے۔ تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے۔ اور تم کو پاک بناتا ہے اور کتاب کی تعلیم اور حکمت سکھاتا ہے اور وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے"

ان نصوص قرآنی کے ہوتے کسی معلم کو باپ کہنا اور اپنی نسل کو اس سے منسوب کرنا گمراہی ہے۔ نسل تو حقیقی باپ سے ہی جاری رہتی ہے۔ اور یہ فطرت کا تقاضا ہے۔ تبنیت بلاشبہ خلاف فطرت رسم ہے۔ اب ہم ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جو فرقہ خطابیہ و میمونیہ و اسماعیلیہ نے آیات قرآن سے اخذ کی ہیں

آیہ "ملۃ ابیکم ابراھیم" کا خطاب ذریت ابراہیم ہی سے ہے۔ قرآن کے اسلوب بیان سے واضح ہوتا ہے کہ جب وہ اہل کتاب کو مخاطب کرتا ہے تو اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس کوئی صحیفہ آسمانی ہے۔ بالخصوص یہود و نصاریٰ

جب "یا ایہا الذین امنوا" سے خطاب فرماتا ہے تو مخاطب صرف مسلمان ہیں جو آنحضرتؐ کی رسالت پر ایمان لا چکے ہیں۔ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل دونوں ذریت ابراہیمؑ ہیں۔ آیت زیر بحث کا خطاب انہی سے ہے۔ جن کے دل میں اپنے مورث اعلیٰ کا احترام ہے۔ اور وہی اس آیت سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ جن اقوام کو حضرت ابراہیمؑ سے کوئی نسلی تعلق نہیں ان کو یہ کہنا کہ اسلام تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت ہے بے فائدہ اور بے معنی ہے

حضرت نوحؑ کا یہ کہنا کہ یہ میرا بیٹا اور اہل ہے حقیقت کے خلاف تھا ارشاد قرآن ہے کہ

"ضرب اللہ مثلاً للذین کفروا امرات نوح وامرات لوط کانت تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتھما فلم یغنیا عنھما من اللہ

Marfat.com

شیئاً وقیل ادخلا النار مع الداخلین ۔ (۱۲ ۲۸)

" ان لوگوں کے لئے جو کافر ہوئے اللہ مثال بیان فرماتا ہے نوح کی عورت کی اور لوط کی عورت کی کہ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے تحت تھیں ۔ تو دونوں نے خیانت کی تو وہ اللہ کے عذاب کو اپنے آپ سے کچھ بھی دفع نہ کر سکیں ان کو کہا کہ آگ میں اوروں کے ساتھ جو داخل ہو رہے ہیں تم بھی داخل ہو جاؤ "

قرآن میں بہ تعلق زن و شوئی مرد اور عورت کو اپنی فروج کی حفاظت کا حکم دیا گیا ۔ اور عورت پر تو مرد کا اتنا ہی حق ہے کہ وہ کسی غیر مرد کے پاس نہ جائے ۔ مرد پر بہت کچھ ذمہ داری اس کے علاوہ بھی ہے ۔ اس تعلق کے ہوتے ہوئے عورت خائنہ اسی صورت میں ہوگی اگر اس کا چلن اچھا نہ ہو ۔ اس لئے ظاہر ہے کہ جسے حضرت نوح محض حسن ظن کی بنا پر اپنا بیٹا سمجھتے تھے آپ کا بیٹا نہ تھا ۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ تجھے اس حقیقت کا علم نہیں ۔

رہا یہ سوال کہ وہ حضرت نوح کا اہل تھا کہ نہیں ؟ اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو بحیثیت بیٹا ہونے کے اور دوسرے بلحاظ اتباع ۔

بیٹا تو وہ تھا ہی نہیں اس لئے اس لحاظ سے وہ اہل نہ تھا ۔ آیت قرآنی کا یہ مفہوم ہے کہ اگر اس کا عمل صالح ہوتا تو وہ بلا لحاظ اس امر کے وہ تیرا بیٹا نہ تھا پھر بھی بچ جاتا ۔ چونکہ اس کا عمل غیر صالح تھا اس لئے بچ نہ سکا ۔

سید

اس "تبنیت" نے ایک اور سخت الجھن پیدا کر دی ۔ امام "مستودع" خود تو اسماعیلی عقاید کے مطابق امام اس وقت تک ہے جب تک اپنے فرائض "ودیعت" ادا کرتا ہے لیکن اس کی اولاد امام نہیں کہلائے گی ۔ اسکی اولاد کے لئے ایک اصطلاح "سید" وضع کی گئی ۔ یعنی اس کی اولاد سید کہلائے گی نہ کہ "امام" ۔

ہمدانی نے چند اسمٰعیلی کتابوں کا حوالہ دیا ہے جس میں ایک "کلام پیر" بھی ہے ۔ اس

Marfat.com

میں اس اصطلاح کی تشریح کی گئی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں اکثر خاندان اپنے آپ کو سید کہتے ہیں کیا وہ درا صل بنو فاطمہ ہیں؟

ناصر خسرو اپنے سفر نامہ میں بحرین کے قرامطہ کا ذکر کرتا ہے۔ ناصر خسرو خود بھی علوی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں برسرِ اقتدار اپنے آپ کو سید کہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس اصطلاح کو ان ایام میں وہ اہمیت حاصل نہ تھی جو اب سمجھی جاتی ہے یہ لوگ نہ بنو فاطمہ تھے اور نہ اپنے آپ کو کہتے اور نہ سمجھے جاتے۔ یہ تمام خرابی اسی تبنیت اور ان اصطلاحات موضوعہ کی ہے کہ آج کسی کا صحیح نسب دریافت کرنا مشکل ہو گیا۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ بنو فاطمہ اپنے آپ کو "امام" ہی کہتے رہے۔ سید غیر بنو فاطمہ ان کے نائب یا داعی تھے۔

قرامطہ

فرقوں کا نام بنام شمار کرنا بے فائدہ طوالت ہے۔ ان کے حالات اب صرف تاریخ کے صفحات پر رہ گئے ہیں۔ ان میں سے اکثر ختم ہو چکے ہیں اور زمانہ ان کو فراموش کر چکا ہے۔ ہم صرف چند مشہور فرقوں کے حالات لکھتے ہیں جنھوں نے کچھ عرصہ خوب ہڑبونگ مچائی۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ امام جعفر صادق کی وفات کے بعد شیعان دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک تو اسمٰعیل اور محمد بن اسمٰعیل کو امام تسلیم کرتا ہے۔ اور دوسرا امام جعفر کے بیٹے موسیٰ کاظم کو۔

اسماعیلی یہ کہتے ہیں کہ اسماعیل امام صاحب کی زندگی میں فوت نہیں ہوا۔ بلکہ دشمنوں کے خوف سے امام صاحب نے اسے چھپائے رکھا۔ اور اس کی وفات مشتہر کی۔

امامیہ اثنا عشریہ یہ کہتے ہیں کہ اسمٰعیل فوت ہو چکا تھا اور امام صاحب نے اپنا جانشین موسیٰ کاظم کو نامزد فرمایا۔

یہ اسماعیلی بھی بعد ازاں دو فرقوں میں تقسیم ہوتے۔ ایک تو خالص اسماعیلیہ

Marfat.com

کہلایا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اسمٰعیل فوت نہیں ہوا لیکن "غائب" ہے۔ اور وہ "قائم منتظر" ہے۔ اور کسی وقت اس کا ظہور ہوگا۔

دوسرا فرقہ محمد بن اسمٰعیل کو امام تسلیم کرتا ہے اور اسمٰعیل کی وفات کا قائل ہے اس فرقہ کو مبارکیہ" کہتے ہیں۔ مبارک ایک شخص اسمٰعیل کا "مولیٰ" تھا۔ فرقہ خطابیہ بھی اس سے ملحق ہو گیا۔ پھر یہ فرقہ بھی کئی فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ ان میں سے ایک" قرمطہ" ہے۔ جو اسی نام کے ایک شخص سے منسوب ہے۔ قرامطیہ کا زور عباسی خلفاء المکتفی اور المقتدر کے عہد میں رہا۔

الاحساء سے ایک" شخص قرمطی سلیمان ابن الحسن نے خروج کیا۔ اس نے حجاج مکہ پر حملہ کیا اور عین اس وقت جب وہ طواف کعبہ میں مشغول تھے۔ لاشیں چاہ زمزم میں پھینک دیں۔ اس کا مقابلہ کئی دفعہ عباسی سپاہ سے ہوا اور اکثر کامیاب رہا۔ آخر ایک لڑائی میں شکست کھا کر بحرین کی طرف بھاگا۔ یہاں ایک عورت نے اسے پتھر مار کر ہلاک کر دیا۔

قرمطی شمالی افریقہ اور عرب اور عراق کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے چونکہ قرمطی حجر اسود بھی اکھاڑ کرلے گئے تھے اور حجاج کا راستہ بھی بند کر رکھا تھا اس لئے دنیائے اسلام میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ اسمٰعیلی عبیداللہ المہدی شمالی افریقہ میں اپنی سلطنت قائم کر چکا تھا۔ جب اسے اطلاع ہوئی تو بہت برافروختہ ہوا۔ قرمطی اس کے داعی تھے اور بنو فاطمہ کے نام پر شمالی افریقہ میں سلطنت مستحکم کر چکے تھے عبیداللہ کے حکم کے مطابق قرمطیوں نے حجر اسود قاضی نیشاپور کے حوالے کر دیا جس نے پھر سے کعبہ میں نصب کر دیا۔ یہ واقعہ ۳۲۹ھ کا ہے۔

بحرین میں قرامطہ کا بہت زور رہا۔ یمن پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔ اور عراق میں عرصہ تک قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔ خوارزم اور غزنی میں بھی قرامطیہ یا باطنیہ کا طوطی کچھ عرصہ بولتا رہا۔ ملتان واقع پنجاب تو ان کا گڑھ تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے ملتان کا قلع قمع کرنے کے لئے خاص اہتمام کیا۔ ہزاروں قرمطی مارے گئے۔ اگرچہ اس فرقہ

Marfat.com

کا نام لیوا اب کوئی نہیں مگر عقاید اہل ایران کے دل پر نقش ہو گئے کہ ہمارے زمانہ میں بھی بابی اور بہائی تحریک نے انہیں پھر [illegible] کر دیا۔

شہرستانی لکھتا ہے کہ

> "فرقہ باطنیہ کے بہت سے لقب ہیں۔ عراق میں ان کو باطنیہ اور قرامطہ اور مزدکیہ کہتے ہیں۔ خراسان میں تعلیمیہ اور ملحدہ۔ لیکن وہ اپنے آپ کو اسماعیلیہ ہی کہتے۔"

امر واقعہ بھی یہی ہے کہ قرامطی اور صباحی جو حسن بن صباح سے منسوب ہے اسماعیلیہ داعی ہی تھے۔ اور تمام دنیائے اسلام میں ان کے داعی اور مبلغ پھیلے ہوئے تھے اور ہر ایک جگہ اسی بہروپ میں ظاہر ہوتے جو اس جگہ کے ذہنی حالات کے مناسب سمجھتے۔ ہمارے زمانہ میں ہز ہائی نس محمد المعروف آغا خان بالقابہ اب اس فرقہ کی قیادت کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں تو آپ کو خدا سمجھ کر آپ کے معتقدین پوجتے ہیں یہ سب خوجے ہیں۔ ملتان ابھی تک ان کا خاص مرکزی شہر ہے یہ شمسی کہلاتے ہیں۔ یہاں ایک عالیشان روضہ شمس سبزواری کا ہے جو اسماعیلی تھے۔

اثنا عشریہ

فرقہ اثنا عشریہ بارہ اماموں کو تسلیم کرتے ہیں۔ جن کو اہل سنت والجماعت بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ ہم نے تحریر [illegible] کے امام بقید سنہ لکھ دیئے ہیں۔

یہ امر خاص قابل ذکر ہے کہ ان میں سے کبھی کسی نے سیاسیات سے حصہ نہیں لیا سوائے امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ تو دعویٰ خلافت سے دست بردار ہو گئے تھے۔ امام حسینؓ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ آپ نے خروج کیا اور کربلا میں شہید ہوئے تھے۔ جیسے کہ ابن خلدون سا مورخ اس واقعہ کا اشارۃً بھی بیان نہیں کرتا۔ یا تو وہ قابل ذکر اس لئے نہیں سمجھتا تھا کہ یہ واقعہ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے رونما نہیں ہوا اور اگر ہوا تو اس کی صورت اور اصلیت کچھ اور ہی تھی اور یہ بھی قابل ذکر نہیں۔

خود یہ امام سیاسیات سے الگ رہے۔ مگر ان کے متبعین نے ان کے حق خلافت ہی کو اپنے مذہب کا سنگ بنیاد بنایا۔ اگرچہ ہم نے تمام فرقوں کے حالات قلم بند نہیں کئے۔ چند مشہور فرقوں کے حالات سے واضح ہو گیا ہو گا کہ ان کے عقائد کی تہ میں سیاسی اغراض ہی کار فرما تھیں۔ "بغدادی" توان فرقوں کو یہ طعن کرتا ہے

کہ تم کہتے ہو کہ ابوبکر و عمر و عثمان نے حضرت علی کا حق خلافت غصب کیا۔ تمہارے بڑوں نے کیا کیا۔ اولاد علی کا حق امامت غصب کر کے خود امام بن بیٹھے اور اس پر دعوی محبت اہل بیت ہے۔ اسی طرح ایرانیوں نے کیا کیا۔ مانا کہ اول تین خلفاء نے حضرت علیؓ کا حق غصب کیا۔ تم نے بھی تو وہی کچھ کیا۔ ایران کے طول و عرض میں مذہب اثنا عشری راج دھرم ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ کسی صحیح نسب سید کو یہ غصب شدہ حق واپس دیتے۔ علی محمد باب سید تھا۔ اس کو ناصرالدین قاچار شاہ ایران کے عہد میں قتل کیا گیا۔ اس نے دعوی خلافت یا حکومت بھی نہیں کیا تھا۔ جن عقائد کا اظہار اس نے کیا تھا اس سے پیشتر اکثر شیعہ فرقوں کا یہی عقیدہ تھا کہ امام وقت مظہر الوہیت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب فرقے سیاسی تھے البتہ اپنا رنگ جمانے کے لئے مذہب کی آڑ لی۔ نادر شاہ اور ہمارے زمانہ میں رضا شاہ پہلوی نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور جو کچھ نقصان تمام دنیائے اسلام کو اس فرقہ بندی اور شر انگیز تفرقہ سے پہنچ رہا ہے ان پر منکشف تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ سنی اور شیعہ کا تنازعہ ختم ہو جائے مگر اہل غرض نے ختم نہ ہونے دیا۔ جبکہ اصولاً کوئی اختلاف نہیں تو "فروع" کو اتنی اہمیت کیوں دی جائے کہ اسلام کے لئے خطرہ ہو۔

شیعہ فرقے اور بھی بہت ہیں مگر ہم نے صرف انہی کا ذکر کیا ہے جنہوں نے تاریخ میں کچھ نام پیدا کیا۔ مناسب ہے کہ چند اور فرقوں کے مختصر حالات عام واقفیت کے لئے قلمبند کئے جائیں جن کا تعلق شیعہ سے ہے۔

Marfat.com

ہم بیان کر چکے ہیں کہ کوفہ ہمیشہ شورش کا مرکز رہا ہے۔ اور یہاں شیعان علی کی اکثریت تھی۔ ان میں غالب اکثریت نومسلم مجوسیوں کی تھی۔ دیوتا اور ملوک پرستی ایم آریہ کا امتیازی نشان رہا ہے اور یہ عقیدہ اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ آج تک محو نہ ہوا۔

ذمامیہ یہ ایک غالی فرقہ شیعہ ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ دراصل اللہ ہیں اور آپ نے محمدؐ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ لیکن محمدؐ نے رسالت کو اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ اور لوگوں کو اپنی رسالت کی دعوت دی۔ اسی فرقہ کی ایک شاخ کا یہ عقیدہ ہے کہ جبرئیل نے غلطی کی، علی کو چھوڑ کر محمدؐ پر وحی نازل کی۔

راوندیہ یہ فرقہ شیعان آل عباس ہے ان کا عقیدہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد امامت اولاد عباس کا حق ہے۔ یہ فرقہ عبداللہ راوندی سے منسوب ہے۔ اس فرقہ کی ایک شاخ عباس اور آپ کی اولاد کی الوہیت کی قائل ہے۔ ابو جعفر منصور خلیفہ عباسی کو ان سے جان بچانی مشکل ہو گئی تھی۔ ان کا ایک ہجوم کوفہ میں منصور کی زیارت اور پرستش کے لئے آیا۔ جب محافظ سپاہیوں نے مزاحمت کی تو حملہ کر دیا۔ وقت پر مدد پہنچ گئی ورنہ خدائے راوندیاں کی خیر نہ تھی۔

رجعیہ یہ فرقہ حضرت علیؓ کی رجعت کا قائل ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ آپ دوبارہ تشریف لائیں گے اور اپنے اور اپنے بیٹوں کے قاتلوں سے انتقام لیں گے۔

زیدیہ زیدیہ ان تمام فرقوں کا نام ہے۔ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین ابن حسینؓ کے بعد امام محمد باقر کی جگہ زید بن علی امام ہیں۔

زیدیہ فرقوں کا یہ عقیدہ ہے کہ امامت بنو فاطمہ کے لئے مخصوص ہے لیکن امام عالم اور زاہد اور شجاع اور سخی اور بعض کے نزدیک خوب صورت ہونا چاہیئے۔ یعنی بنو فاطمہ میں سے یہ اوصاف امام میں ہونے واجب ہیں یعنی نسباً اور وصفاً

Marfat.com

امام ہوں اور یہ بھی جائز قرار دیتے ہیں کہ بیک وقت دو امام ہوں مگر مکان دو ہوں۔ حضرت زید اور آپ کے بھائی امام محمد باقر میں اکثر مناظرات روایت ہوئے ہیں۔ جن کی صحت مشتبہ ہے۔ حضرت زید خلافت ابوبکر و عمر کو تسلیم کرتے تھے۔ شیعان علی آپ کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ آپ کنا سہ کو فہ میں مارے گئے۔

آپ کے بعد آپ کے بیٹا یحییٰ نے دعویٰ امامت کیا اور خراسان کی طرف چلا گیا۔ وہاں اکثر لوگ آپ کے معتقد ہو گئے۔ آپ کی وفات کے بعد امامت محمد اور ابراہیم میں منتقل ہو گئی۔ ان دونوں نے مدینہ سے خروج کیا مگر مارے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد زیدیہ فرقے امامیہ میں مدغم ہو گئے۔ اور شیعہ امامیہ کی طرح خلفاء ثلاثہ پر طعن کرنے لگے۔ چونکہ ابتدا میں زیدیہ خلافت ابوبکر و عمر تسلیم کرتے تھے۔ اس لئے شیعہ امامیہ ان کو "رافضہ" کہنے لگے۔ مگر بعد میں یہ نام اہل سنت والجماعت نے تمام شیعوں کے لئے تجویز کیا۔ شیعہ سنیوں کو "ناصبی" کہنے لگے۔

فرقہ زیدیہ اب یمن میں حکمران ہے۔ اور یہاں امام حضرت زیدؓ کی اولاد سے ہے۔ اور امام یمن کہلاتا ہے۔

فرقہ زیدیہ کے بھی بہت فرقے ہیں۔ ۱۹۰۰ تک امام یمن کا انتخاب ہوتا رہا اگرچہ انتخاب اولاد زید ہی میں محدود تھا۔ مگر امام میں وہ تمام اوصاف ہوتے جن کا مذکور ہو چکا ہے۔ امام اور اس کی رعایا ہمیشہ انگریزوں کے مخالف رہی ہے۔ اور انگریزوں نے بھی اس کو ممکن نقصان پہنچایا۔ یمن کی سلطنت کا کچھ حصہ اس کے حریف حکمرانوں کو دے دیا۔ اب امام کا انتخاب نہیں ہوتا۔ بلکہ امامت موروثی شخصی ہو گئی ہے۔ ایک فرقہ زیدیہ جو حال ہی کی پیداوار ہے یہ کہتا کہ حضرت علی نسبتاً امام یا خلیفہ نہ تھے بلکہ وصفاً تھے۔ نسبتاً تو اور بھی مستحق تھے اور عباسی دعویدار ہی تھے۔ ان لوگوں کی فقہ شافعی سے ملتی جلتی ہے۔ یہ فرقہ اہل سنت والجماعت کے اقرب ہے۔

ان تمام فرقوں کے عقاید سے واضح ہو گیا ہو گا کہ ان میں کم و بیش اہل تشیعہ

Marfat.com

اور اہل بدا اور رقیائے ثلاث رجعت اور تنا سخ ہیں اور یہ عقائد بالکل غیر اسلامی ہیں مگر ایران اور ہندوستان بلکہ تمام اہم آریا میں پائے جاتے ہیں۔ البتہ مسئلہ امامت اہم ہے۔ لیکن اس میں بھی شیعہ حضرات نے غلو سے کام لیا۔ اتنی بات ضرور ہے کہ تمام اسلامی فرقوں کا اس پر اتفاق ہے کہ امام صاحب کا وجود ہر ایک زمانہ میں ضرور ہونا چاہیے۔ خواہ وہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ مختلف مقامات میں ہوں مگر خوارج اور معتزلہ کے بعض فرقے امامت کے وجوب کے قائل نہیں۔ شیعہ امامت بہ نص کہتے ہیں۔ سنی اور معتزلہ اور خوارج امامت باختیار کے قائل ہیں۔ یہ سب بحث ہی فضول اور محض دماغی تعیش ہے۔

ہم اس موضوع پر مناسب بحث کر چکے ہیں۔

جہاں تک عقاید کا تعلق ہے اگر ہم سیاسیات سے الگ ہو کر جائزہ لیں تو معتزلہ اور فرقہ باطنیہ کی کچھ باتیں وقیع معلوم ہوتی ہیں۔ اگرچہ اصولاً یہ صحیح ہے کہ آیات متشابہات جو قرآن میں مذکور ہیں تاویل کی محتاج ہیں مگر ان کے ذہن میں اس اصل اصول کا تصور صاف صاف ممیز نہ تھا۔ باطنیہ تو سیاسیات میں الجھے ہوئے تھے اور معتزلہ پر فلسفہ یونانی اثر انداز ہو رہا تھا فلسفیوں کے اپنے نظریوں میں اختلاف ہے ہمیشہ سے رہا اور اب بھی ہے۔

اس موضوع پر ہم مناسب مقام پر بحث کریں گے۔

کرامیہ

ایک اور فرقہ جو "کرامیہ" کے نام سے مشہور ہے قابل ذکر ہے۔ چونکہ مورخین نے ان کو "غلات" میں جگہ دی ہے اس لئے ہم اس کا ذکر اسی مقام پر کرتے ہیں لیکن یہ سیاسی فرقہ نہ تھا، فلسفی تھا۔ اور مورخین نے اس کو "مرجئہ" کے تحت لکھا ہے۔ جو شیعہ بھی تھے اور خوارج بھی اور معتزلہ بھی۔

کرامیہ شیعہ تو نہ تھے۔ مگر فلسفی کہے جا سکتے ہیں۔ یہ فرقہ محمد بن عبداللہ کرام سے منسوب ہے۔ ابن اثیر اپنی تاریخ "الکامل" میں واقعات ۲۵۵ھ کے تحت لکھتا ہے کہ:۔

"اس سال محمد بن کرام بن عراف بن خزابہ بن البراء کا انتقال ہو گیا۔ اصل اس کی سجستان ہے۔ وہاں سے نکالا گیا تو غرجستان پہنچا۔ پانچ سال مکہ معظمہ میں مجاور رہا۔ اس کے بعد نیشاپور میں آیا۔ یہاں طاہر بن عبداللہ والئے خراسان نے قید و بند میں رکھا۔ رہائی کے بعد ۲۵۱ھ میں یروشلم میں چلا گیا۔ وہاں ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔ مالک بن ہروی اور علی بن حجر سے احادیث روایت کرتا تھا۔ دیگر اکابر سے بھی روایت کرتا ہے۔ خود زاہد اور عابد تھا۔ اس نے ایک کتاب "عذاب قبر" نامی لکھی۔ تصنیفات اور بھی ہیں لیکن مشہور یہی ہے اور یہ ممکن ہے کہ زندیقوں نے کچھ آپ لکھ کر اس کے نام سے منسوب کر دیا ہے۔"

ابو العباس سراج کہتا ہے کہ

"میں امام بخاری کے پاس بیٹھا تھا کہ قاصد ابن کرام کا نامہ لایا۔ اس میں ایک حدیث کی صحت کے متعلق استفسار تھا کہ ایمان[1] میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اور یہ حدیث زہری سالم سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتا۔

بخاری نے اس کی پشت پر لکھا کہ جو شخص یہ کہتا ہے سخت سزا اور حبس طویل کا سزاوار ہے۔"

---

[1] علامہ نسفی "عقاید" میں کرامی کے عقیدہ کی تائید کرتا ہے۔ کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اور امام شافعی کا مذہب بھی یہی ہے۔ تفتازانی شرح میں لکھتا ہے کہ نوعیت ایمان کم و بیش نہیں ہوتی۔ ایک شخص صاحب ایمان بھی بد اعمال ہو سکتا اور اچھے کام کرنے پر مجبور بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر ان کا قلب ایمان سے مطمئن ہے تو اللہ غفور رحیم ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۵۲ کے نیچے)

Marfat.com

ابن کرام کے عقیدہ کی نسبت ابن حبان لکھتا ہے کہ

"ایمان کے لئے ضرور نہیں کہ معرفت بھی ہو زبانی اقرار کافی ہے۔"

ابن حزم لکھتا ہے کہ

"ابن کرام کہتا ہے کہ اقرار باللسان کے لئے ایمان کی تنہا وقت کافی ہے اگر دل میں کفر ہو تو وہ مومن ہی ہے۔ اور اللہ کی نسبت اس کا عقیدہ یہ ہے کہ جوہر ہے جسمانی مگر ہمارے اجسام کی مثل نہیں۔"

ابن حجر عقلانی کہتا ہے کہ

"ابن کرام سجستانی عابد متکلم پیشوائے فرقہ کرامیہ ہے مگر بدعت کی وجہ سے اس کی حدیث متروک ہے اور حمید وجوئباری اور محمد بن تمیم سعدی سے اکثر روایت کرتا ہے جو دروغ گو تھے۔"

امام محمد بن اسلم طوسی کہتا ہے کہ

"تین باتوں سے بزرگ تر اور زشت تر آسمان پر کوئی بات نہیں پہنچی ایک فرعون کا دعویٰ کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ دوسرے شہر مریسی کا قول کہ قرآن مخلوق ہے۔ تیسرے ابن کرام کا عقیدہ کہ معرفت ایمان سے نہیں۔"

بغدادی اپنی کتاب "فرق بین الفرق" میں فرقہ کرامیہ کے عقائد پر بحث کرتے ہوئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۱) وہ آیات جن میں ایمان کی زیادتی مذکور ہے۔ امام ابو حنیفہ نے ان کی تفسیر یہ کی ہے کہ جب کوئی شخص مجمل ایمان رکھتا ہو تو ایک فرض کے بعد دوسرے فرض کی ادائیگی سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے۔ لیکن یہ زیادتی آنحضرت ؐ کے زمانہ کے لئے خاص تھی جب فرائض کلمہ بیک وقت منکشف نہ ہوئے تھے اب جبکہ فرائض تمام و کمال واضح ہو چکے ہیں۔ ان پر ایمان کم و بیش نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دین کلہم پر واضح ہو چکا ہے (باقی صفحہ ۱۵۳ کے نیچے)

Marfat.com

لکھتا ہے کہ

"ان کا عقیدہ معتزلہ سے بھی عجیب تر ہے کہ خدا تمام اجسام کو بیک وقت فنا کر سکتا ہے لیکن یہ نہیں کر سکتا کہ کچھ فنا ہوں جبکہ کچھ باقی رہیں۔"

کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ خدا کسی جسم کو فنا ہی نہیں کر سکتا۔ اور اس سے بھی عجیب تر عقیدہ ابن کرام کا یہ ہے کہ اللہ کا چونکہ جسم ہے اس لئے وزن بھی ہے۔ آیہ" اذا السماء انشقت" (۸۴: ۱) کی تفسیر یہ کی کہ خدا کے بوجھ کے دباؤ سے پھٹ جائے گا۔ ابن کرام کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ قدیم سے خالق، رب، رحمٰن، رحیم ہے۔ بلا مخلوق وغیرہ چونکہ اس کی صفت خلقیہ ہے وہ ہمیشہ سے خالق ہے اسی طرح دیگر اسماء و صفات ہیں۔ اللہ کا کلمہ تو قدیم ہے مگر" قول" یعنی کلمہ کا کہنا مخلوق ہے۔

عبد القاہر بغدادی لکھتا ہے کہ

"ایک کرامیہ سے میرا مناظرہ اسی موضوع پر ہوا۔ میں نے کہا کہ تم کہتے ہو" کلمہ" تو قوت گفتار ہے اور خاموش شخص خاموشی کی حالت میں بھی اس قابل ہے کہ گفتگو کرے اس لئے خاموشی بھی گفتار ہے۔ اس سے کوئی جواب بن نہ آیا۔"

دونوں فلسفی اور منطقی تھے۔ بات بالکل سیدھی سادی ہے۔ انسان حیوان ناطق ہے۔ قوت نطق اس میں موجود ہے خواہ وہ عرصہ دراز تک خاموش رہے۔ جب چاہے نطق کا اظہار بھی کر سکتا ہے۔ اسی طرح خالق ہے۔ وہ مجبور تو نہیں کہ خلق فرمائے جب چاہے خلق فرما سکتا ہے۔ ابن حزم نے اس موضوع پر بحث کی ہے جو ہم لکھ چکے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن کرام اپنا مفہوم مناسب لفظوں میں واضح نہ کر سکا اس لئے غلط فہمی پیدا ہوئی یا مخالفین نے پیدا کی۔ لیکن جب اس نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۲) اگر یہ تصادق تسلیم بھی کی جائے جو یہ ایمان کا ثمر ہے نہ کہ خود ایمان۔ مزید بحث مناسب مقام پر کی جائے گی۔

Marfat.com

بطور عقیدہ تسلیم کرایا کہ ذات باری تعالیٰ جسم ہے تو جسم کے ساتھ طول و عرض وغیرہ بھی ماننا پڑا۔ امر استوئی " علی العرش " استوی سے یہ عقیدہ اخذ کیا کہ شش جہت بھی ہیں۔ ایک جہت تو عرش سے ملی ہوئی ہے باقی پانچ غیر محدود ہیں۔

" امامت " کے بارے میں کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ بیک وقت دو امام بھی ہو سکتے ہیں خواہ ان میں جنگ و جدال بھی ہو۔ امیر معاویہ اور حضرت علیؑ دونوں امام برحق تھے۔ اور ان کے متبعین دونوں کی اطاعت پر مجبور تھے خواہ ان میں سے ایک غاصب اور دوسرا عادل تھا۔

کرامیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ سنت رسولؐ کے مطابق امام تھے مگر امیر معاویہ خلاف سنت تھے۔ بغدادی کہتا ہے کہ یہ عقیدہ بھی عجیب ہے کہ سنت کے خلاف اطاعت جائز ہے۔

قاضی ابوجعفر زوزنی کہتا ہے کہ

" کرامی عالم میرا مہمان تھا۔ نماز پیشین کے وقت وضو کیا اور رفع حاجت کے لئے بیت الخلاء میں گیا۔ ننگے پاؤں باہر آیا۔ میں نے کہا کہ وضو دوبارہ کرو۔ کہنے لگا کہ اے جاہل! علم سیکھ تاکہ لوگ تجھے جاہل نہ کہیں اور تیرا مضحکہ نہ اڑائیں۔ تو نہیں جانتا کہ خشک نجاست پر اگر پاؤں پڑے تو پلید نہیں ہوتا۔ اس کے بعد نماز میں مشغول ہوا دوران نماز میں مجھ سے کہا کہ کسی کو بازار میں بھیج تاکہ روئی خرید لائے وہ روئی کی خرید کے لئے آیا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ یہ کیا نماز ہے جو تو ادا کر رہا ہے؟ پھر رکوع میں گیا اور کہا " سبحٰن ربی العظیم "۔ جب پھر قیامت کی میں نے کہا کہ یہ کس مذہب میں جائز ہے کہ تو نماز میں بھی باتیں کرتا ہے۔ کہنے لگا کہ اے جاہل تجھے اتنا معلوم نہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں اور اگر ہو بھی تو کرامی کے نامہ اعمال میں نیکی ہی لکھی جاتی ہے اور جو کرامی نہیں اس کی ہر ایک بات گناہ ہے۔"

Marfat.com

سید ابو البرکات علوی کا مناظرہ ابوبکر بن اسحاق کرامی سے دربارہ امامت ابوبکر ہوا۔ اس نے کہا کہ

"ابوبکر کی امامت پر تو بے شمار براہین اور نصوص قرآنی ہیں۔ میں یزید بن معاویہ کی امامت نص قرآنی سے ثابت کر سکتا ہوں۔ اور تو حضرت علیؓ کا ایمان بھی ثابت نہیں کر سکے گا۔ میں نے کہا کہ تو کیسے یزید کی امامت ثابت کر سکتا ہے کہ اس نے فرزند رسولؐ کا خون ناحق کیا؟ کرامی نے کہا کہ غایت ما فی الباب یہی ہے کہ اس نے خون ناحق کیا لیکن یہ مانع امامت نہیں۔ پڑھ اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآن میں ہے کہ "میں آدم کو ارض میں خلیفہ بناتا ہوں"۔ ملائکہ نے تیری نمائندگی وہاں بھی کی اور کہا کہ:۔

اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء۔	کیا تو ایسے کو خلیفہ بناتا ہے جو زمین پر فساد برپا کریگا اور خونریزی کرے گا۔
ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک۔	ہم تیری حمد و ثنا کرتے ہیں اور تیری تقدیس بیان کرتے ہیں۔

اللہ نے فرمایا "انی اعلم ما لا تعلمون" کہ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اب بتا کہ یزید کی امامت بروئے نص صحیح ہے کہ نہیں؟ سید ابو البرکات نے کہا "کم بخت خوارج کا بھی یہ عقیدہ نہیں جو حضرت علی کو کافر کہتے ہیں"۔

—— ان اوراق کے مؤلف کو بھی ایسا ہی اتفاق ناملائم مناظرہ کا ہوا۔ فریق مخالف نے کہا کہ یزید کی خلافت نص قرآن سے ثابت شدہ ہے۔ اور یہ آیت پڑھی:۔

" الحمد للہ فاطر السموٰت والارض جاعل الملئکۃ رسلا اولی

Marfat.com

مثنیٰ وثلٰث وربٰع ، یزید فی الخلق ما یشاء ، ان اللہ علیٰ کل شئ قدیر ۔ (۳۵/۱)

" اللہ ہی کے لئے تمام حمد جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ۔ ملائکہ کو رسول بنایا ۔ جو دو تین ، چار دست و بازو والے ہیں اور پیدائش میں اس سے زیادہ بھی چاہے تو کرتا ہے ۔ تحقیق اللہ ہر ایک شے پر قادر ہے "۔

اس نے کہا کہ اللہ جب کسی شخص کو کامیاب بنانا چاہتا ہے تو اس کے دست و بازو ملکوتی صفت آدمی بنا دیتا ہے ۔ پہلے دو کا مذکور یہ ظاہر کرتا ہے کہ ابوبکر و عمر کا درجہ بہت بلند ہے "ثلٰث" سے مراد عثمان ہے ۔ اور ربٰع سے علی ۔ انہی پر بس نہیں "یزید" بھی ، دیکھو یزید کا خصوصیت سے نام لیا گیا ہے "۔

میری اس وقت نو عمری کا عالم تھا مجھ سے کچھ جواب نہ بن پڑا ۔

کرامیہ کے تین فرقے مشہور ہیں : "حقائقیہ" اور "طرائقیہ" اور "اسحاقیہ" ۔ ان کا باہمی مسائل پر اختلاف ہے ۔ مگر ایک دوسرے کا رد نہیں کرتا ۔ اور تمام دیگر مذاہب کا رد کرتے ہیں ۔ فرقہ کرامیہ کا تذکرہ ہر ایک مورخ نے کیا ہے ۔ اور بالخصوص اتنا تسلیم کیا ہے کہ اس فرقہ میں بلند پایہ عالم اور زاہد اور عابد گزرے ہیں ۔ سلطان سبکتگین والد سلطان محمود غزنوی کی نسبت کہتے ہیں کہ کرامی تھا ۔ سمعانی اپنی کتاب " الانساب " میں ابو یعقوب اسحٰق بن محمشاد کی نسبت لکھتا ہے کہ

" واعظ اور زاہد پیشوائے کرامیان تھا ۔ اور وہ بہت بڑا پارسا اور پرہیزگار آدمی تھا ۔ اس کے دست حق پرست پر پنج ہزار تن ۔ ۔ مرد مسلمان ہوئے شب پنج شنبہ وفات پائی اور شب جمعہ ۲۵ رجب ۳۸۳ھ نیشاپور میں مدفون ہوا "۔

حاکم " تاریخ نیشاپور میں لکھتا ہے کہ :-

"نمازِ جنازہ کے وقت میدان لوگوں کے ہجوم سے بھرا ہوا تھا۔ اور ہر ایک مذہب کے آدمی شریکِ جنازہ تھے۔"

سلطان غیاث الدین غوری اور تمام غوریوں کی نسبت ابن الاثیر نے تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ سب کرامی تھے۔ اور سلطان غیاث الدین کے دربار میں امام فخر الدین رازی کا مباحثہ قاضی مجد الدین ابن عبد المجید بن عمر معروف بہ ابن القدوۃ کیساتھ ہوا۔ دورانِ مباحثہ میں امام فخر الدین نے کچھ کلمات ناشائستہ نا ملائم کہے۔ اور فریقِ مخالف کو زندقہ اور مذہب فلاسفہ سے متہم کیا۔ دوسرے روز ابن قدوہ نے جامع مسجد میں دورانِ وعظ میں امام فخر الدین کی بدکلامی کا ذکر کرتے ہوئے زاری کی اور تمام کرامی جو مسجد میں حاضر تھے رونے لگے اور فیصلہ کیا کہ غور کو چھوڑ کر کہیں ہجرت کریں۔ سلطان کو معلوم ہوا تو منت و سماجت کی اور امام فخر الدین کو ہرات کی طرف نکالدیا

ماتریدیہ کرامیہ فرقہ کا خروج خراسان اور ماوراء النہر میں انتہا پر تھا اس کے مخالف ان مقامات پر فرقہ "ماتریدیہ" تھا۔ یہ فرقہ ابو منصور محمد بن محمود الحنفی المتکلم الماتریدی السمرقندی سے منسوب ہے جو سمرقند میں ۳۳۲ھ میں فوت ہوا۔ یہ شخص ابوالحسن الاشعری کا ہمعصر تھا۔ اسی کا ہمعصر طحاوی مصر میں ۳۳۱ھ میں فوت ہوا۔

"ماترید" سمرقند کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ ماتریدیہ اہلِ سنت والجماعت ہیں اس لئے اس مقام پر اس کا تذکرہ مناسب نہیں۔

اب ہم اپنے زمانہ کے شیعہ فرقوں کے حالات لکھتے ہیں:

شیخ احمد احسائی ہم بیان کر چکے ہیں کہ امام جعفر صادق کی وفات کے بعد شیعہ دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک فرقہ کا یہ عقیدہ تھا کہ امامت کا حق آپ کے بڑے بیٹے اسمٰعیل کا حق ہے اور اسمٰعیل کے بعد آپ کے بیٹے محمد کا۔ یہ فرقہ اسماعیلیہ کہلایا جس کے حالات ہم بیان کر چکے ہیں۔ دوسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ اسمٰعیل اپنے باپ امام جعفر صادق کی زندگی میں فوت ہو گیا تھا۔

Marfat.com

اس لئے امام نے اپنے دوسرے بیٹے موسیٰ کاظم کے حق میں امامت کی وصیت کی۔ یہ امامیہ اثنا عشریہ کہلاتے ہیں۔ اس فرقے کے حالات بھی ہم بیان کر چکے ہیں۔
فرقہ اسماعیلیہ کے نزدیک سات امام "غائب" ہیں۔

(۱) اسمٰعیل۔ (۲) محمد۔ (۳) احمد۔ (۴) عبداللہ۔ (۵) احمد۔ (۶) حسین۔
(۷) عبداللہ۔

فرقہ اثنا عشریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ بارھواں امام مہدی آخری امام تھا۔ جو روپوش ہو گیا۔ اور مناسب وقت پر اس کا ظہور ہوگا۔ لیکن چونکہ بغیر امام کے زمانہ کبھی خالی نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ۲۶۰ھ سے لے کر اس کے ظہور تک ایک ایسا کامل شخص ہونا چاہیئے اور ضرور موجود ہوتا ہے۔ جو شیعان علی اور امام غائب کے درمیان ایک واسطہ ہوتا ہے۔ اس واسطہ یا توسل یا توسط کو وہ "باب" سے موسوم کرتے ہیں اس اصطلاح کی سند میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ:

"انا مدینۃ العلم و علی باب ھا" — میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

مفہوم واضح ہے کہ جو شخص اس شہر علم میں داخل ہونا چاہے وہ صرف دروازے کے راستے سے داخل ہو سکتا ہے اور وہ علیؓ ہے۔"

شیعی مذاہب کے تحت "ڈونلڈسن" (DONALDSON) لکھتا ہے کہ
"شیعہ اثنا عشریہ امام غائب المہدی کو کئی القاب سے یاد کرتے ہیں۔
"حجۃ اللہ" اور "بقیۃ اللہ" اور "صاحب الزمان" وغیرہ اور یہ جملہ
"عجل اللہ فرجہ" (اللہ جلد اس کا پسندیدہ ظہور لائے) ۳۲۹ھ تک فرقہ بابی کے عقاید کے مطابق انہتر سال کا عرصہ "غیبت صغریٰ" ہے اور اس عرصہ میں چار "باب" یکے بعد دیگرے ظہور میں آتے۔ ۳۲۹ھ سے ۱۲۶۰ھ تک کا عرصہ "غیبت کبریٰ" سے موسوم ہے۔ ممکن ہے کہ غیبت کبریٰ میں بھی "باب" پیدا ہوتے ہوں لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ امام

Marfat.com

غائب کے حضور کا انتظار شیعان ہر ایک زمانہ میں بیمے صبری سے کرتے رہے۔ جب خلافت عباسیہ زوال میں آگئی۔ اور دیلمی جو آل بالویہ سے موسوم ہیں، خلیفہ اور خلافت کے سرپرست ہو گئے۔ شیعی مذہب زور پکڑ گیا۔ آل بابویہ متعصب شیعہ تھے۔ ان کے دور دورہ میں مجالس عزا اور علانیہ ماتمی جلوس اور بنو امیہ پر تبرا اور وہ تمام رسمیں جو آج بھی ادا ہوتی ہیں اختراع ہوئیں۔ انہوں نے اماموں کے مقبروں کی تعمیر از سر نو کی۔ اور احادیث کی تدوین بھی کی اور شیعہ علماء کی بہت حوصلہ افزائی کی۔ امید یہ تھی کہ اس دور دورہ میں امام کا ظہور ہوگا۔ اس لئے کہ اب دشمنوں کا خوف جاتا رہا اور شیعی مذہب پھیل رہا تھا مگر امام غیبت کبریٰ سے باہر نہ آئے۔ اب وہ زمانہ شروع ہوا جب "حروب الصلیبیہ" نے دنیائے اسلام کی توجہ کو جذب کرایا۔ اہل صلیب نے ارض شام اور شمالی افریقہ میں قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا۔ حریف اسمٰعیلی اپنی سلطنت مصر میں قائم کر چکے تھے۔ وہ کچھ مدافعت کرتے رہے۔ اثنا عشریہ امام کے منتظر رہے۔ مگر ظہور نہ ہوا۔ چوتھی صدی میں دنیائے اسلام پر قیامت صغریٰ گزر گئی۔ تاتاریوں کا ٹڈی دل وسط ایشیا سے اٹھا اور ایران اور عراق اور شام پر چھا گیا۔ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی لیکن "صاحب الزمان" ظاہر نہ ہوئے۔

سولھویں صدی کے آغاز میں صفوی خاندان ایران پر قابض ہو گیا۔ اس کے حکمرانوں کا یہ دعویٰ تھا کہ امام غائب خواب یا رویا میں ان پر ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر عوام کو پھر بھی زیارت نصیب نہ ہوئی۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے اختتام پر ایران میں ایک اور شیعہ فرقہ پیدا ہوا جس کو "شیخی" کہتے ہیں۔ اس کا بانی شیخ احمد احسا" واقع بحرین کا باشندہ تھا۔ ۱۷۴۱ء سے ۱۸۲۶ء تک، وہ کربلا اور نجف اور کرمان اور طہران اور

مکہ معظمہ میں پھرتا رہا اور آخر "یزد" میں رہائش اختیار کی۔ اس کے بہت مرید تھے اور اس کی بظاہر حالت درویشانہ تھی اور زہد و تقوی میں بھی مشہور تھا۔ وہ حاجی ملا محمد تقی قزوینی کی خدمت میں بھی گیا اس وقت اس کی عمر پچھتر سال تھی۔ اگرچہ کچھ عرصہ قزوینی کی صحبت میں رہا۔ جوان ایام میں علم و فضل کے لحاظ سے ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ مگر جب اس کے عقاید کا علم قزوینی اور دیگر علماء کو ہوا تو اسے "مرتد" قرار دیا۔ قزوین سے نکلا اور حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ کی راہ لی۔ ابھی مدینہ منورہ سے دو تین منزل دور تھا کہ اجل نے آلیا۔ اور ۲۸ جون ۱۸۲۶ء میں فوت ہوگیا۔

پروفیسر براؤن (BROWNE) نے اپنی کتاب (EPISODE OF THE BAB) میں شیخی فرقہ کے حالات اور عقائد قلمبند کرتے ہوئے لکھا کہ

"بانی ملت شیخی کا یہ عقیدہ تھا کہ انسانی جسم و جسد نہ فلک اور چہار عنصر نے ترکیب دیا گیا ہے۔ اور بوقت موت کثیف عناصر فنا ہو جاتے ہیں اور بروز قیامت صرف لطیف جسم کا حشر ہوگا۔ اس لطیف جسم کو وہ "ہورقلیہ" سے موسوم کرتا ہے جو یونانی لفظ معلوم ہوتا ہے جو ہیئت میں عالم مثال کی طرح ہے۔ اسی مفروضہ پر معراج کے متعلق اس کا عقیدہ یہ تھا کہ آنحضرت کا جسد مبارک تو بستر پر ہی رہا لیکن جو لطیف حصہ جسم تھا وہ آسمانوں پر گیا۔ شیخ احمد بانی ملت مجاہدہ شاقہ اور ریاضت خاص میں اکثر مشغول رہتا اور اسے یقین تھا کہ دوازدہ امام بالخصوص امام جعفر صادق کا خاص منظور نظر ہے۔ اس کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ دوازدہ امام قوت خلق ہے۔ قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ " احسن الخالقین " ہے احسن صیغہ مبالغہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا اور بھی خالق ہیں۔ اور اللہ بہترین خالق ہے۔ اور اللہ کے سوا خالق دوازدہ امام ہیں۔ وہ

ایک حدیث جو حضرت علیؓ سے مروی ہے بیان کرتا کہ "میں خالق ارض و سموات ہوں" وہ اس حد تک غلو کرتا کہ کہتا کہ سورہ فاتحہ تلاوت کرتے وقت نمازی کو چاہیئے کہ علیؓ کا تصور کرے۔ بالخصوص جب یہ الفاظ کہے کہ "ایاک نعبد" "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں"

قصص العلماء میں شیخ احمد کی تصانیف "زیارات الجامعیہ" (چار مجلدات) اور شرح ملا صدرا" اور شرح "فوائد" و "تبصرہ علامہ" وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

شیخ احمد کی وفات کے بعد حاجی سید کاظم ساکن رشت جانشین تسلیم کیا گیا۔ اس کی جائے پیدائش اردبیل میں حضرت شیخ صفی الدین اسحاق کے مزار کے قریب تھی آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم سے ملتا ہے اور صفوی خاندان شاہان ایران کے مورث اعلیٰ آپ ہی ہیں (امیر تیمور گورگان کے ہمعصر تھے۔ اور امیر تیمور کو اس درجہ تک عقیدت تھی کہ جب بایزید یلدرم کو شکست دے کر بے شمار اسیران جنگ کے ساتھ اردبیل میں حاضر خدمت ہوا۔ زر و جواہرات بطور نذرانہ پیش کئے مگر آپ نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر دیتے ہو تو جنگی قیدی میرے حوالے کر دو۔ امیر نے قیدی دے دئے تو آپ نے سب کو آزاد کر دیا اور اپنے اپنے گھروں کو جانے کی اجازت دے دی مگر وہ آپ ہی کے ہو رہے اور یہی وہ لوگ تھے جو بعد میں قزلباش کہلائے اور صفوی فوج میں انہی کی کثرت تھی اور انہی کے بل بوتے پر صفوی خاندان ایران پر قابض ہو گیا) سید کاظم بارہ برس کا لڑکا تھا۔ ایک رات خواب میں ایک امام نے ارشاد فرمایا کہ

"جاؤ شیخ احمد احسائی سے تحصیل علم کرو"

شیخ احمد اس وقت یزد میں تھا۔ لڑکا خدمت میں حاضر ہوا اور حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا اور شیخ کی وفات کے بعد خلعت خلافت اسی کو ملی۔ سترہ سال تک وہ عقائد شیخی نشر کرتا رہا۔ اس کی تصانیف ایک سو تینتیس بیان کی جاتی ہیں۔ ان کی فہرست دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد چہارم صفحہ دو سو اناسی ۲۷۹ میں دی گئی ہے۔ پچاس سال

Marfat.com

کے قریب عمر تھی۔ سفر بغداد پیش آیا۔ اور بغداد ہی میں یکایک فوت ہو گئے۔ کسی شخص کو اپنا جانشین نامزد نہ کیا۔

خاص خاص عقائد مذہب شیخی یہ ہیں:۔

۱۔ اکثر احادیث محض موضوعات کا طومار ہیں۔ جن کی کوئی سند نہیں انہیں مسترد کرنا چاہیئے۔

۲۔ دوازدہ امام تخلیق عالم کا سبب ہیں۔ اور انہی کی وساطت سے اللہ تعالیٰ کی مشیئت کا علم ممکن ہے۔ اور انہی کی شخصیت میں اللہ کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔

۳۔ انسان کے دو جسم ہیں۔ ایک جسم تو یہ عنصری ہے۔ اور بمنزلہ لباس ہے اور قبر میں فنا ہو جاتا ہے۔ دوسرا لطیف ہے اور عالم لطیف سے تعلق رکھتا ہے۔ یہی جسم لطیف ہے جو دوبارہ اسی ارض پر زندہ ہو گا اور اپنے عمل کے مطابق جنت یا جہنم میں داخل ہو گا۔

۴۔ علم دو قسم کا ہے۔ ایک غیر متبدّل اصلی۔ دوسرا تغیر پذیر۔ اور امام اس دوسری قسم کے علم کے باب ہیں۔

۵۔ ناممکن ہے کہ امور معلومہ دائمی ہوں۔ "علم امکانی" ممکنات کا علم ہے۔ اور اشیا محسوسہ کے ظہور سے پیشتر اس کا اطلاق ان پر ہوتا ہے۔ "علم اوّل" علم موجودات ہے۔ لیکن امر کا خلق پر تقدم لازم ہے۔

سیّد علی محمد باب

سید کاظم کی وفات ۱۸۴۳ء میں ہوئی۔ آپ کی وفات کے بعد فرقہ شیخی کو کسی اولی الامر کی تلاش رہی جو ان کی قیادت کرے۔ چند سربرآوردہ اشخاص مسجد کوفہ میں گئے (روایات کے مطابق امام ہو کا ظہور اسی مسجد سے ہو گا) مسجد میں یہ اشخاص معتکف رہے۔ صوم و صلوٰۃ و ذکر اذکار میں دن رات مشغول رہتے۔ آخر ان میں سے ایک پر یہ منکشف ہوا کہ شیراز جاؤ اور مرزا علی محمد سے مشورہ کرو۔ یہ شخص پہلے مرزا علی محمد سے کربلا میں ملاقات کر

تھا۔ اس کے دل پر اتنا اثر ہو چکا تھا کہ ممکن ہے کہ مرزا ہی منتخب شدہ باب ہو۔ مرزا سے شیراز میں ملا۔ اس نے اپنی تفسیر سورہ یوسف مطالعہ کے لئے دی۔ چند روز استخارہ کے بعد اس نے اعلان کر دیا کہ "میری ذاتی رائے ہے کہ میرزا علی محمد ہی وہ باب ہے۔ جس کی تلاش تھی"۔

فرقہ شیخی کے اکثر لوگ مرزا کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ مگر ایسے بھی تھے جو مرزا علی محمد کے دعوے کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے حاجی محمد کریم خان کرمانی کا حلقہ ارادت وسیع تھا۔ وہ سب شیخی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے مرزا علی محمد کے دعوے کا انکار کر دیا۔ اس لئے اب فرقہ شیخی دو فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ دوسرا فرقہ اب "بابی" کہلانے لگا۔ یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ یہ اصطلاح "باب" مرزا علی محمد کی اختراع نہ تھی۔ اس سے پیشتر بھی کئی "باب" گزر چکے تھے۔ البتہ "غیبت کبریٰ" میں جو مرزا علی محمد تک ایک ہزار سال رہی عموماً "وکیل" ہی نمودار ہوئے جو امام غائب اور عوام کے درمیان واسطہ و رابطہ تھے۔ شیخ احمد احسائی نے "شیعہ کامل" کی ایک اصطلاح ضرور نکالی اسکا مفہوم یہ تھا فرقہ اثنا عشریہ میں بارھویں امام غائب سے براہ راست فیض حاصل کرنے کیلئے ایک شخص ایسا ہونا چاہیئے جو کامل ہو اور جس کا روحانی تعلق امام سے ہو۔ اگرچہ نہ شیخ احمد اور نہ اس کے خلیفہ سید کاظم رشتی نے دعوی "باب" کیا مگر مفہوم "شیعہ کامل" اور "باب" ایک ہی ہے۔

ابتدا میں خود مرزا علی محمد اور ملا حسین بشرویہ اور قرۃ العین اور اکثر اشخاص مرد و زن کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ جب مرزا علی محمد نے دعویٰ "باب" کیا تو حاجی محمد کریم خاں جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے اور اس کے مرید علیحدہ ہو گئے۔ حاجی حکمران خاندان قاچار کا ایک رکن تھا۔ یہ فرقہ بھی اب تک موجود ہے۔

مرزا علی محمد باب کا ظہور ۲۳ مئی ۱۸۴۴ء میں ہوا اور اس کی زندگی کے ساتھ جولائی ۱۸۵۰ء میں تبریز میں ختم کی گئی اس کا چراغ بھی گل ہو گیا۔ ۱۸۵۱ء میں حاجی مرزا جانی کاشانی نے "باب" کی پر آشوب زندگی کے حالات مفصل لکھے ہیں جو خود بھی "بابی" تھا۔ ۱۵ ستمبر ۱۸۵۲ء کو مرزا جانی معہ اٹھائیس سربرآوردہ بابی اشخاص

Marfat.com

طہران میں قتل کیا گیا۔ "تاریخ جدید" ۱۸۷۵ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیان مرزا ہمایون ہمدانی نے لکھی۔ "سیاح نامہ" میں بھی باب اور بابیوں کا تذکرہ ہے مگر وہ زیادہ تر حالات بہاء اللہ کے ہیں اور اس کے جانشین اور خلف عباس آفندی المعروف عبدالبہا سے منسوب ہے۔

مرزا علی محمد باب ظہور کے وقت چوبیس سالہ نوجوان تھا۔ مرزا حسین علی جو بعد ازاں بہاء اللہ کے لقب سے ظاہر ہوا۔ ابتدا میں اس کے حلقہ ارادت میں داخل تھا اور باب سے عمر میں دو سال بڑا تھا۔ تیس سال کی عمر میں "باب" مارا گیا۔ چھ سال کا درمیانی عرصہ میں وہ شیراز میں ۱۸۴۵ء میں پھر اصفہان میں ۱۸۴۶ء میں پھر چہریق کے قریب ماکو میں قید و بند کی سختیاں جھیلتا رہا۔ اصفہان میں وہ برائے نام ہی قید رہا کیونکہ گورنر منوچہر خاں اس کا گرویدہ ہو گیا۔ اور باب کو دوستوں سے ملنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ وہ قید و بند میں بھی اپنے دعوے کی تائید میں لکھتا رہا۔ باہر اس کے اور مخالف فریق میں جنگ و جدل جاری تھا۔ ۱۸۴۸ء میں مازندران میں ملا حسین بشرویہ اور ملا محمد علی زنجانی کی قیادت میں بابیوں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ "یزد" میں آغا سید یحییٰ نے ۱۸۵۰ء میں ہڑبونگ مچا دی۔

۱۸۴۸ء میں مرزا علی محمد نے "باب" کا لقب ترک کر دیا اور اپنے ایک عقیدت مند کو اس سے سرفراز فرمایا۔ اب اس کا یہ دعویٰ تھا کہ میں امام قائم ہوں اور وہی امام منتظر ہوں جس کی آمد کا انتظار تھا۔ ایک ہزار سال غیبت رہی۔ اب ظہور امام کا وقت آ گیا۔ میرا نام علی محمد باب اور "مدینۃ العلم" کا جامع ہے۔ باب سے بڑھ کر میں "نقطہ" ہوں۔ بابی اب آپ کو حضرت "نقطہ اولیٰ" کہنے لگے۔ بلکہ "ربی الاعلیٰ" سے یاد کرتے ہیں۔ "باب" کی مشہور کتاب "بیان" میں دعویٰ الوہیت یا مظہر الوہیت واضح ہوتا ہے۔ جو بعد ازاں دعویٰ بہاء اللہ اور اس کے پیروؤں کا عقیدہ رہا۔ بہاء اللہ اور اس کے متبعین کا یہ عقیدہ ہے کہ

"باب" یا "حضرت نقطہ اولیٰ" مثل یحییٰ نبی [illegible] کلمہ کا تھا جو

مسیح ہیں اور بہاء اللہ مثیل مسیح ہیں:

قتل کے بعد مرزا علی محمد "نبی الاعلیٰ" کی لاش کئی دن بے گور و کفن رہی آخر آپ کے مریدوں نے آپ کو سفید ریشمی کفن میں امام زادہ معصوم کے روضہ میں جو طہران اور رباط کریم میں واقع ہے۔ سترہ سال پوشیدہ رکھا۔ اس کے بعد بہائیوں نے بہاء اللہ کے ارشاد کے مطابق "تابوت" "عکہ" میں منتقل کر دیا۔ اور یہاں سپرد خاک ہوا۔

قتل سے پیشتر "باب" نے اپنا جانشین مرزا یحییٰ پسر مرزا بزرگ نوری کو نامزد کیا جو مرزا حسین علی المقلب بہ بہاء اللہ کا ہی سوتیلا بھائی ہے۔ اس وقت مرزا یحییٰ کی عمر چودہ سال تھی۔ اس کی والدہ کا اس کے بچپن میں انتقال ہو چکا تھا۔ مرزا حسین علی کی والدہ نے اس کی پرورش کی۔ مرزا حسین علی اس سے تیرہ سال عمر میں بڑا تھا۔ خود بڑا بھائی مرزا حسین علی کہتا رہا کہ اسے معلوم نہ تھا کہ بھائی یحییٰ ایسے اعلیٰ مقام پر پہنچے گا۔ "باب" نے مرزا یحییٰ کو "صبح ازل" کے لقب سے نوازا۔ اور اپنی انگشتری اور دیگر اشیاء جن کو تبرکات ہی کہنا چاہیے۔ صبح ازل کے حوالے کیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ کتاب "بیان" پر آٹھ "واحد" یعنی فصلیں اور اضافہ خود ہی کرو۔ چونکہ خود باب نے اسے اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ اس لئے تمام بابیوں نے بالاتفاق "صبح ازل" کو اپنا قائد تسلیم کر لیا۔ مگر وہ ابھی نو عمر ہی تھا۔ اور وہ زیادہ تر گوشہ خلوت ہی میں رہتا۔

اس لئے انصرام امور بابیہ بڑے بھائی بہاء اللہ کے ہاتھ میں رہا۔ ایک اور دعویدار خلافت: مرزا اسد اللہ بھی کھڑا ہو گیا مگر وہ شط العرب میں غرق ہو گیا یہ کیا گیا کہ بابیوں نے اس کا خاتمہ اس طرح سے کر دیا۔ مگر بعض کی یہ رائے ہے کہ یہ کام ہندوستانی بابیوں سے لیا گیا جن کا سرغنہ سید بصیر آغا محمد المقلب بہ ذبیح [illegible] تھا۔

۱۵ اگست ۱۸۵۲ء میں چند بابیوں نے ناصر الدین شاہ قاچار پر حملہ کیا تھا لیکن وہ بچ نکلا۔ شاہ تو بچ گیا لیکن اب بابیوں کی شامت آگئی جن [illegible]

Marfat.com

والہانہ سرگرمی کا اظہار کر رہی تھی۔ اس کی تنظیمیں ملک کے طول و عرض میں زبان زد تھیں۔ یہ سب قتل کئے گئے۔ مگر جس بہادری سے انہوں نے جان دی۔ اس کا اثر ان تمام نشریات سے بہت بڑھ کر ہوا جو اب تک بابی کر رہے تھے۔ اور لوگ جوق در جوق اس نئے فرقے میں داخل ہوتے گئے۔ صبح ازل اور اس کا بھائی بہاء اللہ دونوں بچ رہے۔ دونوں بغداد میں روپوش ہو گئے۔ صبح ازل کی گرفتاری پر پیش قرار انعام کا بھی حکومت ایران نے اعلان کیا۔ اب بغداد بابیوں کا مرکزی مقام بن گیا۔ جہاں بارہ سال تک یہ لوگ سرگرم عمل رہے۔ اس عرصہ تک بہاء اللہ بھی اپنی کتاب "ایقان" میں صبح ازل کو اپنا قائد ہی تسلیم کرتا رہا۔ یہ کتاب ۶۲-۱۸۶۱ء میں لکھی گئی۔

صبح ازل تو مرنجاں مرنج درویش صفت شخص تھا مگر بڑے بھائی کی طرف لوگوں کا رجوع ہو رہا تھا۔ اس لئے کہ صبح ازل اکثر گوشہ خلوت ہی میں اپنا وقت عزیز گزارتا۔ صبح ازل کے مریدوں اور بہاء اللہ کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی۔ ملا محمد جعفر فارقی اور ملا رجب علی قاہر اور سید محمد اصفہانی نے بھانپ لیا کہ بہاء اللہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ بہاء اللہ دو سال بعد کردستان کی پہاڑیوں میں چلا گیا۔ بمقام "سرگلو" رہائش اختیار کی۔ اور گاہے گاہے سلیمانیہ میں آمد و رفت جاری رکھی۔ بہائی ان ایام کو بہت اہمیت دیتے ہیں جس مہم کا آغاز بہاء اللہ کرنے والا تھا۔ اس کی تیاری انہی ایام میں شروع ہو گئی۔

بغداد میں بابیوں کا قیام حکومت ایران کے لئے خطرناک تھا۔ اس لئے ترکی حکومت نے مرزا حسین خان مشیر الدولہ ایرانی سفیر قسطنطنیہ کی شکایت پر صبح ازل اور اس کے بڑے بھائی بہاء اللہ کو قسطنطنیہ میں منتقل کر دیا۔ پھر یہاں سے بھی ایڈریانوپل میں بھیج دیا۔ جہاں ان کی رہائش چار سال (دسمبر ۱۸۶۲ء تا اگست ۱۸۶۶ء) رہی مگر دونوں بھائیوں میں اب کشیدگی پیدا ہو گئی۔ اسی جگہ ۱۸۶۶ء ۱۲۸۲ھ بہاء اللہ نے پہلی دفعہ اعلان کیا کہ

"میں وہ ہوں جس کے بارے میں حضرت نقطہ اولیٰ مرزا علی محمد باب نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ "من یظہرہ اللہ" ۔

اور تمام بابیوں کو دعوت دی کہ

"مجھ پر ایمان لائیں ۔ میں صرف حضرت باب کا جانشین ہی نہیں ہوں بلکہ وہ کلمہ ہوں جس کا مبشر خود باب تھا۔"

اس دعوت پر رفتہ رفتہ اکثر بابیوں نے لبیک کہا مگر صبح ازل اور اکثر سربرآوردہ بابیوں نے انکار کر دیا ۔ اب دونوں فرقوں میں مباحثہ اور مجادلہ بلکہ مقاتلہ کی نوبت پہنچ گئی ۔ اور فریقین کے کئی آدمی مارے گئے ۔ دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے پر زہر خورانی کے اقدام کا الزام بھی لگایا ۔ مجبوراً ترکی حکومت کو مداخلت کرنی پڑی ۔ صبح ازل کو جزیرہ سائیپرس (قبرص) میں اور بہاء اللہ اور اس کے خاندان کو "عکہ" واقع شام میں بھیج دیا ۔

ترکی گورنمنٹ نے ان کے درمیان آئندہ قانون شکن سرگرمی کا سدباب اس طرح کیا کہ چار بہائی اور ان کے خاندان جزیرہ قبرص میں اور چار ازلی عکہ میں ان کی نگرانی کرتے رہیں ۔ اور حکومت کو کسی ناخوشگوار واقعہ کی اطلاع دیتے رہیں ۔

جو چار ازلی عکہ میں آئے وہ تو مارے گئے ۔ اور جو چار قبرص میں تھے ایک ۱۸۷۱ء اور دوسرا ۱۸۷۲ء اور تیسرا خود بخود عکہ میں ۱۸۸۰ء میں پہنچ گیا ۔ چوتھا "مشقیں قلم" مشہور خوشنویس تھا ۔ قبرص میں رہا ۔ جب یہاں انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو وہ بھی عکہ میں آگیا ۔

بہاء اللہ اور اس کے بارے میں کچھ لکھنا سردست ہمارے موضوع سے خارج ہے ۔ ہم مذاہب اسلامیہ کی تاریخ لکھ رہے ہیں اور بہاء اللہ کے اعلان کے مطابق اس کی حیثیت ایک نئے بانی مذہب کی ہے ۔ اس کو بہائی "امر بہاء اللہ" سے موسوم کرتے ہیں ۔ جیسے ہم مسلمان اپنے دین کو "اسلام" یا "امر اللہ" ۔ فی الحقیقت بہاء اللہ کا دعویٰ نبوت و رسالت نہیں وہ مدعی الوہیت ہے جیسے مسیحی مسیحؑ کی

نسبت عقیدہ رکھتے ہیں۔ "ختم نبوت" کو بہائی تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت سے پیشتر انبیاء و رسل مسلسل آتے رہے مگر آنحضرت کے بعد نبی نہ ہوتے خلفاء ہوتے۔ اس لئے کہ آنحضرت کی بعثت سے پیشتر ایام جاہلیت تھے۔ اور فہم انسانی بالغ نہ تھے۔ اس لئے انبیاء کی سرپرستی ضروری تھی۔ ہم نے اسی موضوع پر اپنی کتاب "خاتم النبیین" پر علیحدہ مفصل بحث کی ہے اس لئے اس مقام پر اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ آنحضرت کے بعد جو بھی نبی کھڑا ہوا۔ وہ دراصل مدعی الوہیت ہی تھا۔ شیعان علی تو پہلے ہی اپنے اماموں کو معصوم عن الخطا یقین کرتے تھے۔ اور کرتے ہیں اور ان کے اکثر فرقے اماموں کو الوہیت ہی کا درجہ دیتے رہے ہیں جیسا کہ ان اوراق کے مطالعہ سے واضح ہوگیا ہوگا چونکہ باب اور بہاء اللہ کی پرورش بھی اسی ماحول میں ہوئی۔ اس لئے یہ عقیدہ نسلاً بعد نسل ایسا پختہ ہو چکا تھا۔ کہ باب اور بہاء اللہ کے دعاوی کو تسلیم کرنا ان لوگوں کے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ مسیحی بھی مسیح کو درجہ الوہیت دیتے ہیں۔ اس لئے امریکہ میں بہائی مذہب قبول ہوا۔

"صبح ازل" اور "بہاء اللہ" کا مقابلہ کرتے ہوئے سر سیسل رائیس (SIR CECIL RICE) جو تہران میں برٹش منسٹر تھا لکھتا ہے کہ

"دونوں کی مثال پطرس اعظم حواری مسیح اور مقدس پولوس میں ملتی ہے پطرس تو انجیل کی تبلیغ صرف بنی اسرائیل میں جائز سمجھتا تھا جن کا نشان ختنہ ہے اور پولوس غیر مختون غیر بنی اسرائیل میں۔ صبح ازل کی تبلیغ مسلمانوں بالخصوص شیعان علی میں محدود رہی مگر بہاء اللہ نے کل عالم انسانی کو مخاطب کیا۔ بہاء اللہ اور پولوس میں مماثلت حیرت انگیز ہے۔ پولوس کے اپنے مکتوبات سے واضح ہوتا ہے اور خود کہتا ہے کہ

"میں یہودیوں میں یہودی اور دینداروں میں دیندار اور رومیوں میں رومی اور بیدینوں میں بے دین بنا رہا اس لئے کہ مسیح کی طرف جتنے

نفوس بھی ہو سکے کھینچ لاؤں۔" (نامہ پولوس ا۔ کا انتقی $\frac{9}{19}$)

یہی تعلیم بہاء اللہ کی ہے کہ ہر ایک مذہب و ملت کے آدمیوں کے ساتھ "روح اور ریحان" کی طرح رہو۔ خواہ وہ مشرک اور کافر ہی کیوں نہ ہوں۔ خدا کی مخلوق کافر بھی ہیں مومن بھی۔ جو شخص مظہر الوہیت ہو "باکفر و با ایماں چہ کار"

ہمیں سر دست باب اور بابیوں کے عقائد سے بحث ہے۔ باب کی تصنیفات ہیں ایک "زیارت نامہ" ہے۔ اس میں ان زائرین کے لئے جو اماموں کے روضوں کی زیارت کے لئے جاتے ہیں ہدایات ہیں۔ اور اسی قبیل کی کتاب صحیفۃ البنین الحرمین ہے۔ یہ ابتدائی تصانیف ہیں۔ تیسری کتاب "دلائل سبعہ" ہے اور چند قرآنی سورتوں، البقرہ اور یوسف اور العصر اور الکوثر کی تفسیر ہے۔ یہ تصانیف باب نے دعوے سے پیشتر لکھیں۔ دعوے یہ ہے کہ

"میں نہ صرف باب ہوں بلکہ خود امام اور نقطہ ہوں"۔

دعوے کے بعد اس نے جو کچھ لکھا وہ مجموعہ "بیان" سے موسوم ہے۔ ادبی خوبی تو ان میں نہیں اس لئے علماء ایران کے ساتھ جب کبھی باب کا مباحثہ ہوا اور انہوں نے اس کے اغلاط کی طرف اشارہ کیا تو یہ کہہ کر پیچھا چھڑایا کہ "میں صرف و نحو کا پابند نہیں ہوں"۔

بابی اصطلاحات میں سے "باب" کی تشریح ہم کر چکے ہیں۔ "نقطہ" ایک قول سے ماخوذ ہے۔ جو حضرت علیؓ سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ کہ تمام قرآن خلاصہ سورہ فاتحہ ہے اور سورہ فاتحہ کا خلاصہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اور بسم اللہ کا خلاصہ نقطہ حرف "ب" کا ہے۔ اور میں وہ نقطہ ہوں۔

عربی میں اکائی کے لئے لفظ واحد ہے۔ بحساب جمل حروف: و = ۶، ا = ۱، ح = ۸، د = ۴ اور اعداد کی میزان انیس [19] ہے۔ یعنی اعداد انیس [19] واحد کے برابر ہیں۔ ۱۹ × ۱۹ = ۳۶۱ اور یہ اعداد ہر ایک شے کا شمار ہے۔ "عدد کل شیٔ" اور الفاظ "کل شیٔ" بحساب ابجد" ک = ۲۰، ل = ۳۰، ش = ۳۰۰،

ی = ۱۰، میزان = ۳۶ - اس پر اکائی یا واحد کا اضافہ کیا جو ہر ایک عدد میں شامل ہے۔ میزان ۳۶۱ ہوتی ہے۔ اس لئے تعداد ہر ایک شے کی عدد ۳۶۱ ہے یا ۱۹ اس عدد انیس کو بابی مقدس سمجھتے ہیں اور بہت بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کا مہینہ ۱۹ روز کا۔ سال انیس ماہ کا۔ اس پر حرف ہ = ۵ کا عدد زیادہ کرتے ہیں تاکہ سال شمسی بجائے قمری ہو جائے۔ مہینوں اور دنوں کے نام بھی باب، جلال، جمال وغیرہ تجویز کئے گئے ہیں۔ اور ماہ و سال کو زرتشتی تقویم کے مطابق بنایا گیا ہے۔ سال "نوروز" سے شروع ہوتا ہے جو "۲۱ مارچ" پر پڑتا ہے۔ نوروز سے انیس روز پیشتر یعنی بابی سال کا آخری مہینہ "ماہ صیام" ہے۔ بابیوں نے عدد انیس کو روپیہ پیسہ غرض "عدد کل شی" کی بنیاد قرار دیتے ہوئے تمام معاشری اور اقتصادی امور پر بھی اس کا اطلاق کیا۔ مگر تجربہ سے ناممکن العمل ثابت ہوا۔ اس لئے بہاء اللہ نے اپنی کتاب "اقدس" میں اس حد تک تجاوز منسوخ قرار دیا۔

"صبح ازل" نے جو باب کا نامزد جانشین تھا اپنے نام "یحییٰ" میں ایک اور جدت پیدا کی۔ یہ نام لفظ "حی" سے مشتق ہے۔ یحییٰ کے حروف کی میزان ۲۸ ہے صبح ازل کا دوسرا لقب "وحید" بھی ہے جس کے حروف کی میزان بحساب ابجد ۲۸ ہے۔

ایڈریانوپل کو ترکی "ادرنہ" کہتے ہیں۔ صبح ازل نے اسے "ارض السر" سے موسوم کیا۔ "ادرنہ" اور "سر" بحساب جمل برابر ہیں، ۲۶۰ کے۔ اسی طرح زنجان ارض اعلیٰ سے موسوم کیا۔ زنجان = اعلیٰ = ۱۱۱، اعداد و شمار بابی اور ازلی اور بہائی لٹریچر میں اکثر استعمال ہوتے ہیں۔ اور ان سے دلائل درباره اثبات دعاوی اخذ کئے۔ باب کا نام علی محمد سات حرفی ہے اس کو "ذات الحروف السبعۃ" سے موسوم کیا۔ آسمان سات (سبع سموٰت) بہاء اللہ نے "عکہ" کو "بقعۃ الحمرا" قرار دیا جس کے معنی "عکہ" ہیں۔

باب نے حرام و حلال میں بھی بدعت پیدا کی۔ گوشت اور پیاز ممنوع قرار دیا۔

بھائی اس کے پابند نہیں لیکن "ازلی" اب بھی پابند ہیں۔ تمباکو نوشی حرام قرار دی غرض ایک نئی شریعت کی بنیاد رکھی جس پر بہاء اللہ نے اضافہ کیا۔ اور کچھ بابی شریعت میں ترمیم و تنسیخ بھی کی۔ چوں کہ "بہائیہ" کوئی اسلامی فرقہ یا مذہب نہیں بلکہ ایک نیا دین ہے۔ اس لئے اس پر بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ البتہ اتنا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو عقائد در بارہ امامت شیعان کے تھے اس کا لازمی نتیجہ یہی کچھ ہو سکتا تھا جو بہاء اللہ کے دعاوی پر واضح ہوا۔

ہم شیعہ فرقوں کے حالات کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں کہ فرقہ بندی کی ابتداء مسئلہ امامت سے ہوئی۔ مسعودی اپنی کتاب "مروج الذہب" میں لکھتا ہے کہ ایک فریق (القائلون بالنص) کا تو یہ عقیدہ ہے کہ امامت نامزدگی سے صحیح ہے اور دوسرا فریق (اصحاب الاختیار) کا یہ عقیدہ ہے کہ امام نسباً نہیں بلکہ وصفاً منتخب ہونا چاہیئے اول الذکر کا یہ عقیدہ ہے کہ "امامت حضرت علیؓ اور آپ کے بعد آپ کی اولاد کا حق ہے جس کو آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت "خم" پر اپنا جانشین نامزد فرمایا۔ اور جن کو حضرت علیؓ نے اپنا جانشین نامزد کیا۔"

اصحاب اختیار ایک تو خوارج ہیں اور فرقہ مرجئیہ اور اکثر اہل سنت والجماعت ان کا عقیدہ ہے کہ امت کو اپنا امام خود منتخب کرنا چاہیئے۔ چونکہ عملاً خلافت راشدہ میں ایسا ہی ہوتا رہا۔ اس لئے یہی صحیح طریقہ ہے۔ شیعان علی امامت اور خلافت ایسی موروثی شخصی حکومت سمجھتے ہیں۔ جیسی کہ ملوکیت ازمنۂ تاریک میں تھی اور اب بھی ممالک اسلام میں کہیں کہیں ہے۔ واقعہ "خم غدیر" کوئی تاریخی نہیں۔ یہ اور ایسے واقعات سیاسیات کی اختراع ہیں۔ اگر آنحضرتؐ مبینہ وصیت فرماتے اور اصحاب مہاجرین اور انصار اس سے واقف ہوتے تو آں حضرتؐ کی وفات کے بعد نہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر اپنے میں سے ایک شخص کا انتخاب کرتے اور نہ صدیق اکبرؓ وغیرہ کو جرأت ہوتی کہ قریش میں سے کسی کو تجویز کرتے۔ حالانکہ اس وقت حضرت عمرؓ کے علاوہ امین الامۃ ابو عبیدہ بن الجراح بھی موجود تھے۔ کسی نے یہ نہیں کہا کہ آنحضرتؐ نے

Marfat.com

ایسی اور ایسی وصیت فرمائی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر حضرت علیؓ بھی چپکے رہے صدیق اکبرؓ کے بعد فاروق اعظمؓ اور آپ کے بعد عثمانؓ ذی النورین کا انتخاب ہوتا رہا اور حضرت علیؓ خاموش رہے۔

آں حضرتؐ کی علالت کے دنوں میں صدیق اکبرؓ ہی امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اگر "خم غدیر" کا واقعہ تاریخی تسلیم کیا جائے۔ تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ حضرات شیعان علی سچے ہیں اور سوائے حضرت علی اور ان کے اہل وعیال کے کوئی بھی صحابی مسلمان نہ تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ کوئی بھی عرب مسلمان نہ تھا مسلمان صرف یہی نو مسلم مجوسی تھے۔

نواب محسن الملک مہدی علی نے اپنی کتاب "آیات بینات" میں یہی کچھ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اسلام محض ایک سیاسی ڈھونگ رہ جاتا ہے۔ حالانکہ خلفاء راشدین کی بے لوث خدمات اور اُن کی درویشانہ سادہ زندگی سے یہ امر بہت بعید ہے کہ وہ دنیوی حکومت اور جاہ جلال کے طالب تھے۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ ایرانی ہی اس بات کے قائل ہیں کہ خلافت حضرت علی اور آپ کی اولاد کا حق تھا جو غصب کیا گیا ہے اور سب صحابہ کی نسبت نہایت ناشائستہ کلمات استعمال کرتے ہیں۔ بہر حال یہ تفریق جو امامت اور خلافت کے نظریہ سے پیدا کی محض سیاسی ہے ایرانی پھر سے اپنی گزشتہ عظمت وشان بحال کرنا چاہتے تھے۔ یہ حقیقت مؤلف "دبستان مذاہب" اور حال میں قاسم زادہ ایرانی نے اپنی کتاب "جلوہ ریزی روح ایران" میں بے نقاب کی ہے۔ انہوں نے "اہل بیت" کا ساتھ اسی لئے دیا کہ اموی خلافت جو خالص عربی تھی اس کا تختہ الٹنا چاہتے تھے۔ کوفہ ان کی شورشوں کا مرکز تھا اور ہمیشہ رہا۔ اور حضرت علیؓ سے بھی سیاسی غلطی ہی ہوئی کہ مدینہ کی جگہ کوفہ کو دار الخلافت مقرر کیا۔ اس لئے کہ کوفہ ایران کے قریب میں ہے۔ آپ عرب سے اور عرب آپ سے بیگانہ ہو گئے۔ عرب بنو امیہ کا پشت پناہ بن گیا۔ ان کی عقیدت کا فائدہ ان کو اور بنو ہاشم کو سیاسی اتنا ضرور ہوا کہ بنو امیہ کے ساتھ عرب کا زور ٹوٹ گیا۔ عباسی خلافت

میں بھی اول برامکہ اور پھر دیلمہ ایرانی ہی خلیفہ اور خلافت کے سرپرست رہے۔ بلکہ تمام غیر عرب سلاطین خلیفہ گر تھے۔

عجمی عموماً "اہل بیت" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ اور اس سے مراد پنج تن یعنی آنحضرتؐ اور حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اور ان کے دو بیٹے امام حسنؓ اور حسینؓ ہیں۔ یہ بالکل عربی محاورہ کے خلاف ہے۔

اہل بیت، قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے اور معنی گھر والی یا گھر والیاں ہے۔ لیکن عجمی پراپاغنڈا کے اثر کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ اہل سنت والجماعت بھی اس اصطلاح کو عجمی مفہوم کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔

اس اہل بیت نے ایک اور سیاسی الجھن پیدا کردی۔ سلمان فارسی ممکن ہے کوئی شخصیت ہو۔ لیکن اس کا نام اتنا اچھالا گیا۔ کہ اکثر روایات اس کی فضیلت کے بارے میں موجود ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے مہاجرین اور انصار میں رشتہ مواخاۃ قائم کیا تو ایک سلمان فارسی ہی باقی رہ گیا۔ یہ نہ مہاجر تھا اور نہ انصار۔ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ سلمان من اھل بیتی۔ عام عربی روزمرہ میں اس کے معنی یہ ہوتے ہوتے کہ سلمان میری زوجہ ہے یا ازواج میں سے ایک ہے۔ لیکن عجمی پروپاغنڈا نے اول تو اسے اہل بیت میں جیسا کہ وہ سمجھتے ہیں شامل کیا۔ اس کے بعد اس کی شان میں قرآنی آیت بھی نازل ہوئی۔

"واخرین منھم لما یلحقوا بھم (۲۸/۱۱)"

"اور ان (... میں سے) دوسرے جو ابھی تک ان سے ملحق نہیں ہوئے"

جب اصحاب نے دریافت کیا کہ وہ کون خوش نصیب ہے جس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے تو آں حضرتؐ نے فرمایا کہ

"وہ فارسی الاصل سلمان کا ہمقوم ہوگا۔ علم اگر ثریا میں ہوگا یا ثریٰ میں تو وہاں سے بھی لے آئے گا۔"

چنانچہ ایران میں جس کسی نے دعوت نبوت یا امامت کیا اسی حدیث کو سند اپیش کیا۔

اس حدیث نے ان تمام احادیث کی تردید کر دی جن کی رو سے مہدی کا ظہور بنو فاطمہ سے ہوگا۔ بعض احادیث کی رو سے بنو ہاشم سے ظہور روایت ہوا ہے۔ سلمان فارسی کی نسبت ابن اثیر اسد الغابہ میں لکھتا ہے کہ

"بعض روایات کے مطابق اس کی عمر جب اس کو آں حضرت کی صحبت نصیب ہوئی چھ سو سال تھی۔ اس نے حواریان مسیح کا زمانہ پایا۔ بعض روایات نے کم از کم عمر ڈھائی سو سال تھی۔"

ہمارے زمانہ کے مشہور فسانہ نگار مولانا عبدالحلیم شرر نے "جویائے حق" لکھ کر انہی روایات کی تصدیق کی ہے۔

اگر آنحضرت حضرت علیؓ کی نسبت وصیت فرماتے تو مناسب وقت حجۃ الوداع کا تھا۔ جہاں سب اصحاب موجود تھے۔ اور اس کے بعد کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہ رہتی۔ عجمی پروپاگنڈا کی تائید میں بے شمار احادیث وضع کی گئیں اور بعض صحیح احادیث میں ایک آدھ لفظ بھی بڑھا یا گیا۔ مثلاً آنحضرت نے فرمایا کہ

"میں اپنے بعد قرآن چھوڑ رہا ہوں اگر تم اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔"

"کتاب اللہ" کے ساتھ لفظ "عترتی" اور بعض جگہ "اھل بیتی" بڑھا دیا گیا۔ آیہ "لا استلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ" لفظ "قربیٰ" سے مراد اہل بیت لی گئی۔ اگر یہ صحیح ہو تو اجر کی نفی نہیں ہو سکتی۔ لیکن آیت کا مطلب بالکل صاف ہے کفار جو بھی اسلام قبول کرتا اس کا مقاطع کرتے۔ آنحضرت نے سمجھایا کہ تبلیغ کا جو تمہارا ہی فائدہ کی بات ہے میں کچھ اجر تو مانگتا نہیں لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ فطری رشتہ قرابت کا تو پاس کرو۔ اپنے ہی بھائی بندوں سے محض قبول اسلام پر قطع تعلق نہایت نامناسب ہے۔

ہندوستان میں بھی ہندوؤں نے کفار مکہ کی سنت پر عمل کیا۔ اگر ذرا ہوش و خرد سے کام لیتے تو دو قوموں کا نظریہ جس کا رونا آج روتے ہیں کسی کے ذہن میں پیدا نہ ہوتا

Marfat.com

اور نہ ہندوستان پر اعیاد کا تسلط ہوتا جس نے ان دونوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا اور نہ آج یہ برصغیر بھارت اور پاکستان میں تقسیم ہوتا۔ اس تلخ تجربہ کے بعد بھی ابھی تک ان کے حواس خمسہ درست نہیں ہوتے۔ جو کچھ تقسیم کے بعد قتل و غارت کا مظاہرہ کیا۔ وہ ان کی روایتی ذہنیت کی پستی کے مناسب ہے۔ انہوں نے بدھوں اور جینیوں سے کیا سلوک کیا۔ یہ "مت" اور ان کے پیرو ان کے مذہب کی شاخیں ہیں اور یہ لوگ ان کے اپنے بھائی ہیں۔ ان کی تنگ نظری نے "قومیت" کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔

کفار مکہ کو آں حضرت ؐ نے بہت دفعہ سمجھایا کہ "لکم دینکم ولی دین" (۴۲) لیکن کفر و شرک کا خاصہ ہی فتنہ و فساد برپا کرنا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عرب حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اور ہندوستان سر دست دو حصوں میں تقسیم اسی لئے ہوا کہ مودۃ فی القربیٰ کی حکمت کفار و مشرکین ہند نے نظر انداز کر دی۔ اور ابھی تک اسی جاہلیت کی ضد پر اڑے ہوتے ہیں۔ اور کبھی چین سے نہ بیٹھیں گے جب تک صفحۂ ہستی سے کفار مکہ کی طرح حرف غلط کی طرح نہ مٹ جائیں۔

"مودۃ فی القربیٰ" میں ایک سبق مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔ محض ایک فرعی عقیدہ کو اتنی اہمیت دینا کہ اپنوں سے رشتۂ اخوت توڑنا اور غیروں سے جوڑنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ "ان المومنون اخوۃ"

ہم نے ان اوراق میں مذاہب اسلامیہ کے عقاید پر بحث کرتے ہوتے اس تاریخی واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ ابتدا میں ہر ایک فرقہ کا جوش اتنا حد اعتدال سے بڑھا ہوا تھا کہ ایک دوسرے کو کافر کہتا۔ اس میں پیش پیش خوارج اور شیعہ تھے۔ جب ذرا طبائع میں سکون پیدا ہوا تو کہنے لگے کہ کافر سے مراد "کافر نعمت" ہے کافر ملت نہیں ابوالحسن اشعری معتزلہ کو تمام عمر کافر کہتا رہا۔ آخر اتنا نرم پڑ گیا کہ وصیت کی کہ کسی مسلمان کو جو اہل قبلہ ہو کافر کہنا جائز نہیں۔

خوارج

ازارقہ خوارج کے فرقوں کے حالات مختصر ہم لکھ چکے ہیں۔ ان کے تاریخی حالات جہاں تک خلافت اموی سے تعلق ہے ہم نے اپنی کتاب دمشق میں لکھے ہیں۔ ان اوراق میں صرف بہ تعلق مذاہب اسلامیہ ان کے عقائد سے بحث ہے شہرستانی نے فرقہ ازارقہ کے چند عیب بیان کئے ہیں:۔

(۱) سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور آپ کے اصحاب کی تکفیر کرتے ہیں اور حضرت علیؓ کے قاتل عبدالرحمن ابن ملجم کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔ ان کے ایک مفتی اور زاہد اور شاعر عمران بن حطان نے ابن ملجم کی مدح میں شعر کہے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:۔

یا ضربۃ من تقی ما اراد بها

کیا ہی اچھی کاری ضرب توبہ کرنے والے نے لگائی۔

الا لیبلغ من ذی العرش رضوانا

کہ اس کی غرض محض اللہ کی خوشنودی ہی تھی۔

انی لاذکرہ یوما فاحسبه

میں اسے یاد کرتا ہوں اور خیال کرتا ہوں کہ اس کے نیک اعمال

اوفی البریۃ عند اللہ میزانا

اللہ کے نزدیک تمام خلق سے بڑھ کر ہیں

اس میں کچھ شک نہیں کہ خوارج کا یہ فعل بہت ہی مذموم ہے۔ واقعہ یہ ہے

Marfat.com

کہ ان ایام میں خوارج کی نگاہ تین شخصوں پر تھی۔ ایک حضرت علیؓ دوسرے امیر معاویہ اور تیسرے عمرو بن العاص۔ ان کی رائے یہ تھی کہ انہی تینوں شخصوں کی وجہ سے دنیائے اسلام میں فتنہ و فساد برپا ہے۔ اور یہی تین شخص خوارج کے دشمن بھی تھے۔ اس لئے ایک سازش یہ پختہ کی گئی کہ بیک وقت تینوں کو قتل کیا جائے۔ چنانچہ کوفہ میں حضرت علیؓ پر جب کہ آپ صلوٰۃ الفجر کے لئے مسجد کی طرف جا رہے تھے، ابن ملجم نے قاتلانہ حملہ کیا۔ آپ جانبر نہ ہو سکے۔

ابن اثیر لکھتا ہے کہ

"ابن ملجم موقعہ پر ہی گرفتار ہوا۔ اس کو نہایت اذیت سے مارا گیا۔ پہلے اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے۔ اس کی زبان پر قرآن کی آیات تھیں۔ زبان کاٹنے لگے تو کہا کہ ایسا نہ کرو۔ میرے باقی اعضاء ایک ایک کر کے کاٹ دو جب تک میں زندہ ہوں اجازت دو کہ میری زبان پر آیات قرآن ہوں۔ ایسا سخت جان تھا کہ سخت اذیت پر بھی اُف تک نہ کی اور برابر قرآن پڑھتا رہا۔"

بعض روایات کے مطابق اس کی لاش جلا دی گئی۔

دمشق میں امیر معاویہ پر بھی صلوٰۃ الفجر کے وقت بحالت امامت حملہ ہوا۔ آپ کا قد دراز تھا۔ اس لئے ضرب کندھے پر پڑی۔ زخم اگرچہ گہرا تھا۔ مگر چند ماہ بعد مندمل ہو گیا۔

جامعہ مصر میں بحالت امامت ایک اور ناکردہ گناہ پر حملہ ہوا۔ عمرو بن العاص اس روز بیمار تھا۔ اس لئے ایک اور شخص فرائض امامت انجام دیتا ہوا مارا گیا۔

اگر ہم آج اپنے زمانہ کے سیاسی حالات کا جائزہ لیں تو اس قسم کے قتل کے اسباب وہی سیاسی ہی ہیں۔ لیکن ان ایام میں جن کا تذکرہ ہم کر رہے ہیں مذہبی جوش میں لوگ مدہوش تھے۔ لیکن ایک بات پتہ کی ہم بھی کہتے ہیں۔ کہ حضرات اثنا عشریہ بھی تو قاتل عمرؓ کے گُن گاتے ہیں اور قتل عثمانؓ پر بغلیں بجاتے ہیں۔ ہم تو اس قسم کے قتل کو انتہائی مذموم

اور بدترین جرم یقین کرتے ہیں۔ اور جو بھی کسی مومن مسلمان کو عمداً قتل کرے اس کی سزا جہنم ہی مقرر ہے۔ بالخصوص خلفاء راشدین پر ہاتھ اٹھانا اور ان کی شان میں ناشائستہ الفاظ کہنا کسی مومن مسلمان سے بعید تر ہے۔

۲۔ دوسرا عیب شہرستانی نے خوارج پر یہ لگایا ہے کہ

"خوارج ان مسلمانوں کی بھی تکفیر کرتے ہیں جو ان کے عقائد کے خلاف ہیں"

"ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند"

کون سا فرقہ ہے جو ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کرتا۔ اور ان کے فتوی کفر پر یقین کیا جائے تو تمام دنیائے اسلام میں ایک مسلمان نہیں۔ ہم تو ان کافر گر فرقوں کو غلطی خوردہ سمجھتے ہیں۔ کاش یہ سلف صالحین کا اتباع کرتے اور کافروں کو مسلمان بناتے۔ یہ مسلمانوں کو اچھے بھلے مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں۔

وائے گر از پس امروز بود فردائی

۳۔ تیسرا فرو قرار داد جرم میں یہ ہے کہ مخالفوں کے بچوں کو بھی تکفیر کرتے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ مسیحیوں کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ کہ جو بچہ اصطباغ نہ پائے جہنم میں جائے گا۔ یہ عقیدہ خوارج کے بعض فرقوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اور بعض فرقے اس کے خلاف تھے۔ بہر حال یہ عقیدہ مسیحیوں کا ہو یا خوارج کا، صحیح نہیں۔

۴۔ چوتھا جرم یہ ہے کہ "زانیہ اور زانی کی سزا رجم تسلیم نہیں کرتے"

قرآن میں تو رجم کی سزا نہیں۔ بلکہ نص قرآنی میں ہے کہ زانیہ زانی سے اور زانی زانیہ سے نکاح کرے۔ اگر سزا رجم ہوتی تو نکاح کی نوبت ہی نہ آتی۔ دوسرے نص موجود ہے کہ لونڈیوں کی سزا زنا آزاد عورتوں سے نصف ہے۔ رجم کا نصف تو ہماری فہم سے بالاتر ہے۔ ہماری تحقیق کی رو سے خوارج اس مسئلہ میں حق پر ہیں۔ نص میں موجود ہے کہ مومن مرد اور مومن عورت پر کسی زانیہ اور زانی سے نکاح حرام ہے۔ ظاہر ہے کہ رجم کے بعد نکاح کا بار بار ذکر بے معنی ہے اور یہ کہ اہل ایمان پر زانیہ یا زانی سے نکاح حرام ہے اور زانیہ یا زانی خود نکاح باہم کریں یا کسی مشرک سے ظاہر ہے کہ بحالت زنا وہ ایمان سے خارج ہیں اور احادیث بھی اس کی تائید میں ہیں کہ زنا کا مرتکب ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ جیا

Hammad
P.O. Box ...
Lah...

Marfat.com

کا یہ عقیدہ بھی قابل گرفت ہے۔

۵۔ پانچواں جرم یہ ہے کہ خوارج تقیہ نہ گفتار میں اور نہ کردار میں جائز قرار دیتے ہیں۔

یہ مسئلہ تقیہ خالص شیعہ اور خوارج میں متنازعہ فیہ ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ جائز ہے اور خوارج کہتے ہیں نا جائز ہے۔ اہل سنت والجماعت خوارج کے ہم نوا ہیں۔ ہم نے اس پر بحث کی ہے نص قرآنی کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ تقیہ کی شرعی "رخصت" ایک خاص حالت میں ہے۔ اس کو فرض و واجب کے تحت نہ لانا چاہیئے۔ اس کی حکمت آیہ "ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة" (۲/۸) میں واضح کی گئی ہے۔ انسانی زندگی سب سے بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے بجان ہے تو جہان ہے۔ انسان جب تک زندہ ہے اس کو اس کمال کے حاصل کی توقع ہے جو اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ علاوہ ازیں کسی ایسی شخصیت کا قتل جس سے قوم کی توقعات وابستہ ہوں بسا اوقات قوم کی تباہی کا موجب ہوتا ہے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور امام حسینؓ ایسی شخصیتیں ہیں کہ ان کا قتل آخر یہ رنگ لایا کہ عرب کے ہاتھ سے خلافت نکل گئی۔ اگر امام حسینؓ تقیہ سے کام لیتے تو آج جو شیعہ و خوارج کا جھگڑا ہے پیدا نہ ہوتا۔ یعنی محض ایک عقیدہ کی وجہ سے شیعہ کے نزدیک واجب القتل ہیں۔ صفوی خاندان نے اس کو عملاً ثابت کیا۔ اور سُنیوں کا قتل عام بھی ردعمل کا تقاضہ کرتا تھا۔ شام میں شیعوں کو نتیجہ بھگتنا پڑا۔

"تقیہ" میں رواداری کا مفہوم پایا جاتا ہے اور خاموش "مدافعت" بھی ہے ہماری تحقیق کی رو سے شیعہ عقیدہ دربارہ تقیہ ایک حد تک صحیح ہے۔ خوارج کا یہ عقیدہ کہ تقیہ نہ قولاً نہ فعلاً جائز ہے۔ اس عقیدہ سے لگا کھاتا ہے کہ حق کا اظہار بے لومتہ لائم کرنا چاہیئے۔ اس میں کچھ کلام نہیں کہ بعض ہستیاں اظہار حق پر اپنی جانیں قربان کر گئیں۔ ان کا نام اور کارنامہ زندہ ہے۔ ان کی تبلیغ کا اثر اس قربانی سے خاطر خواہ ہوا۔ لیکن ہر ایک شخص اس دل و جگر کا آدمی نہیں ہوتا۔ اس لیئے قرآن حکیم

Marfat.com

نے ایک راستہ معقول بتایا ہے کہ سانپ مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ ہجرت سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں۔ آنحضرت صلعم کا اسوۂ حسنہ اور امام اعظم حضرت ابراہیمؑ کا اسوۂ حسنہ اور حضرت موسیٰؑ کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ سب نے ہجرت کی۔

بہرحال اختلاف عقیدہ جو فرعی ہے ایسی بات نہیں کہ کسی مسلمان کی تکفیر کی جائے خود شہرستانی لکھتا ہے کہ

"مسئلہ تقیہ پر خوارج کا بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں ناجائز ہے۔ اور دونوں دلائل آیاتِ قرآنی ہی سے اخذ کرتے ہیں۔"

یہ ایک فقہی مسئلہ ہے کہ کوئی شخص کسی آیات قرآن کا منکر، کافر ہے لیکن اگر کسی آیت کی تاویل کرتا ہے تو وہ منکر نہیں اس لئے کافر بھی نہیں۔

شہرستانی لکھتا ہے کہ

"خوارج سجستان اور خراسان اور کرمان اور کہستان عطیہ کے مذہب پر ہیں۔ نجدہ بن عامر اور نافع بن ازرق میں اختلاف اسی مسئلہ تقیہ پر ہوا۔ نافع کہتا تھا کہ تقیہ حلال نہیں اور نجدہ حلال کہتا تھا۔ نافع آیہ کریمہ "واذا فریق منھم یخشون الناس کخشیۃ اللّٰہ" اور "یقاتلون فی سبیل اللّٰہ لا یخافون لومۃ لائم" سے استدلال کرتا ہے اور نجدہ دلیل میں آیہ کریمہ "الا ان تتقوا منھم تقاۃ" اور "قال رجل من آل فرعون یکتم ایمانہ"

اس مباحثہ میں نافع کچھ نرم پڑ گیا۔ اور کہا کہ حالت تقیہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اہلِ ایمان مقہور ہوں اور اصحاب رسول اللہ مکہ میں مقہور تھے۔ لیکن جب امکان محاربہ ہو تو تقاعد کفر ہے۔ کیونکہ "وفضل اللّٰہ المجاھدین علی القاعدین اجراً عظیماً"۔ محاربہ کی طاقت رکھتے ہوئے تقاعد کفر ہے۔ اب یہ مسئلہ صاف ہو گیا۔ احکام حالات کے تابع ہوتے ہیں۔ جو کچھ حالات کا تقاضہ ہے۔ اسی کے مناسب احکام بھی

Marfat.com

قابل عمل ہیں۔ زمان و مکان کے لحاظ سے حالات مختلف ہیں اس لئے ان کی مناسبت کے ساتھ احکام بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ماسوئی اصولی احکام کوئی حکم مطلق نہیں ہے۔ حالات کے تحت اس کی صورت مختلف ہوگی۔ خوارج اور شیعہ کی غلطی یہی ہے کہ اس کو مطلق سمجھتے رہے۔

احکام شریعت پر ہم نے اپنی کتاب "اصول فقہ اسلامی" میں بحث کی ہے فرقہ زیادیہ صفریہ تقیہ قول میں جائز قرار دیتا ہے مگر عمل میں جائز نہیں سمجھتا۔

آج ہمیں یہ باتیں کتنی مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہیں کہ فرقہ خوارج عجاردہ اور صفتیہ اور میمونیہ وغیرہم میں اختلاف کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ کفار کے نابالغ بچے فوت ہوجائیں تو جہنم واصل ہوں گے یا جنت میں جائیں گے؟ یہی بحث جو انتہائی نامعقول معلوم ہوتی ہے مسیحی علماء میں بھی بہت عرصہ پیشتر موضوع بحث رہی۔ اتنی سی بات پر فرقہ بندی اور تفرقہ پیدا ہوگیا۔

ہمارے زمانہ میں فرقہ وہابیہ جو اب اہل حدیث کہلاتا ہے۔ آمین بالجہر اور رفع یدین پر اپنا تمام زور استدلال صرف کرتا رہا۔ حنفی کہتے کہ آمین خفی اور وہابی کہتے بالجہر واجب یا فرض یا کیا کچھ ہے۔ دونوں کو معلوم نہ تھا کہ لفظ "آمین" عبرانی ہے اور قرآن میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ نہیں ہو یا جلی جزو مذہب نہیں۔ ممکن ہے کہ آں حضرتؐ نے بہ تقلید اہل کتاب "آمین" کہی ہو۔ آنحضرتؐ جب تک کوئی حکم کسی خاص امر میں وحی نہ ہوتا اہل کتاب کا اتباع فرماتے۔ جیسے تحویل قبلہ۔ کسی نے آمین کہی یا نہ کہی میرے نزدیک ایک ہی بات ہے۔

خوارج اور بالخصوص معتزلہ میں ذات و صفات و اسمأ الٰہیہ بھی بحث کا موضوع تھیں اور اختلاف رائے پر علیحدہ علیحدہ فرقے بھی بنے۔

تو کار زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

خوارج میں خاص بحث کا موضوع یہ رہا ہے کہ گناہ کبیرہ کسی مومن سے سرزد نہیں

ہوتا۔ اگر ہو تو مومن نہیں۔

ہم اس موضوع پر بحث کر چکے ہیں۔ صحیح حدیث بھی اس کی تائید میں ہے کہ

"لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مومن"

یعنی کوئی شخص زنا اور سرقہ کا ارتکاب بحالت ایمان نہیں کر سکتا۔

یہ بھی ایک فقہی مسئلہ ہے۔ اس کا اثر حقوق اللہ پر نہیں پڑتا۔ جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے یہ جرائم قابل مواخذہ ہیں اور ان کی انتہائی سزا بھی مقرر ہے۔ نوعیت و حالات جرم کے لحاظ سے عدالت سزا میں کمی بھی کر سکتی ہے۔ مگر انتہائی سزا مقررہ سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ کسی جرم کی سزا بھگتنے کے بعد اور توبہ کے بعد اصلاح کی بھی گنجائش ہے۔ سزا کے بعد کوئی اور سزا اپنی طرف سے تجویز کرنا حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے۔

خارجی فرقہ اباضیہ نے اموی خلیفہ مروان بن محمد کے زمانے میں خروج کیا۔ ان کا یہی عقیدہ تھا کہ ہمارے مخالف ہمارے مذہب کے منکر یا کافر ہیں ویسے مومن اور موحد ہیں۔ اور یہ جو بھی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے کافر بکفران نعمت ہے نہ کافر ملت۔ اور کفار کے بچے اللہ کے فضل سے بہشت میں جائیں گے۔

فرقہ حفیصہ بھی یہی کہتا ہے کہ

"زنا و سرقہ و شرب خمر سے مسلمان کافر نعمت ہوتا ہے مگر شرک سے بری ہے"

فرقہ زیادیہ صفریہ جو زیاد بن اصفر سے منسوب ہے یہ کہتا ہے کہ

"ہر ایک عمل جو گناہ یا جرم ہو اس کی حد مقرر ہے۔ زانی کو زانی اور چور کو چور اور شرابی کو شرابی کہیں گے کافر نہیں کہہ سکتے۔ البتہ وہ کبائر جن کا اثر حقوق اللہ پر پڑتا ہے۔ مثلاً ترک صلوٰۃ کفر ہے۔ کیونکہ مومن اور کافر میں مابہ الامتیاز یہی عمل ہے"

Marfat.com

ان کا عقیدہ ہے کہ

"شرک دو قسم کا ہے۔ ایک شرک طاعت شیطان اور دوسرا عبادت اوثان (بت پرستی) اور کفر بھی دو قسم کا ہے ایک کفر نعمت اور دوسرا کفر ربوبیت۔"

فرقہ یونسیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ

"ایمان اللہ کی اطاعت اور خضوع اور ترک استکبار ہے اور ابلیس کو بھی معرفت توحید حاصل ہے مگر بوجہ تکبر کافر ہوا جس دل میں خضوع ہو اور محبت الٰہی ہو معصیت کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا۔ اگر معصیت میں مبتلا بھی ہو تو یقین و اخلاص کی وجہ سے مضر نہیں۔ مومن اخلاص کی وجہ سے بہشت میں جائے گا نہ عمل و طاعت سے۔"

Marfat.com

Hammad
P.O. Box. No: 27
Lahore

معتزلہ

ہم "اسباب تفرقہ" کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ اسلام میں عجمی عقائد کا داخلہ ایک تو ایران اور دوسرے یونان سے ہوا۔ ایرانی عقائد کا اثر شیعہ اور اس کے مختلف فرقوں میں واضح کیا جا چکا ہے۔ ان عقائد میں مخلوق کو خالق کے مشابہ یا مثل سمجھا گیا ہے۔ یا یہ حلول و اتحاد کے قائل ہیں۔ اس بنیادی عقیدہ کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عصمت انبیاء و امام نے نمایاں جگہ لے لی۔ اور ظاہر ہے کہ انبیاء و رسل اور امام کو اگر صاف لفظوں میں "اللہ" نہ بھی کہا جائے۔ مظہر الوہیت یا کسی اصطلاح سے یاد کیا جائے تو مفہوم ایک ہی ہے۔ کہ ایسا شخص ان انسانی فطری کمزوریوں سے پاک ہے۔ جن میں سے ایک خطا و نسیان بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ حیّ و قیوم ہے۔ امام بھی حیّ و قیوم ہے۔ اکثر فرقوں کا یہ عقیدہ ہے کہ امام ابھی تک زندہ ہیں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ کسی مصلحت کے تحت روپوش ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی تو ہم سے روپوش ہے۔ اور اسباب سے جو اس کے پیدا کردہ ہیں کام لے رہا ہے۔ اسی طرح امام غائب اپنے نائبوں سے کام لے رہے ہیں۔ جب امام ظاہر ہوگا تو اسی طرح عدل و انصاف فرمائے گا۔ جس طرح بروز قیامت اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ امامت کو شیعہ نے بنو ہاشم بالخصوص بنو فاطمہ میں محدود رکھا۔

ہم واضح کر چکے کہ شیعہ اور خوارج کی ابتدا سیاسی تنازعات و اختلافات سے ہوئی۔ اب ہم ایک اور فرقہ کا تذکرہ لکھتے ہیں جو سیاسیات سے الگ رہا۔ اس پر فلسفہ یونان کا اثر تھا۔ اس فرقہ کو فلسفہ یونان سے اتنی واقفیت نہ تھی جیسی کہ آج ہمیں ہے

Marfat.com

مگر اتنی بات ضرور تھی کہ یہ لوگ معقول پسند تھے۔ ہر ایک عقیدہ کو میزان عقل میں تولا ان کی بحث کا موضوع الٰہیات ہی رہا۔ اس لئے ذات وصفات باری تعالیٰ کے متعلق جو کچھ عقائد تھے انہی کو زیر بحث لائے۔ جاحظ "حیوان" میں اتنا تسلیم کرتا ہے کہ معتزلہ نے لوگوں کی قوت فکریہ میں ایک حرکت پیدا کر دی۔ اور مفید راستہ کھولا۔

معتزلہ کے بنیادی عقائد پانچ ہیں جن کو پانچ ارکان کہنا چاہیئے۔

۱۔۔۔ قل ھو اللہ احد — القول بالتوحید

۲۔۔۔ اللہ عادل ہے — القول بالعدل

۳۔۔۔ سزا وجزا اعمال کے مناسب دیتا ہے۔ — القول بالوعد والوعید

۴۔۔۔ گنہگار مسلمان بے دین تو نہیں لیکن فاسق ضرور ہو جاتے ہیں۔ — منزلۃ بین المنز

۵۔۔۔ واجب ہے کہ انسان راستباز اور راستی کا حامی ہو اور گمراہی اور بدی کی مزاحمت و مدافعت کرے۔ — امر بالمعروف ونہی عن المنکر

ان کی تشریح مسعودی نے مروج الذہب میں اور ابن حزم اور دیگر مورخین نے کی ہے۔

معتزلہ پر یہ الزام عموماً عاید کیا جاتا ہے کہ وہ ذات باری تعالیٰ کو منزہ صفات یقین کرتے ہیں۔ غالباً اسی لئے مخالفین نے ان کو "معتزلہ" سے مخاطب کیا۔ یعنی "معطلہ" جو ذات کو صفات سے علیحدہ کرتے ہیں۔ صفات سے ان کو انکار نہیں۔ مگر ان کی توجیہہ وہ اور طرح کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض فرقوں نے جو انسان اور خدا کے اسماء وصفات میں مشابہت یا مماثلت یا عینیت پیدا کر رکھی ہے معتزلہ اسے تسلیم نہیں۔ وہ "لیس کمثلہ شیٔ" پر زور دیتے ہیں اور "ھو السمیع البصیر" کی تاویل کرتے ہیں۔

"معتزلہ" کی وجہ تسمیہ ایک یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ

ایک شخص حسن بصری کے پاس آیا اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ہے جو کہتی ہے کہ جو شخص کبائر کا مرتکب ہو وہ کافر ہے۔ اور یہ فرقہ

Marfat.com

"وعیدیہ خارجی" ہے۔ جو ایسا کہتا ہے۔ دوسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ گناہ خواہ کبیرہ ہو ایمان کے لئے مضر نہیں کیونکہ عمل رکن ایمان نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی گناہ ایمان کے لئے ضرر رساں نہیں جیسے کوئی نیک عمل کفر کے ساتھ مفید نہیں۔ اس فرقہ کو "مرجیہ" کہتے ہیں۔ یہ افراط و تفریط جو ان مذاہب کے عقائد میں ہے۔ ان کی نسبت آپ کا کیا ارشاد ہے۔

حسن بصری تو تھوڑی دیر مراقبہ میں گئے۔ واصل بن عطا آپ کا شاگرد موجود تھا۔ اس نے کہا کہ میں بتاتا ہوں۔ افراط و تفریط کے درمیان عدل یہ ہے۔ اس لئے جو کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا نہ تو مطلقاً مومن ہے اور نہ مطلقاً کافر۔ ایمان و کفر کے درمیان ایک منزل ان دو منزلوں میں ہے، اس کے بعد اٹھ کر مسجد کے ایک ستون کی اوٹ جا بیٹھا۔

خواجہ حسن بصری نے کہا کہ ابن عطا ہم سے الگ جا بیٹھا۔ "عزلت" پکڑی۔ اس لئے اس فرقہ کا نام "معتزلہ" ہوا۔ جو عزل سے مشتق ہے۔

اس کے بعد جیسا کہ شہرستانی نے "ملل والنحل" میں لکھا ہے۔ خواجہ حسن بصری نے فرمایا کہ:۔

"ایمان سے مراد خصائل نیک ہیں۔ جس میں یہ خصائل جمع ہوں ہم اسے مومن کہتے ہیں۔ اور اس اسم سے اس کی مدح کرتے ہیں اور فاسق وہ کہ جس میں نیک خصائل جمع نہ ہوں اس لئے وہ مستحق مدح بھی نہیں۔ جب ہم کسی کو "فاسق" سے مخاطب کرتے ہیں تو اس کی مذمت بوجہ خصائل ذمیمہ کر لیتے ہیں۔ لیکن اس کو مومن کافر بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ کلمہ کریمہ کی شہادت کا قائل ہے اور کچھ نیک عمل بھی اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ البتہ جو شخص کبائر کا مرتکب ہو۔ توبہ نہ کرے اور مر جائے تو ضرور جہنم واصل ہوگا۔ مگر اس پر بھی اس پر عذاب کم بہ نسبت مطلق کفار کمتر

Marfat.com

ہوگا۔

ہم نہیں سمجھ سکے، کہ خواجہ صاحب نے کیا بات واصل بن عطا کی تردید میں کہی۔ البتہ اسی کی رائے کی تشریح کردی کہ "گنہگار مسلمان کافر مطلق نہیں ہوتا" معلوم نہیں کہ اس لفظی بحث میں کیا رکھا ہے۔ خوارج بھی یہی کہتے ہیں کہ کبائر کا مرتکب کافر نعمت ہے کافر ملت نہیں اور مرجئیہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اور معتزلہ بھی دوسرے لفظوں میں یہی کچھ کہہ رہے ہیں۔

واصلیہ یہ فرقہ معتزلہ پہلا فرقہ ہے جو واصل بن عطا سے منسوب ہے۔ اس فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام عقلا کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ ایک ہے اور دو اللہ قدیم نہیں ہو سکتے اس لئے اگر اثبات غیر ذات کیا جائے تو دو اللہ قدیم ہوں گے جو محال ہے۔ ذات واحد ہے اس میں تعدد کا وجوب شرک ہے۔ اس لئے اگر صفات کو غیر ذات تسلیم کریں تو تعدد لازم آتا ہے اور یہ شرک ہے۔ البتہ اس کے دو صفات علم و قدرت جو در اصل ایک ہی صفت علم ہے عین ذات ہے۔ ایک شخص کو کسی شے کے بنانے کا علم ہے اگر نہ بنائے تو اس علم کی نفی نہیں ہوتی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ذات واحد کامل ہے۔ انسان کو کسی شے کے بنانے کے لئے اسباب کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم بلا سبب اشیاء خلق فرماتا ہے جس کا اسے علم ہے یعنی اسے دوسری صفات کی مدد کی ضرورت نہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ جب ہم کسی شے کو متشخص و معین کریں گے تو غرض یہ ہے کہ اس کو اپنے احاطۂ تصور میں لائیں۔ اس طرح اس کو محدود بناتے ہیں۔ غیر محدود کا تصور انسان کر ہی نہیں سکتا۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم و غفار و جبار وغیرہم ہے تو ہم ان اسماء و صفات سے متشخص کرتے ہیں اور غرض یہی ہے کہ اس کو اپنے احاطہ تصور میں لائیں۔ اس طرح ذات باری تعالیٰ معین و متشخص ہو کر محدود ہو جائے گی۔ لیکن قرآن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ بیان کئے گئے ہیں۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ معرفت امثال ہی سے ممکن ہے۔ تا ممکن ہے کہ اضداد یا۔۔۔

Marfat.com

دوسرے کو پہچانیں۔ نور پر ظلمت کا اور ظلمت پر نور کا ہم قیاس نہیں کر سکتے۔ اس لئے اگر کسی کو دعویٰ معرفت باری تعالیٰ ہے تو زیادہ سے زیادہ وہ اس کو اپنی مثل ہی قیاس کریگا۔ مگر "لیس کمثلہ شئی" وہ تو کسی شے کی مثل جیسا نہیں ہے۔ لیکن ہمیں سمجھانے کے لئے یا ایک کیفیت ہمارے ذہن میں پیدا کرنے کے لئے فرمایا کہ وہ سمیع و بصیر ہے۔

جب کسی شے کی مثل نہیں تو ثابت ہوا کہ جو کچھ غرض اور مقصد سمع و بصر کا ہے اس کی کیفیت ہمارے ذہن میں آسکتی ہے مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ہماری طرح سمیع و بصیر ہے۔ معتزلہ جب یہ کہتے ہیں کہ ذات الٰہی منزہ صفات ہے تو ان کا مدعا یہ ہے کہ اس کو انسانی صفات پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔ جو کچھ وہ ہے وہاں تک ہمارے علم کی جو قلیل ہے رسائی نہیں۔

چنانچہ ارشاد قرآن ہے کہ:۔

"خالق کل شئی فاعبدوہ وھو علی کل شئی وکیل۔ لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار، وھو اللطیف الخبیر۔" (۶/۱۹)

"ہر ایک شے کا خالق ہے تو اسی کی بندگی کر۔ اور وہ ہر ایک شے پر وکیل ہے۔ (انسانی) نظریں اس کا درک نہیں کر سکتیں اور اسے نظروں کا درک ہے۔ اور وہ لطیف اور خبیر ہے:"

منزہ ذاتش از چند و چہ و چوں　　　تعالیٰ شانہ عما یقولون

از و ہر چہ بگفتند از کم و بیش
نشانے دادہ اند از دیدہ خویش

ان آیات میں ایک کیفیت پیدا کی گئی ہے کہ ہم باری تعالیٰ کی نسبت کچھ سمجھ سکیں ورنہ عارف رومی نے سچ کہا ہے کہ

"آنچہ در اندیشہ نایدآں خدا است"

تمام صوفی بزرگ معتزلہ ہی تھے۔

Marfat.com

ارشاد قرآن ہے کہ "اللہ نور السمٰوٰت والارض" یہ اسی کا نور ہے کہ اشیا اس کی روشنی میں نظر آرہی ہیں بلکہ "ھو یدرک الابصار" ہماری نظروں میں بصارت اور دلوں میں بصیرت اسی نور کی پیدا کردہ ہے۔

ہم نے "غلات" کے فرقوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے عقاید کا جائزہ لو تو "علی العرش استوی" سے یہ عقیدہ اخذ کیا کہ اللہ ایک جہت سے محدود ہے اور عرش سے یہ جہت ملتی ہے۔ یہ عقاید ہیں جن کو معتزلہ مسترد کرتے ہیں اور حق بجانب ہیں۔ تشبیہ۔ اور تمثیل سے باری تعالیٰ منزہ ہے۔ لیکن ہم اس کے بغیر سمجھ نہیں سکتے۔ اس لئے قرآن میں ہمیں سمجھانے کے لئے امثال بیان کی گئی ہیں۔ مگر کوئی مثل ایسی نہیں جس سے وہ اپنی ذات کو تعبیر کرتا ہو۔ اسما و صفات ہیں اور اس کی نفی کی گئی ہے کہ وہ انسانی اسما و صفات کی مثل ہیں۔

آج ذہنی ارتقا کے ساتھ جس طرح ہم ان مسائل کو سمجھ سکتے ہیں۔ آج سے ایک ہزار برس پہلے معتزلہ نہیں سمجھے۔ اس لئے وہ موزوں الفاظ میں اپنے تصور کو واضح نہ کر سکے اور ان کا تصور بھی دھندلا ہی تھا۔ اس لئے غلط فہمی کا موجب بھی ہوا۔ ہم اسے ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

ارشاد قرآن ہے کہ

"وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیاً او من ورآیٔ حجاب او یرسل رسولاً فیوحی باذنہ ما یشآء، انہ علیٌ حکیمٌ وکذلک اوحینا الیک روحاً من امرنا ما کنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان ولکن جعلنٰہ نوراً نھدی بہ من نشآء من عبادنا و انک لتھدی الیٰ صراطٍ مستقیم، صراط اللہ الذی لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض الا الی اللہ تصیر الامور" (۴۲/۵۱-۵۳)

"کسی بشر میں یہ تاب و طاقت نہیں کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر (اس کی ایک صورت یہ ہے کہ) وحیاً (اور دوسری یہ کہ) پردہ کی اوٹ یا (تیسری یہ ہے) کوئی رسول بھیج دیتا ہے تو وہ (عوام کو) وہی کچھ اللہ کے اذن سے وحی کرتا ہے (جو بلفظہٖ اسے ہوتی ہے)

تحقیق اللہ بلند مرتبہ حکمت والا ہے اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے امر سے ایک روح (کلام) وحی کیا تو نہ جانتا تھا کہ کتاب (فطرت) کیا ہے اور نہ ایمان سے واقف تھا لیکن ہم نے اسے نور بنایا ہے ہدایت کرتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں۔ تحقیق تو البتہ ہدایت کرتا ہے۔ سیدھی راہ کی طرف اس راہ کی طرف جو اللہ کی ہے جس کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔ خبردار رہو کہ تمام امور کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا کلام حقیقت مجردہ ہے اور حرف وصوت سے منزہ ہے۔ ناممکن ہے کہ انسان کو حقیقت مجردہ کا احساس تک ہو۔ جب تک وہ کسی صورت میں رونما نہ ہو اس کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک بصورت "وحی" اور دوسری "من وراء حجاب"۔ تمام اشیا عمل زیر وحی کر رہی ہیں۔ وحی میں غلطی نہیں۔ اس لئے غلطی اشیا نہیں کرتی۔ شہد کی مکھی جو کچھ عمل کرتی ہے وحیاً کرتی ہے۔ اس کو کسب و اکتساب کی ضرورت نہیں وہ سب کچھ فطرۃً کرتی ہے اور علی ہذا القیاس لیکن ماسوی انسان کوئی جاندار ترقی نہیں کرتا۔ انسان غلطی کرتا ہے مگر ترقی بھی کرتا ہے اس لئے ترقی کا راز اس کی غلطی میں مضمر ہے۔ اس لئے واجب ہے کہ انسان غلطی کرے اور اگر نہ کرے تو وہ انسان نہ ہوگا۔ اس لئے کوئی انسان بحیثیت انسان معصوم عن الخطا نہیں۔ انسان کو وحی بلفظہ ہوگی۔ معانی مجردہ کا احساس ناممکن ہے۔ بے کسوت عبارت معانی کا انکشاف اس پر ممکن نہیں۔ انسانی قلب میں کوئی خیال بلا الفاظ پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ الفاظ کیا ہیں؟ اشارات ہیں۔ اس لئے ہر ایک مہبط وحی کو اس کی قومی یا مادری زبان ہی میں وحی ہوگی۔ جو کچھ دل میں ہے وہی زبان پر آتا ہے۔ زبان ایک بے شعور آلہ ہے۔ وحی کا سرچشمہ صحیفہ کائنات ہے جو صحیح معنی میں الکتاب ہے۔ لا ریب فیہ قرآن اسی کا بیان اور اسی کی تفصیل ہے۔ "ھذا بیان للناس" اور "تفصیل الکتب لا ریب فیہ"۔ اس موضوع پر جو مستقل ہے ہم نے علیحدہ بحث کی ہے ارشاد قرآن ہے کہ "اتل ما اوحی الیک من الکتب" (پ ۲۱) صحیفہ کائنات

Marfat.com

ہیں جو کچھ محسوس ہو رہا ہے محض صورتیں ہیں۔ انہی صورتوں میں حقیقت جلوہ نما ہے۔
"حجاب"، یہی صورتیں ہیں اور من وعن ان کا نقش ہمارے قلب پر بالارادہ اور بلاارادہ پڑتا ہے۔ جو کچھ خارج میں ہے۔ وہی کچھ ہمارے قلب میں ہے ظاہری حواس سمع ▪ بصر کا کام اتنا ہی ہے کہ ان صورتوں کے عکس یا "ظل" کو (لسان قرآن کے لفظوں میں) ہمارے آئینۂ دل پر لے آئیں۔ اس کے بعد قلب کی قوتوں کا عمل شروع ہوتا ہے۔ اگر ہمارا قلب سلیم ہو اور کباڑ خانہ نہ ہو جیسا کہ عوام کالانعام کا ہوتا ہے تو خواب یا رویا میں بھی ہم ان صورتوں کو اسی نظم و نظام میں مشاہدہ کریں گے جیسا کہ بیداری میں کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بیداری میں ہم بالارادہ اور خواب یا رویا میں بلاارادہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ بیداری میں تذکر و تدبر و تفکر یعنی عقلاً کرتے ہیں اور خواب میں بلاارادہ، یہ حقائق اشیا جو اشیا کی صورتوں میں رونما ہوتے ہیں ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور فطری زبان میں ہم سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ فطری زبان یہی تصویری زبان ہے۔ صحیفہ کائنات کتاب مصوّر ہے

"وکاین من ایۃ فی السمٰوٰت والارض یمرّون علیہا وھم معرضون ۝ ومایؤمن اکثرھم باللہ الّا وھم مشرکون" (۱۰۵/۱۲)

"اور (صحیفہ) کائنات سماوات والارض میں بے شمار آیات ہیں کہ (ان کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں اور یہ ہیں کہ یونہی ان پر سے گزر جاتے ہیں اور متوجہ نہیں ہوتے۔ اور (اگر بے توجہی سے دیکھتے بھی ہیں تو) اکثر اللہ پر ایمان لاتے ہوئے بھی شرک کیا کرتے ہیں"

جب ہم بالارادہ متوجہ نہیں ہوتے تو ایسی حالت میں جبکہ ظاہری حواس معطل ہوتے ہیں یہی صورتیں خواب میں رونما ہوتی ہیں اور ہمیں پھر اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ المختصر کلام اللہ ہم سے انہی دو صورتوں میں فرماتا ہے ایک وحیًا جس میں غلطی نہیں۔ دوسرے "من وراء حجاب" غلطی اس میں بھی نہیں۔ لیکن چونکہ اس کی تعبیر یا "تاویل" (لسان قرآن کے لفظوں میں) ہم عقلاً کرتے ہیں۔ ہم غلطی بھی کرتے ہیں۔

تاویل اس مناسبت مشاہدہ ہے۔ جو اشیا کی صورتوں کو حقائق اشیاء کے ساتھ ہے۔ اس مناسبت میں زمان و مکان کا بھی لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اور صاحب رویا کے طبعی رجحان وغیرہ کو بھی دیکھنا ہوتا ہے۔ مثلاً آنحضرتؐ نے خواب میں دیکھا کہ مکہ معظمہ میں اصحاب کے ساتھ امن کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں اور اطمینان کے ساتھ مناسک حج ادا کر رہے ہیں۔ آنحضرتؐ کو یقین تھا کہ یہ خواب پورا ہو کر رہے گا چنانچہ اصحاب کے ساتھ مکہ کی طرف چل پڑے مگر جب "حدیبیہ" پر آتے تو کفار مکہ کو سامنے صف آرا دیکھا۔ اگر آنحضرتؐ مقابلہ پر اتر آتے اور کفار کو شکست بھی ہوتی۔ خواب کی تعبیر صحیح نہ ہوتی، کیونکہ خواب میں دکھایا گیا تھا کہ آپ امن کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں۔ ویسے بھی "مکہ" جائے امن ہے اور یہاں جنگ و جدل ممنوع ہے۔ آنحضرتؐ فوراً سمجھ گئے کہ رویا کے پورا ہونے کا یہ مناسب وقت نہ تھا۔

"لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ امنین محلقین رءوسکم و مقصرین لا تخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذلک فتحاً قریبا۔" (۲۶/۱۲)

"تحقیق اللہ نے اپنے رسول کا سچا خواب سچ ہی دکھایا کہ تم ضرور مسجد حرام میں اللہ کی مشیت کے تحت امن سے داخل ہو گے۔ اپنے سر کے بالوں کو منڈواتے اور کترواتے بلاخوف و خطر پس اللہ کو تو معلوم تھا جو تم نہیں جانتے تھے، پس کر (اس رویا کی تعبیر) اس کے علاوہ فتح مکہ نزدیک تر ہے۔"

مکہ میں امن کے ساتھ داخلہ اور مناسک حج بلاخوف ادا کرنا اسی صورت میں ممکن تھا کہ مکہ فتح ہو جاتا اور فتح بلاجنگ و جدل ہوتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خواب کی تعبیر فتح مکہ تھی۔ غور کرنا چاہیے کہ آنحضرتؐ کو بھی "تاویل" میں غلطی ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو ذبح کرتے رویا میں دیکھا تو تاویل میں غلطی کی۔ تاویل یہ تھی کہ بیٹے کو وادِ غیر ذی زرع میں بسانا ہے۔ یہ بہت بڑی قربانی تھی۔ اسی طرح اہل علم و حکمت جب تذکر و تفکر سے کام لیتے ہیں۔ انہی اشیاء کائنات کی صورتوں میں حقائق

کی تلاش کرتے ہیں تو اکثر غلطی بھی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کلام تو ہر ایک شے سے فرماتا ہے۔ جہاں تک عالم انسانی کا تعلق ہے کلام وحیًا یا من وراء حجاب ایک ہی شخص سے فرماتا ہے۔ دُور جانے کی ضرورت نہیں تمام علمی انکشافات ہر ایک زمانہ میں فرداً فرداً ایک ہی شخص پر ہوتے ہیں۔ اگر محض عقلاً ہوتے تو ہر ایک اہل عقل پر ہوتے۔ "نیوٹن" اپنے زمانہ میں کوئی ایسا آدمی نہ تھا کہ عقل میں اس کا مقام سب سے ارفع و اعلیٰ تھا۔ مگر ایک آیت کی طرف اس کی توجہ ہوئی جو ہر ایک زمانہ میں ہر ایک جگہ واقع ہوتی رہتی ہے۔ مگر کسی کی توجہ اس طرف کبھی نہ ہوئی۔ اس نے مسئلہ کشش ثقل دریافت کر لیا۔ کشش ثقل اس کی شخصیت سے بے نیاز ہے۔ وہ پیدا نہ ہوا تھا کہ اس کا عمل آفرینش سے جاری ہے۔ مر گیا تو ویسے ہی سرگرم عمل ہے اسی علمی انکشاف کا فائدہ سب کو یکساں ہے جو بھی اٹھانا چاہے۔ کچھ نیوٹن کے لئے خاص نہیں۔ اسی طرح دین اللہ بھی رسولوں اور انبیاء کی شخصیت سے بے نیاز ہے۔ اس کا انکشاف ان پر ہوا۔ انہوں نے بخل سے کام نہیں لیا۔ اس کا فائدہ ہر ایک شخص اٹھا سکتا ہے۔ جو منکر ہو خسارہ میں رہے گا۔ دین کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

ہم نے یہ مثالیں اس لئے پیش کی ہیں کہ معتزلہ کے عقاید سمجھنے میں غلط فہمی نہ ہو معتزلہ نے "کلام" کو بلیغ عبارت میں اس لئے ادا نہ کیا کہ اس کی حقیقت کا تصور ان کے ذہن میں بھی صاف صاف میسر نہ تھا۔ اور غلط فہمی سے ایسی الجھنیں پیدا کر دیں کہ جب یہ عقیدہ کہ قرآن مخلوق ہے حکومت وقت کا راج دھرم ہو گیا تو کئی ناکردہ گناہ جو اس عقیدہ کے مخالف تھے مصائب میں مبتلا ہو گئے۔ امام احمد حنبل سی شخصیت بھی نہ بچ سکی۔

معتزلہ کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید عقلاً معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے "وحی" کے بغیر بھی اہل عقل و حکمت توحید پر ایمان لا سکتے ہیں۔ یہ عقیدہ بھی غلط فہمی کا موجب ہوا۔ اور مخالفین نے یہ سمجھا کہ معتزلہ سرے سے "وحی" کے منکر ہیں۔ چونکہ معتزلہ کو

Marfat.com

حقیقت وحی کا علم نہ تھا۔ اس میں بعض فرقوں نے اتنا غلو کیا کہ وحی کی ضرورت سے انکار کر دیا۔

ہم نے "وحی" پر علیحدہ بحث کی ہے۔ یہ ایک مستقل اہم موضوع ہے۔ چند اشارات سطور مذکورہ میں لکھ چکے ہیں جو فہم و تفہیم کے لئے سردست ہمارے لئے جہاں تک ہمارے موضوع کا تعلق ہے کافی ہیں۔ یہ "وحی" ہی ہے جس سے تمام نظام عالم قائم ہے۔ عالم انسانی تو صرف کرہ ارض کے ایک حصہ پر آباد ہے اور کرہ ارض نظام شمسی میں ایک ذرہ ہے۔ تمام کائنات کے مقابلہ میں اس کی کیا حقیقت ہے۔ معتزلہ کا یہ دعویٰ کہ عقلاً توحید پر بغیر وحی اہل عقل کا اتفاق ہے یا ہو سکتا ہے۔ صریحاً غلط ہے۔ کسی زمانہ میں علماء و حکماء کا کسی نظریہ پر کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ اور اکثر اہل عقل مادی کائنات ہی کو قدیم اور قائم بالذات سمجھتے رہے۔ معتزلہ کی عقل شاید الجھی تھی کہ ان کا اتفاق عقلاً توحید پر ہوا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ آیات قرآن اس امر کی تائید میں ہیں کہ توحید پر اہل علم کی شہادت بھی ہے۔

"شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملٰئکۃ واولوالعلم قائماً بالقسط ط لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم۔" (۳:۱۸)

"اللہ نے گواہی دی کہ نہیں کوئی معبود مگر وہی اور ملائکہ اور علم والوں نے جو قسط پر قائم ہیں گواہی دی کہ نہیں کوئی اللہ مگر وہی اللہ جو غالب حکمت والا ہے۔"

اس آیت میں اہل علم کے ساتھ "قسط" کی شرط ہے۔ "قسط" اور "عدل" میں یہ فرق ہے کہ "عدل" تو وہ "میزان" ہے جو کائنات میں اللہ تعالیٰ نے وضع فرمائی ہے۔ (والسماء ووضع المیزان) اسی نے اس عالم اضداد و اختلاف میں توازن قائم رکھا ہے۔ انسان ایسا عدل خود اپنے وجود میں بھی قائم نہیں رکھ سکتا اگر کوشش کرے تو "قسط" قائم رکھ سکتا ہے۔ اہل علم جو قائم بالقسط ہیں۔ متضاد آرزوؤں اور نفسانی خواہشات سے الگ ہو کر جو کچھ بھی [illegible] سے مشاہدہ کریں گے وہ بلا تشبیہ توحید پر شہادت دیں گے۔ لیکن ایسی حالت تو شاذ ہی ہوتی ہے۔ انبیاء اور رسل جو آنحضرت سے پیشتر گزرے تعاون سے خالی نہ تھے ارشاد قرآن ہے کہ:۔

"وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي الا اذا تمنى القى الشيطان فی امنیتہ ۔ (۱۷/۱۲)

"اور تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی بھیجا کہ اس نے آرزو کی ہو اور شیطان نے اس آرزو میں القاء نہ کیا ہو"

ہم واضح کر چکے ہیں کہ محض عقلاً کوئی نظریہ ایسا نہیں کہ جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو بہر حال اگر اہل علم خالی الذہن ہو کر کائنات کا مشاہدہ کریں اور اس کی تخلیق اور اختلاف لیل و نہار ہی تذکر و تفکر سے کام لیں تو ان پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کائنات باطل نہیں قرآن میں سب سے مقدم شہادت اللہ کی ہے ۔ اللہ اپنی توحید اور الوہیت پر شہادت انہی آیات کائنات میں دے رہا ہے ۔ اور ہم واضح کر چکے ہیں کہ اس کی دو ہی صورتیں ہیں ایک وحیاً اور دوسری "من وراء حجاب" ۔ اور یہ کہ وحی کے فہم میں غلطی نہیں ۔ مگر من وراء حجاب کے فہم میں غلطی کا احتمال ہے ۔

قرآن میں اور آیات بھی ہیں جن سے اس دعوی کی تائید ہوتی ہے کہ اہل علم شہادت توحید پر دیتے ہیں ۔

"بل هو ایت بینت فی صدور الذین اوتوا العلم" (۲۱/۴)

بلکہ وہ آیات جن کو علم دیا گیا ہے ۔ ان کے سینہ میں ہیں ۔

لیکن سوال "علم" کا ہے کہ کس طرح حاصل ہوتا ہے ۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ وحیاً یا من وراء حجاب " لیکن وحی کی شہادت مقدم اور قطعی ہے جس میں غلطی نہیں ۔

معرکتہ الآرا مسئلہ جس پر معتزلہ نے اپنی قوت استدلال صرف کی خیر و شر یا قدر و جبر کا ہے ۔ واصل بن عطا کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالی حکیم اور عادل ہے ۔ اس لئے اس کے عدل کے تقاضا کے خلاف ہے کہ ظلم و شر کو اس سے منسوب کیا جائے اور نہ ایسے ارادہ کو منسوب کیا جا سکتا ہے کہ اپنے بندوں سے وہ بات چاہے جو اس کے امر و حکم کے مخالف ہو اور پھر ان کو جزا بھی دے ۔ لاجرم فاعل خیر و شر و کفر و ایمان و طاعت و معصیت بندوں کا فعل اختیاری ہے اور اللہ تعالی ان کی جزا و سزا انہی کے مناسب

Marfat.com

دیتا ہے اور دے گا۔ شہرستانی لکھتا ہے کہ

"میں نے ایک رسالہ پڑھا ہے جو خواجہ حسن بصری سے منسوب ہے۔ عبدالملک مروان نے ایک مکتوب آپ کو لکھا اور سوال مسئلہ قدر کے بارہ میں کیا۔ اس میں جواب مذہب قدریہ کے عقاید کے مطابق دیا گیا ہے۔ اس رسالہ میں آیات قرآن اور استدلال عقلیہ سے بھی کام لیا گیا ہے۔"

شہرستانی کی یہ رائے ہے کہ قدریہ معتزلہ کا مذہب ہے اس لئے یہ جواب مکتوب واصل بن عطا کا معلوم ہوتا ہے۔ اور واصل شاگرد خواجہ حسن بصری کا تھا۔ ایسے ہی عقاید پر واصل نے علیحدگی (اعتزال) اختیار کی۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ جبر و اختیار یا قدر مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں عرصہ تک زیر بحث رہا۔ اور جبریہ اور قدریہ فرقے بھی دست و گریباں رہے۔ معتزلہ قدریہ ہیں۔ ان کا عقیدہ جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ہے۔ یہ ہے کہ خیر و شر وغیرہ بندوں سے منسوب ہے۔ اور اگر اللہ سے منسوب کیا جائے تو انسان پر منجانب اللہ جبر عائد ہوتا ہے جب کسی سے ایک عمل جبراً کرایا جائے۔ پھر اس کو اسی عمل کی سزا یا جزا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے عدل کے خلاف ظلم ہوگا۔ اور نص قرآن سے ثابت شدہ ہے کہ اللہ عادل ہے ظالم نہیں اور یہ کہ انسان ہی خود اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ یہ بھی نص قرآن سے ثابت شدہ ہے کہ

"ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک" (۴/۵)

"جو بھلائی تجھے پہنچتی ہے وہ تو اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس سے ہے۔"

معتزلہ کا یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے خیر ہی کا ارادہ فرماتا ہے صحیح ہے۔ لیکن معتزلہ اور ان کے مخالف اشعریہ دونوں نہ سمجھ سکے کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ اگر انسان صاحب اختیار ہے تو خیر و شر اسی سے منسوب ہوگا اور اگر مجبور ہے

تو دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ نہیں جو قدریہ اور جبریہ کہتے ہیں۔ خیر کی ضد شر، "حسنہ" کی ضد سیئہ" جبر کی ضد اختیار ہے۔ ایک کی تصدیق دوسرے کے تصور کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور یہ بالبداہت ثابت شدہ حقیقت ہے کہ خیر و شر دونوں موجود ہیں چونکہ اللہ تعالےٰ ہر ایک شے کا خالق ہے اس لئے خالق خیر و شر بھی ہے۔ لیکن یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ چونکہ وہ خالق و خیر و شر ہے اس لئے اپنے بندوں کو مجبور کرتا ہے کہ ایسا عمل کریں کہ شر میں مبتلا ہوں۔

یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دنیا میں نہ کوئی شے خالص اچھی اور نہ خالص بُری ہے۔ ہر ایک شے میں دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ آگ کا خاصہ ہے جلانا۔ اسے نباتات اور حیوانات بھی فطرۃً جانتے ہیں۔ نباتات اور حیوانات ایسی شے سے جو ان کی زندگی کے لئے مضر اور مہلک ہے دُور اور نفور رہتے ہیں۔ انسان بھی جانتا ہے کہ آگ نہایت مفید شے ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہے کہ ارادۃً یا بلا ارادہ بوجہ غفلت۔

"چو یک دم اندراں رفتہ بسوزد"

انسان اس سے مفید کام بھی لے سکتا ہے اور اپنا یا کسی دشمن کا گھر بھی جلا سکتا ہے اس سے خیر یا شر کسب کرنا اس کا اپنا اختیار ہے۔ اگر وہ خیر کسب کرتا ہے تو یہ فطرۃً پسندیدہ امر ہے اور اگر شر کسب کرتا ہے تو مذموم ہے۔ اور تقاضائے عقل بھی یہی ہے کہ انسان خیر ہی کسب کرے۔ یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شے میں شر کی قابلیت ہی کیوں رکھی، نہ ہوتی نہ انسان کسب کرتا جہالت ہے۔ یہ ایسا ہی سوال ہے کہ اللہ نے انسان کو کیوں خلق کیا نہ ہوتا نہ شر کسب کرتا۔ غرض ہر ایک شے میں دونوں امکانات موجود ہیں۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ($\frac{۲۹}{۱۹}$)

ہم نے اس کو راستہ بتا دیا۔ یا شکر گزار ہوتا ہے یا کفر کرتا ہے

اللہ تعالےٰ نے کچھ تو فطرۃً اور کچھ عقلاً انسان کو خیر و شر سے آگاہ کر دیا ہے یہ اس کا اختیار ہے کہ خیر کسب کرتے ہوئے شکر کرے کہ اللہ کی نعمت ہے اور اگر شر کسب کرتا ہے تو

Marfat.com

اس کا وبال بھی اس پر پڑتا ہے کہ اس نے خود شر اپنے لئے پسند کیا۔ اس کو اپنے اعمال کی جزا و سزا بھی اسی خیر و شر میں مل جاتی ہے جو وہ کسب کرتا ہے۔ اللہ کے ہاں جبری ایمان و عمل قابل قبول نہیں اور عقلاً ہونا بھی نہ چاہیئے۔

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ (۲/۲۵۶)

"دین میں کوئی (جبر و) اکراہ نہیں۔ تحقیق ہدایت و گمراہی میں نمایاں امتیاز ہو چکا ہے (اور انسان علی نفسہ بصیرۃ ہے)

اللہ تعالیٰ خالق خیر و شر ہے لیکن وہ اپنے بندوں کے لئے پسند فرماتا ہے کہ از خود خیر ہی کسب کریں اور شکر کریں۔ اگر وہ خود شر کسب کریں تو جو شر کا خاصہ ہے اس کا عمل تو ہو کر رہے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے کہ اگر بوجہ جہالت یا غفلت بلکہ ارادۃً شر کسب کریں تو بازگشت کی توفیق وہی دیتا ہے اور بگڑی بنانے والا کارساز بھی وہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نور و ظلمت کا خالق ہے لیکن پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے نور میں داخل ہوں۔ یہ ایسی سیدھی سادی باتیں ہیں کہ تعجب ہوتا ہے کہ ان قدریوں اور جبریوں پر کیا وحشت سوار تھی کہ اس میں موشگافی کرتے ہوتے ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتویٰ صادر کرتے رہے۔ ملاحظہ کیجئے ان کے مسائل موضوعہ جو ان کی گرما گرم بحث کا موضوع تھے:۔

۱۔ اگر انسان کسی حادثہ سے مر جائے تو کیا وہ "اجل مسمی" ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر اتنی ہی مقرر کی تھی اور یہ مقدر ہو چکا تھا کہ وہ حادثے سے اپنے وقت مقررہ پر مر جائے گا۔

۲۔ حیوانات کا حشر کیسے ہوگا۔ کیا ان کو بھی اس کا اجر ملے گا۔ جو ان کو کسی حیوان انسان سے مصیبت پہنچتی ہے۔

۳۔ کیا موذی حیوانات جہنم میں جائیں گے۔

۴۔ کیا اللہ انسان کو ایسی بات کا مکلف بناتا ہے جو اس کا نفس برداشت نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

۵۔۔۔ کیا حرام اشیا رزق کا حصہ ہیں جو اللہ انسان کے لئے پیدا کرتا ہے

۶۔۔۔ معراج جسمانی تھا یا روحانی

۷۔۔۔ معجزات جو انبیاء سے منسوب ہیں اس کا کوئی ثبوت عقلاً یا خبر صحیح پر مبنی ہے؟

۸۔۔۔ کیا رویت حق تعالیٰ اس دنیا یا آخرت میں ممکن ہے؟

یہ اور اسی قبیل کے سوالات خود ہی پیدا کئے اور خود ہی ان کو وہ اہمیت دی کہ ایک ہنگامہ برپا ہوتا رہا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض امور ایسے ہیں کہ اہل علم و حکمت کو تحقیق کی دعوت دیتے ہیں مگر ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں کہ کسی مخالف یا موافق کو اگر تسلیم کرے یا نہ کرے کافر کہا جائے۔

ان سوالات میں سے پہلے سوال کا تعلق مسئلہ "تقدیر" سے ہے۔ ایک فریق بالخصوص اشعریوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں ہر ایک شخص کے مفصل حالات جو بھی اسے زندگی اور بعد ممات پیش آئیں گے "قلم" سے لکھ دیئے ہیں۔ معتزلہ تسلیم نہیں کرتے۔

مسئلہ تقدیر قرآن حکیم میں لفظ "قدر" اندازہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے یہ قانون فطرت ہے اور تمام کائنات میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ اشیا کی تخلیق۔ ان کی شکل وصورت اور خواص سب اسی قانون "قدر" کے تحت ظہور میں آتے ہیں۔ مثلاً یہ علم کیمیا کا موضوع ہے کہ کسی شے کے اجزاء میں خاص تناسب ہوتا ہے اگر اسی تناسب سے یہ اجزاء ہم بھی ترکیب دیں تو وہی شے بن جائے گی۔

ہماری زندگی کے لئے ہوا ضروری ہے۔ اگرچہ ہوا کا کرہ موجود ہے مگر ہم کو بقدر ایک سانس کے ہی یک وقت ملتا ہے۔ یہ اندازہ انسان خود مقرر نہیں کرتا فطرت کا مقرر کردہ ہے۔ اگر اندازہ سے زیادہ یا کم ہوا ملے تو دم گھٹنے لگتا ہے۔ اس لئے زندگی کا فطری مقرر کردہ اندازہ ہی صحیح ہے

پانی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ اس کا نا ختم ہونے والا خزانہ موجود ہے مگر

ہم بقدرِ پیاس ہی پیتے ہیں۔ اس کا اندازہ خود انسان مقرر کرتا ہے اور کبھی صحیح اندازہ نہیں کر سکتا۔ لیکن جتنا بھی کرتا ہے کافی ہے اور زندگی کے لئے اتنا ہی ضروری ہے۔ اگر زیادہ پانی پی لے تو پیٹ ابھر جاتے۔ آیاتِ قرآن سے تو اتنا ہی واضح ہوتا ہے کہ "تقدیر" کا یہی کچھ مفہوم ہے۔

حسبِ ذیل آیات میں تدبر کرنا چاہیئے:۔

(۱) "وکل شیئ عندہ بمقدار، علم الغیب والشھادۃ الکبیر المتعال" (الرعد ۱۳/۸)

"اور ہر ایک شے کا اندازہ اس کے پاس ہے۔ غیب اور ظاہر کا عالم بڑا بلند ہے۔"

(۲) "وان من شیئ الا عندنا خزآئنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم۔" (الحجر ۱۴/۲)

"اور کوئی سے شے نہیں جس کے (نہ ختم ہونے والے) خزانے ہمارے پاس نہیں اور ہم اندازہ ہی سے اسے نازل کرتے ہیں۔"

(۳) "ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شیئ قدراً" (الطلاق ۲۸/۱۴)

"تحقیق اللہ اپنے امر کو پورا کرتا ہے۔ تحقیق اللہ نے ہر شے کا اندازہ (بہ تعلق زمان و مکان) مقرر کر رکھا ہے۔"

(۴) "وخلق کل شیئ فقدرہ تقدیراً" (الفرقان ۱۸/۱)

"ہر ایک شے کو پیدا کیا۔ پس اس کا اندازہ ٹھیک مقرر کیا۔"

آیات بہت ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسی "قانونِ تقدیر" کے تحت ہر ایک شے پیدا ہوتی اور بتدریج "وقتِ مقررہ" پر ارتقائی منازل طے کرتی رہتی ہے اور "خلقِ جدید" میں "تغیراتِ امثال" کے بعد رونما ہوتی ہے۔ موت و حیات دونوں اسی قانون کے تحت خلق ہوتے۔ جو دراصل "تجدد امثال" کی صورتیں ہیں اور یہ ارتقائی سلسلہ لا متناہی جاری ہے اور جاری رہے گا۔ "الی ربک المنتہیٰ" ۔۔۔ "ذلک تقدیر العزیز العلیم" (السجدہ ۲۱/۱۴، یٰس ۲۳/۲، الانعام ۷/۱۸)

Marfat.com

قرآن عظیم کتاب علوم نہیں لیکن اصول علوم ہے۔ اور ان آیات میں کتنے علوم کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔ انسانی علوم کبھی کامل نہیں ہوتے۔ ذہنی ارتقاء کے ساتھ ان میں ارتقا ہے۔ "رب زدنی علماً" تعجب ہے کہ معتزلہ اور اشعریہ کن مسائل میں الجھے ہوئے تھے لیکن یہ بھی "تقدیر" کا کرشمہ ہے۔ ذہن انسانی ابتدا میں یہی کچھ تصور کرتا ہے۔ بتدریج اصل حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اور جو کچھ عقاید پختہ کئے ہوتے ہیں، آئندہ نسلیں اس پر اسی طرح مضحکہ اڑائیں گی جس طرح آج ہم متقدمین کی باتوں کا اڑا رہے ہیں۔ کتنا بلند ذہن اس وقت ہوگا جب

"یوماً یجعل الولدان شیبا، السماء منفطر بہ کان وعدہ مفعولا ۔ ان ھذہ تذکرۃ، فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا" ($\frac{۲۹}{۱۴}$)

"اس دن طفل (مکتب) بڑھے بوڑھوں کی طرح (باتیں کرتے ہوں گے آسمان کے پوست کندہ حالات اس (ذہنی ارتقا) کے ساتھ منکشف ہو جائیں گے۔ یہ وقت بھی آکر رہے گا۔ یہ یاددہانی ہے تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے۔"

یہ ایک مستقل موضوع ہے اور ہم نے اپنے مقالات میں بحث علیحدہ کی ہے۔ سردست ہم معتزلہ کے عقائد کا جائزہ لیتے ہیں۔ تقاضۂ انصاف ہے کہ ہم داد دیں کہ آئندہ نسلوں کے لئے آزادئ فکر کا راستہ کھول دیا۔ معتزلہ اپنے آپ کو "اہل توحید و عدل" کہتے۔ مخالف ان کو معتزلہ۔ ہمیشہ مخالف کا تجویز کردہ نام ہی مشہور ہوتا ہے۔

اس میں بھی کچھ کلام نہیں کہ ہر ایک شے کی عمر طبعی مقررہ ہے۔ اس کے بعد اجل بھی ناقابل انکار حقیقت ہے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ بعض انسان بچے، لڑکے جوان عمر طبعی تک نہیں پہنچتے۔ وبائی امراض یا بعض حادثات کی وجہ سے پیش از وقت مر جاتے ہیں۔ اور اس کا بھی تجربہ کیا گیا ہے کہ اگر امراض کا سدباب کیا جائے یا مناسب علاج ہو اور حادثات کی روک تھام کی جائے۔ تو انسان طبعی عمر تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے ہر ایک درد کی دوا اور ہر ایک حادثہ کے سدباب کے اسباب بھی پیدا کر دئے ہیں۔ یہ انسان کا اختیار ہے کہ ان سے کام لے۔ اگر انسان عقل و فکر سے

Marfat.com

کام لے تو جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں بہت کچھ شر کا سدباب کر سکتا ہے جس کا امکان انسان میں موجود ہے۔ اگر قوانین حفظان صحت پر عمل کرے تو صحت بھی قائم رکھ سکتا ہے اگر کہیں اتفاقاً آگ لگ جائے تو بجھا سکتا ہے۔ بلکہ ایسا سدباب کر سکتا ہے کہ آگ ہی نہ لگے۔ ہر ایک بیماری کا علاج ہے اگر تشخیص صحیح ہو کہ اس کے اسباب کیا ہیں۔

منشاء فطرت ہے کہ انسان عقل خداداد سے کام لے اور قوانین فطرت کا اسے علم ہو۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں شام میں طاعون پھیل گیا۔ جو "طاعون عمواس" کے نام سے مشہور ہے۔ ابو عبیدہؓ بن الجراح سپہ سالار افواج شام بہت بلند پایہ صحابی تھے۔ غالباً حضرت عمرؓ کے بعد یہی خلیفہ ہوتے اگر زندہ رہتے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو مدینہ میں طلب کیا۔ سمجھ گئے۔ اس خیال سے کہ کہیں یہ نہ ہو کہ مجھے قضائے الٰہی سے بھاگنے والا اللہ کے حضور ٹھہرایا جائے، نہ گئے۔ اور طاعون کا شکار ہو گئے شام میں عمرو بن العاص بھی موجود تھا اس نے مشورہ دیا کہ "طاعون زدہ علاقہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانا چاہیئے۔ شرجیل بن حسنہ ایک اور بڑے پائے کے صحابی بھی وہاں تھے کہنے لگے کہ

"جب میں رسول کریمؐ پر ایمان لایا تو اپنے گھر کے گدھے سے بھی زیادہ جاہل تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ ایسی وبائی متعدی بیماری کو دوسری جگہ نہ پھیلاؤ۔ اس لئے میں تو یہاں سے نہ نکلوں گا۔"

اکثر صحابہ طاعون کی نذر ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو سخت رنج ہوا اور فرمایا کہ

"امراض سے بچنا چاہیئے۔ یہ قضا سے فرار نہیں بلکہ ایک تقدیر کے ضرر سے بچنے کے لئے ہم دوسری تقدیر الٰہی کی پناہ میں جاتے ہیں۔"

اس کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اگر کہیں آگ لگ جائے تو یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ اسے اپنا عمل جاری رکھنے دیا جائے اس لئے کہ اسے بجھانا قضاء و قدر کا مقابلہ کرنا ہے۔ تقاضائے عقل یہی ہے کہ اسے بجھا

Marfat.com

دیے جاتے اور ان اسباب سے سمجھا جاتے جو تقدیر ہی کے پیدا کردہ ہیں۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک شے کا علم ہے۔ اس کا علم ہر ایک پر وسیع و محیط ہے۔ وہ تمام واقعات کو خواہ اس کا تعلق کسی زمانہ سے ہو، جانتا ہے اور کوئی شے چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی اس کے علم سے پوشیدہ نہیں۔ یہ سب قرآنی نصوص ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اس لئے معتزلہ کے عقیدہ کے خلاف فرقہ اشعریہ کا ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ ہر ایک انسانی فعل اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق سرزد ہوتا ہے۔ بظاہر وقیع ہے۔ لیکن اس سے اس اختیار کی نفی نہیں ہوتی۔ جو قانون تقدیر کے تحت انسان کو حاصل ہے۔ دونوں فریق اپنے اپنے نقطہ نظر سے صحیح استدلال کرتے ہیں۔ مگر یہ تصویر کو "نیم رخ" ہی دیکھتے ہیں۔ اگر "مستقبل" دیکھتے تو ایک دوسرے کا انکار نہ کرتا۔

یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ ذات باری تعالےٰ ایک تو غنی عن العالمین ہے۔ معتزلہ اس کو اس حیثیت سے اپنی بحث کا موضوع بناتے ہیں۔ دوسرے بہ تعلق کائنات اسماء صفات سے متشخص ہے۔ اشعریہ اور دوسرے فرقے اسی حیثیت سے بحث کرتے ہیں ہر ایک کی تحقیق تا حدِ نظر ہے۔

ہر کس ایں جا از مقام و حال خود گوید خبر
از زبانم حرف اوگر بشنوی باور مکن ؟ (بیدل رح)

ہر ایک محقق کی تحقیق اس کی اپنی حد نظر ہے۔ اس لئے وہ جو کچھ کہتا ہے اپنے مقام اور حال کی خبر دیتا ہے۔ ایک شخص درخت کے سایہ کو خاک پر دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ سیاہ ہے۔ دوسرا پانی میں تمثال دیکھتا ہے۔ درخت سایہ اور خاک اور پانی سے الگ اور باہر ہے۔ وہ درخت کو نہ دیکھتا ہے اور نہ اس کی بصر و بصیرت اسے درک کر سکتی ہے۔ وہ اپنی ہی نظر اور حد نظر کی رسائی کی خبر دیتا ہے۔

شیخ اکبر ابن عربی کہتے ہیں کہ

"ہر ایک شخص نے اپنے اپنے عقیدہ میں ذات باری کو محدود بنا رکھا ہے

Marfat.com

عارف وہ ہے جو ہر ایک عقیدہ میں دیکھے اور نہ اپنے اور نہ کسی اور عقیدہ میں محدود کرے۔

"آنچہ اندیشی نیست۔" "ما عرفناک حق معرفتک" قول عارف کامل کا ہے۔

زمان و مکان اور حوادث و واقعات و حالات غرض جو کچھ بھی ہے کائنات سے باہر نہیں اور نہ باہر متصور ہو سکتے ہیں۔ ہم ہر ایک شئے اور ہر ایک حادثہ کو خاص خاص مکان و زمان میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ کے علم میں تمام کائنات غیب شہادت "واقعہ واحدہ" ہے۔

ہم واقعات کو دیکھتے ہیں اور ہر ایک سلسلہ میں ماضی و حال و مستقبل اس سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی کڑی "حال" ہی حال ہے۔ ماضی معدوم مستقبل موہوم، حال ہی معلوم ہے۔ ہیئت دان صحیح پیشگوئی دربارہ کسوف و خسوف کرتے ہیں۔ زمانہ ماضی میں یہی واقعہ کسوف خسوف جو بے شمار دفعہ گزر چکا ہے۔ ہیئت دان اس کے صحیح اوقات بتا دیں گے۔ جہاں تک ہمارے علم کا تعلق ہے ہر ایک زمانہ میں کسوف و خسوف بحیثیت واقعہ واحدہ دیکھتے ہیں۔ یہ واقعہ خواہ ماضی سے یا مستقبل کے متعلق ہو، علم میں حال ہے۔

جہاں تک ہمارے موضوع کا تعلق ہے یہی اشارات کافی ہیں۔ معتزلہ کے بھی کئی فرقے ہیں۔ تیسری صدی ہجری میں بلند پایہ معتزلی گزرے ہیں۔ بصرہ اور بغداد ان ایام میں علم و حکمت کے مرکز تھے۔ بغداد دارالخلافت عباسیہ تھا۔ یہاں عباسی خلیفہ مامون نے ان کی بہت کچھ حوصلہ افزائی کی۔

شہرستانی لکھتا ہے کہ

"فلسفی یہ کہتے ہیں کہ ذات باریتعالےٰ ہر ایک جہت سے واحد ہے اور کسی وجہ سے کثرت اس میں متصور نہیں ہو سکتی۔ ذات پر کوئی امر زائد نہیں۔ اس لئے صفات سے انکار کر دیا۔

معتزلہ فرقہ واصلیہ نے یہ عقیدہ انہی سے لیا۔ لیکن ابوالہذیل محمد بن الہذیل العلاف

Marfat.com

صفات کا قائل ہے لیکن صفات عین ذات قرار دیتا ہے۔ اس لئے کہ اگر صفات وجوہ ذات خیال کئے جاتے تو یہ مذہب نصاریٰ کا ہے جو "اقانیم" ثلاثہ کے قائل ہیں۔

ہذیلیہ ابوالہذیل ایک واسطے سے واصل ابن عطا کا شاگرد ہے۔ خلیفہ عباسی مامون الرشید کی مجالس مناظرہ میں اکثر موجود رہتا۔ جوانی میں اکثر یہود و نصاریٰ سے بھی مناظرہ کرتا رہا۔ ان ایام میں عام مذہبی آزادی تھی۔ البتہ اتنا لحاظ ہر ایک فریق کو ہوتا کہ کوئی ناشائستہ کلمہ کسی کے حق میں نہ کہے۔ مگر مسلمانوں کو کھلی چھٹی تھی کہ ایک فرقہ دوسرے کے حق میں جو جی میں آتے کہے۔

ابوالہذیل کا مناظرہ ایک یہودی سے ہوا۔ یہودی نے پوچھا کہ "موسیٰ اور توراۃ کے بارہ میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟

ابوالہذیل نے کہا کہ موسیٰ سے تمہاری مراد وہی موسیٰ ہے جس کا مذکور قرآن میں ہے اور توراۃ وہی ہے جس کا بیان قرآن میں ہے تو میں مانتا ہوں کہ موسیٰ رسول اور نبی تھا اور توراۃ الہامی کتاب ہے۔

کسی نے سوال کیا کہ کائنات کو مخلوق ثابت کرو مگر حرکت و سکون کو بحث میں نہ لاؤ۔ جواب دیا تمہارا حال تو اس مدعی کا ہے جو مدعا علیہ کو کہتا ہے کہ چلو قاضی کے پاس لیکن شہادت پیش نہ کرنا۔

ایک شخص نے اسے کہا کہ اگر تیرا مناظرہ "النظام سے ہو اور تو غالب آئے تو یہی بہتر ہے کہ تم دونوں کے دلائل مشکوک قرار دئے جائیں۔

ابوالہذیل نے جواب دیا کہ پچاس شکوک ایک یقینی بات سے بہتر ہے یہ
(مُجتہد تھی بغداد)

کسی نے پوچھا کہ بتاؤ نیند کی راحت کا احساس کس وقت ہوتا ہے (مذہب) میں تو ممکن نہیں کیونکہ حواس معطل ہوتے ہیں اور اس کا شعور نہیں ہوتا (تعالیٰ آیات) پہلے بیداری میں بھی ممکن نہیں کیونکہ اس وقت خواب کا وجود ہی نہ (باطل و نیک و بد) نیند کے بعد نہیں کیونکہ اس وقت نیند ختم ہو جاتی ہے۔ (روز حشر کا صدور انسان)

ابوالہذیل سے کچھ جواب بن نہ آیا۔

Marfat.com

ابو ہذیل کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان خواہ بستر پر مرے یا کسی حادثہ سے۔ ابتدائی عمر میں موت ہو یا ارذل میں۔ وقت مقررہ پر ہی مرتا ہے ایک ساعت آگے پیچھے نہیں ہوتی عمل تو اس دنیا میں ہے۔ آخرت میں اعمال نہ ہوں گے۔

کسی نے اس پر پھبتی جمائی کہ ابو ہذیل اس دنیا میں قدریہ ہے اور آخرت میں جبریہ۔

ابو ہذیل یہ دلیل پیش کرتا کہ ہر ایک شے کا آغاز اور انجام ہے۔ انسانی عمل باہمہ اختلاف آغاز و انجام کا تقاضہ کرتے ہیں اس لئے آخرت میں کوئی صورت اعمال کی نہیں۔ ایک حالت سکون و راحت ہوگی۔ اس پر کسی نے سوال کیا کہ بتاؤ نیند کا سکون و راحت کس وقت محسوس ہوتا ہے؟

نظامیہ

شہرستانی نے ابو الہذیل کے عقاید مفصل بیان کئے ہیں۔ اس کا حریف ابراہیم بن سیار نظام تھا۔ دونوں معتزلہ تھے مگر بعض باتوں میں اختلاف تھا۔ کتب فلاسفہ کا مطالعہ کر چکا تھا۔ اور معتزلہ کے عقائد میں فلسفہ کو مخلوط کیا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ خیر تو تقدیری ہے مگر شر ہماری طرف سے ہے۔ اللہ تو حق ہے۔ اس لئے باطل جو حق کی ضد ہے پیدا نہیں فرماتا۔ عموماً معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ باطل کو پیدا کرنے پر قادر ہے مگر پیدا نہیں کرتا۔ قبیح کی صفت ذاتی قبح ہے۔ تو حضرت ذات کبریائی سبحانی سے منسوب کرنا ممنوع ہے۔ اور ذات کبریائی سے ان ایذا صدور جو قبیح کا وصف ذاتی ہے کسی طرح جائز نہیں۔ اسی طرح فاعل عدل خلیفہ ما نہیں ہو سکتا۔ ہر ایک کو اپنے اعمال کی سزا و جزا ضرور ملے گی مگر عذاب شہر سے معین ہے کم و بیش نہ ہوگا۔ اور نہ ثواب میں کمی بیشی ہوگی۔

فلسفی بہ ۲۲۶ھ یا ۲۳۵ھ میں قریباً سو سال کی عمر میں فوت ہوا۔

اور کسی وجہ ابراہیم بن سیار النظام ابو ہذیل کا ہمعصر تھا۔ معتزلہ میں یہ اس لئے نہیں۔ اس بن اس نے کئی شاخسانے نکالے۔ یہ خلیل بن احمد کا شاگرد تھا معتزلہ فرقہ داصلیہ پہلے۔ ایک وقت وہ زرتشتی دوئی کا قائل تھا پھر مادہ پرست

Marfat.com

ہوا۔ پھر لا ادریہ جو کہتے ہیں کہ دلائل موافق و مخالف دونوں بیکار ہیں۔ اس کے عقاید میں ہر ایک مذہب کی جھلک پائی جاتی ہے۔ معتزلہ کا یہ عام عقیدہ ہے کہ عادل ظالم نہیں ہو سکتا۔

ابن ہشام بن الحکم کا مذہب یہ تھا کہ رنگ روپ ذائقہ آوازیں اجسام ہیں۔ یہی مذہب نظام کا تھا۔ ذرا بلحاظ وقت ضرورت سے زیادہ آزاد خیال واقع ہوا تھا۔ معتزلہ جنات کے قائل نہیں اور دیگر توہمات اور نیک و بد شگون کے بھی قائل نہیں نظام بیان کرتا ہے کہ

" ایک دفعہ میں سفر کے لئے نکلا۔ ہر ایک مرحلہ پر شگون عام عقیدہ کے مطابق بڑے ہی دیکھے مگر سفر کا انجام خاطر خواہ اچھا رہا۔ اس دن شگون کی بے ہودگی واضح ہوئی"۔

نظام کی نسبت مخالف بھی اچھی رائے رکھتے۔ اس نے کبھی دیدہ و دانستہ جھوٹ نہ بولا۔ وہ عموماً بحث کسی حقیقت پر نہ کرتا جو بھی قیاس میں آتا اسے حقیقت ثابتہ قرار دے کر دلائل پیش کرتا۔ اور یہ بھول جاتا کہ اصل دعویٰ تو محض ایک قیاس ہے۔

نظام کی صحبت کے فیض یافتہ ایک تو احمد بن حابط تھا جس سے مذہب حابطیہ منسوب ہے۔ دوسرا فضل بن حدثیؔ یہ مذہب حدثیہ کا بانی ہے۔ بقول شہرستانی انہوں نے تین بدعت اضافہ مذہب نظامیہ پر کیا جو مذہب نصاریٰ سے اخذ کئے۔

بشریہ البشر بن معتمر کی نسبت شہرستانی لکھتا ہے کہ افضل علماء معتزلہ ہے یہ ادیب شاعر اور مذہبیات سے خوب واقف تھا۔ اصل تو کوفہ تھی۔ بغداد میں ہارون الرشید کے زمانہ میں آیا۔ ہارون نے قید رکھا کہ اس کے عقائد شیعہ مذہب کے ہیں۔ اس نے اکثر نظمیں لکھی ہیں۔ جس میں یہ واضح کیا کہ ثبوت باری تعالیٰ آیات کتاب کائنات ہیں۔ اور عقل ہی رہنما تے صراط مستقیم ہے۔ اور حق و باطل و نیک و بد میں تمیز عقل کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ تمام معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ خیر و شر کا صدور انسان سے ہوتا ہے۔ اس لئے ان کو "قدریہ" کہتے ہیں۔

Marfat.com

ایک "جبری" سے بشر کا مناظرہ ہوا۔ اس نے سوال کیا کہ کیا تم اللہ کی حمد اپنے ایمان سے کرتے ہو؟

جواب اثبات میں دیا۔

جبری نے کہا کہ ثابت ہوا کہ اللہ حمد پسند فرماتا ہے ایسی بات کے لئے جو اس کا فعل نہیں۔ کسی شخص کی تعریف ایسے کام کے لئے کرنا جو اس نے نہیں کیا ہو جو ہے حمد نہیں۔

معتمر کے شاگردوں میں سے عیسیٰ بن صبیح بھی ہے۔ بہت بڑا زاہد تھا۔ اس کو راہب معتزلہ کہتے ہیں۔ یہ شخص ہر ایک کو کافر ہی کہتا جو اس کے عقیدہ کے خلاف ہوتا ابراہیم سندی نے ایک دن پوچھا کہ ساکنان زمین کا کیا حال ہے۔ اس نے سب کی تکفیر کی۔ ابراہیم نے کہا کہ قرآن میں بہشت کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ "جنته عرضها کعرض السموٰت والارض" معلوم ہوتا ہے کہ ایسا تنگ واقع ہوا ہے کہ تیرے اور تیرے تین متبعین کے سوا اس میں کسی کی گنجائش ہی نہیں۔

شہرستانی بحوالہ کعبی لکھتا ہے کہ

اُس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن تو لوح محفوظ میں ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہاں سے منتقل ہو کر ہمارے ہاتھوں میں آجائے۔ وہ وہیں ہے جہاں تھا۔ یہ قرآن جو ہم پڑھتے ہیں ہمارا بنایا ہوا اور ہمارا فعل ہے۔ تمام معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ قرآن مخلوق ہے اور اللہ نے خلق فرمایا ہے۔ مگر یہ فرقہ ایک قدم اور بڑھ گیا کہ خلق ہم نے کیا ہے۔

ثمامیہ ثمامہ بن اشرش سے بھی ایک فرقہ منسوب ہے۔ ثمامہ خلیفہ مامون رشید کے زمانہ میں تھا اور خلیفہ کے نزدیک اس کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ کہتے ہیں کہ اسی نے مامون کو اعتزال پر مائل کیا۔

ہشامیہ ہشام بن عمرو فوطی سے منسوب ہے۔ چونکہ صدور خیر و شر بندوں سے ہوتا ہے۔ ہشام نے اس کو منطقی نتیجہ پر اس طرح پہنچایا کہ تالیف قلوب کی

Marfat.com

نسبت جو قرآن میں اللہ سے کی گئی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ مومنوں کے دلوں کو خود نہیں جوڑتا بلکہ مومن اپنے اختیار سے جوڑتے ہیں اسی طرح "ختم اللہ علی قلوبہم" اور "طبع اللہ علیہا بکفرہم" "وجعلنا من بین ایدیہم سدا ومن خلفہم سدا" کی تاویل کرتا کہ یہ بھی ہم جیسوں کا فعل ہے۔ امامت کے بارہ میں اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ "امت کی تصدیق اجماع کے تصور کے بغیر نہیں اس لئے امامت ایام فتنہ میں منعقد نہیں ہوتی۔ حضرت علی کے ایام میں فتنہ برپا تھا بلا اتفاق جمیع صحابہؓ اور ہر طرف آپ کے مخالف صحابہ تھے"۔ دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ جنت و جہنم ہمارے زمانے میں موجود نہیں ہیں اور اگر تسلیم کیا جائے کہ ہیں تو خالی پڑے ہیں۔ اس کا کیا فائدہ۔ جب ضرورت ہوگی اس وقت موجود ہوں گے۔" اس کا شاگرد رشید "عباد" تھا۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کفر خلق نہیں فرمایا۔ اسلئے کسی کافر کو بھی پیدا نہیں کیا۔ نبوت اجزاء عمل ہے۔ جب تک دنیا باقی ہے نبوت بھی رہے گی۔ کسی شے کا علم اس وقت ہوتا ہے جب یہ شے موجود ہو۔ جب کائنات موجود نہ تھی تو اشیاء کائنات غیر موجود کا علم بھی حق تعالیٰ کو نہ تھا۔ شے کا اطلاق کسی شے پر اسی وقت ہوگا جب وہ موجود اور معلوم ہو۔ اگر اشیا کا علم اللہ کو قدیم سے ہوتا تو اشیا کا قدیم میں ہونا بھی لازم آتا ہے۔

اس نے بھی تکفیر کا فتویٰ اپنے مخالفوں کے حق میں عام بلا استثنا صادر کیا اور عقیدہ یہ تھا کہ وہ کافر ہیں ان کا مال ہر جائز ناجائز طریق سے خواہ غصب یا سرقہ کیا جائے جائز ہے۔ اسے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہ آیا دوسروں کی آنکھوں کے تنکے چُنتا رہا۔

جاحظیہ عمرو بن جاحظ سے یہ فرقہ منسوب ہے۔ معتزلہ میں فاضل و یگانہ روزگار شمار ہوتا ہے۔ مذہب اعتزال پر اس کی تصانیف بہت ہیں۔ اور کتب فلاسفہ اکثر اس کے مطالعہ میں رہی ہیں۔ مذہب اعتزال کو اسی رنگ میں ڈھالا۔ یہ شخص خلیفہ عباسی معتصم اور متوکل کے عہد میں تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ

اہل دوزخ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ہمیشہ رہیں گے تو عذاب محسوس نہ کریں گے۔ کیونکہ آگ سے ان کی طبیعت مناسبت پیدا کر لیگی آگ میں کسی شخص کو ڈالا نہیں جاتے گا بلکہ آگ خود انہیں جذب کر لے گی۔ یہ مذہب ابن عربی کا بھی ہے کہ اہل دوزخ بھی نعیم میں ہوں گے۔

جو شخص دعوی مسلمانی کرتا ہے اور اس کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت کبریا سبحانی جسم نہیں اور آنکھ سے رویت حضرت کبریا ممکن نہیں اور وہ عادل بھی ہو اور ظلم نہ کرے اور معصیت کا ارادتاً مرتکب نہ ہو تو وہ سچا مسلمان ہے۔ اگر کسی کو علم و حکمت سے بہرہ نہ ہو اور اتنا ہی جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق اور رب ہے اور آنحضرتؐ اس کے رسول ہیں وہ بھی مومن ہے۔ اور اس پر کوئی ملامت نہیں وہ اتنی ہی بات کا مکلف ہے۔

قرآن کے بارے میں جاحظ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کا جسد ہے۔ کبھی انسانی صورت میں کبھی حیوانی شکل میں متمثل ہوتا ہے۔ جاحظ زیادہ تر طبعیات کی طرف مائل تھا۔ الٰہیات کی توجیہہ بھی وہ فلسفہ اور علم طبعی کے اصول پر کرتا۔

خیاطیہ ابی الحسن بن عمر بن ابن الخیاط سے یہ فرقہ منسوب ہے۔ یہ شخص ابی القاسم بن محمد کعبی کا استاد ہے۔ ان دونوں بغدادی معتزلہ کا ایک ہی مذہب ہے۔ ابن خیاط کا یہ عقیدہ ہے کہ جب یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ مرید ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ افعال پر قادر ہے۔ جب یہ کہیں گے کہ مرید افعال ہے تو مراد یہ ہے کہ بر طبق علم کامل خالق افعال ہے۔ اگر کہیں کہ وہ سمیع ہے تو معنی یہ ہیں کہ مسموعات کو جانتا ہے اسی طرح بصیر کا یہ مطلب ہے کہ مبصرات کا اسے علم ہے۔

رویت حق کے بارہ میں اس کا عقیدہ عام معتزلہ کے مطابق ہے مگر اتنا فرق ہے کہ اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو دیکھتا ہے اور مرئیات کو بھی دیکھتا ہے اور مدرک ہے۔ اور اس کا ادراک اس کے علم پر زاید ہے۔ مگر کعبی اس بار

میں اتنا اختلاف استاد سے کرتا ہے کہ "ادراک" تو علم پر زاید نہیں۔ معتزلہ تمام صفات کو ایک علم ہی کی مختلف صورتیں قرار دیتے ہیں یعنی صفت علم عین ذات ہے اور مختلف حالات میں اس کے نام مختلف ہیں۔

▪ مذہب اعتزال کے فرقے تو اور بھی ہیں۔ لیکن نام بنام شمار کرنا بے فائدہ طوالت ہے۔ معتزلہ فلسفہ اور طبعیات کی طرف زیادہ تر مائل رہے ہیں۔ طبعیات میں عملی تجربہ کی طرف تو توجہ نہ تھی۔ البتہ حکمت نظری اور استدلال ہے۔ بہرحال یہ بھی فلسفہ ہی سمجھنا چاہیئے۔ ہم نے صرف ان کے عقاید زیادہ مذہب ہی مختصر بیان کئے ہیں۔ اس کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ معقول باتیں پسندیدہ سمجھی گئیں اور مخالف فریق کو بھی اپنے مذہب کی تائید میں استدلال عقلیہ ہی سے کام لینا پڑا۔ معتزلہ بغدادی اور بصری کا اختلاف دربارہ نبوت و امامت ہے۔ بعض کا عقیدہ موافق عقیدہ شیعہ اور بعض کا موافق اہل سنت والجماعت ہے۔ فرقہ "جبائیہ" و "ہشمیہ" ابی علی محمد بن عبدالوہاب اور اس کے بیٹے ابی ہاشم عبدالسلام سے منسوب ہیں۔ دونوں معتزلہ بصرہ ہیں اور دونوں کا عقیدہ دربارہ نبوت اور امامت اہل سنت کے مطابق ہے۔ متاخرین معتزلہ مثل قاضی عبدالجبار کا مذہب بھی ابی ہاشم کے مطابق ہے۔

Marfat.com

جبریہ

ہر ایک فرقہ نے اپنے لئے کچھ امتیازی نام تجویز کیا۔ اور یہ اچھا ہی تھا۔ لیکن مخالف فرقہ نے اس کے عقاید کا جو مخالف اس کے اپنے عقاید کے تھے۔ ایک اور نام سے مخاطب کیا جس میں "ذم" کا پہلو نکلتا ہے۔ معتزلہ اپنے آپ کو "اہل توحید و عدل" کہتے۔ مخالفوں نے "معتزلہ" سے شہرت دی۔ معتزلہ نے مخالف فرقوں کو "جبریہ" اور "حشویہ" سے موسوم کیا۔ غرض ان ناموں اور عقاید کی جنگ مسلمانوں میں عرصہ سے جاری ہے اور اب بھی ہے۔ مگر اس میں وہ پہلی سی شدت نہیں۔ جو نقصان وہ اٹھا چکے ہیں ایسا نہیں کہ ان کے حواس خمسہ کو درست نہ کرتا۔ اس لئے سُنی اور شیعہ اب "الصلح خیر" ہی میں اپنی خیر دیکھتے ہیں۔

آنچہ دانا کند کند ناداں

لیک بعد از ہزار رسوائی

تاریخ "مذاہب اسلامیہ" ہم اس لئے لکھ رہے ہیں کہ ہر ایک فرقہ زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ

من نہ کردم شما حذر بکنید

تاکہ مسلمان دیدہ عبرت سے ان کے حالات دیکھیں "فاعتبروا یا اولی الابصار" قرآن حکیم میں قوموں کی ہلاکت کے جو اسباب بیان کئے گئے ہیں ان میں سے سب سے بڑا سبب یہی تفرقہ اور شر انگیز فرقہ بندی ہے۔ اختلاف رائے اور بات ہے۔ اور اس

Marfat.com

میں شر پیدا کرنا اور شے ہے۔

"دو عاقل را نباشد کین و پیکار"

شر ہمیشہ جاہل ہی پیدا کرتے ہیں۔

مسئلہ جبر و اختیار، علماء اسلام میں عرصہ سے زیر بحث چلا آتا ہے۔ افعال جو انسان بلکہ ہر ایک ذی جس شے سے صادر ہوتے ہیں ایک تو فطری ہیں۔

"قل کل یعمل علی شاکلتہ، فربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلا" (۱۵/۹)

"کہو کہ ہر ایک اپنی ڈیل ڈول کے مناسب عمل کرتا ہے تو تیرا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ صحیح روش پر چل رہا ہے:

ہر ایک طبقہ میں ہر ایک شے کا عمل اس کی فطری وضع کے مناسب ہی صادر ہوتا ہے۔ چوپاتے اڑ نہیں سکتے۔ کیونکہ ان کے پر نہیں ہوتے۔ علیٰ ہذا القیاس" انسان کے اعمال میں جو تنوع پایا جاتا ہے وہ دیگر حیوانات میں نظر نہیں آتا۔ اگر وہ پرندوں کی طرح پرواز نہیں کر سکتا تو اس کو ایک ایسی طاقت فطرت نے عطا کی ہے کہ "طیارہ" سے وہ کام لے رہا ہے جو پرندوں کا ہے۔ ہر ایک جاندار کو جیسی ڈیل ڈول فطرت نے عطا کی ہے وہ آلات اس عمل کے ہیں جو ان سے صادر ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو یہ عمل بھی ان سے صادر نہ ہوتا۔ ہر ایک شے کو خلق اللہ فرماتا ہے اور ساتھ ہی ان آلات کے صحیح استعمال کا طریقہ بھی فطرۃً وحی فرماتا ہے

"ربنا الذی اعطیٰ کل شیٔ خلقہ ثم ھدیٰ (۱۶/۱۱)

جیسا کہ ایک ننھی سی جان شہد کی مکھی کی مثال قرآن میں دی گئی ہے۔ مکھی وہی کام آفرینش سے کر رہی ہے جو اس کی ساخت کے مناسب ہے۔ وہ اس کے علاوہ کچھ اور کام نہ کر سکتی ہے اور نہ کرتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مکھی گائے کی طرح دودھ کیوں نہیں یا گائے مچھلی کی طرح پانی میں کیوں نہیں رہتی اور یہ کہہ کر دل کو تسلی دے کہ مجبور ہے تو یہ جہالت ہے۔ مجبور کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے کہ ایک کام کوئی کر سکتا ہے مگر اسے کرنے نہیں دیا جاتا ہے۔ طبقات نباتات اور حیوانات میں نظر کرو۔ اگر کوئی خارجی

Marfat.com

امر مانع نہ ہو تو وہی کچھ کریں گے جو ان کی فطرت کا تقاضہ ہے۔ انہیں بھی ان حالات میں ہم مجبور نہیں کہہ سکتے۔ اگر انسان کسی چوپایہ کو باندھ کر رکھے تو وہ مجبور ہے۔ کہ اپنے فطری تقاضہ کو عمل میں نہیں لا سکتا۔ انسان پہ مجبور کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب اس طرح خارجی دباؤ اس پر پڑے

ارشاد قرآن ہے کہ

"من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان" (۱۶/۱۰۶)

"وہ جھوٹا ہے) جو اللہ کا انکار ایمان لانے کے بعد کرے سوائے اس شخص کے جو اس پر مجبور کیا گیا ہو۔ مگر اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے"۔

کفر باللہ بحالت مجبوری جائز ہے۔ اسی سے شیعہ فرقہ نے تقیہ کا جواز پیدا کیا۔ جس پر ہم بحث کر چکے ہیں۔ اللہ کے ہاں تو جبری ایمان و عمل مقبول ہی نہیں۔ "لا اکراہ فی الدین" دین میں کوئی جبر نہیں۔ سوچنا چاہیئے کہ بندہ پر بندہ جبر کرے۔ اور اس جبر کا ذمہ دار اللہ کو ٹھہرایا جائے یہ جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟

ہم بعض اوقات کہتے ہیں کہ "ہم حالات سے مجبور ہیں" یا "حالات پر ہمارا اختیار نہیں"۔ یہ صحیح ہے اگر حالات ایسے ہی ہیں جیسے آیہ محولہ بالا میں مذکور ہیں تو انسان مجبور ہے۔ اور بحالت جبر جو عمل اس سے کرایا جائے۔ اللہ کے ہاں قابل مواخذہ نہیں۔ ایسا عمل جو اللہ انسان سے کرائے اور وہ کفر و شرک کے مناسب ہو اور اللہ خود ہی اس پر سزا و جزا تجویز فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے عدل کے خلاف ہے مزید تشریح جبریوں کے عقاید میں ملاحظہ ہو۔

جہمیہ

یہ فرقہ جہم بن صفوان سے منسوب ہے۔ یہ شخص بلخ کا باشندہ تھا۔ "ترمذ" میں اس نے اپنے عقائد کا اعلان کیا۔ اس لئے وہ "الترمذی" اور "سمرقندی" سے بھی موسوم ہے۔ بنی امیہ کے آخر عہد میں مسلم بن احوز مازنی نے اس کو قتل کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ خراسان کا والی بنو امیہ کی طرف سے "حارث" تھا۔ اور "جہم" اس کا معتمد

Marfat.com

تھا۔ حارث نے علم بغاوت بلند کیا اور جہم نے اس کا ساتھ دیا۔ بغدادی اپنی کتاب "فرق بین الفرق" میں لکھتا ہے کہ

"اب بھی اس کے پیرو "ترمذ" میں ہیں"۔

بغدادی ۱۰۳۷ء میں فوت ہوا۔

بغدادی لکھتا ہے کہ

"اس فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کو کوئی قوت عمل ذاتی نہیں اور یہ کہ انسان اپنے فعل کا مختار نہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جنت اور دوزخ آخر نابود ہو جائیں گے۔ ایمان صرف معرفت الٰہی ہے۔ کفر جہالت ہے۔ اللہ کے سوا کوئی کسی فعل پر قادر نہیں اور نہ غیر اللہ سے منسوب کیا جا سکتا ہے اگر ہم غیر اللہ مخلوق سے منسوب کرتے ہیں تو مجازاً کرتے ہیں مثلاً ہم کہتے ہیں کہ سورج طلوع یا غروب ہو گیا۔ سورج خود اپنے اختیار سے طلوع و غروب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کو جو کچھ معلوم ہے وہ حادث ہے جو کسی مکان یا محل میں نہیں۔ اس لئے کہ کسی شے کی آفرینش سے پیشتر کسی شے کی معرفت ہو تو اس شے کا علم نہیں۔ اگر کسی شے کی آفرینش سے پیشتر اسے اس شے کا علم ہے تو دو حال خالی نہیں۔ اگر علم وہی ہے جو آفرینش سے پہلا تھا تو وہ جو شے کی آفرینش کے بعد ہے۔ غیر علم اول ہے اس لئے جہل لازم آتا ہے۔ اور اگرچہ علم اول باقی نہ رہا تو لازم آتا ہے کہ متغیر ہوا اور متغیر مخلوق ہوتا ہے اس لئے قدیم نہ ہوا۔

ہشام بن حکم کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ جب اس طرح علم کا حادث ہونا مقرر کر لیا تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو ذات میں حادث ہو گا یا محل یا مکان میں۔ اگر ذات میں حادث ہو تو ذات میں بھی تغیر لازم آئے گا اس لئے کہ ذات محل حوادث ہو جائے گی اور اگر محل یا مکان میں حادث ہو تو محل متصف بہ علم ہو گا نہ کہ ذات باری تعالٰے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ علم الٰہی حادث ہے۔ اس کی ذات میں نہیں غیر ذات میں اگرچہ یہ عقیدہ معتزلہ کا ہے۔ مگر جہم کو معتزلہ میں شمار نہیں کیا گیا۔

بغدادی لکھتا ہے کہ

"میرے زمانہ میں اسمٰعیل ابن ابراہیم شیرازی ترمذ میں جہمیوں کے پاس گیا۔ اور ان کو ان کے باطل عقیدہ سے آگاہ کیا۔ الحمدللہ اکثر تائب ہوئے اور ہم میں شامل ہو گئے۔"

جہم کا یہ عقیدہ تھا کہ ایمان میں کچھ تفاوت نہیں۔ انبیاء اور امت کا ایمان برابر ہوتا ہے۔ انبیاء کے ایمان کو امت کے ایمان پر کچھ فضیلت نہیں۔ ایمان عقیدہ قول و عمل سے منقسم نہیں ہوتا اور نہ زبانی انکار سے کوئی کافر ہوتا ہے۔ زبانی کوئی شخص علم کا انکار کرے تو علم زائل نہیں ہوتا۔ زبانی انکار سے اسی طرح اگر کوئی صاحب ایمان ہے مومن ہی رہے گا۔

علم کے بارہ میں ہم بحث کر چکے ہیں کہ تمام کائنات اللہ تعالےٰ کے علم میں واقعہ واحدہ ہے۔

نجاریہ یہ فرقہ حسین بن محمد بن عبداللہ النجار ابو عبداللہ سے منسوب ہے یہ شخص النظام کا شاگرد تھا جس کا حال ہم معتزلہ کے تحت لکھ چکے ہیں۔ استاد اور شاگرد میں اکثر مناظرہ رہتا۔ ایک دفعہ بحث کی گرمی میں استاد نے نجار کو ایک لات رسید کی۔ نجار غصہ میں چلا آیا۔ تپ لرزہ میں مبتلا ہو گیا اور مر گیا۔

نجاریہ کا عقیدہ کچھ تو اشعریہ سے اور کچھ قدریہ کے مطابق ہے۔ مگر بعض عقاید بالکل جدا ہیں۔

اشعریہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ ان اعمال کا خالق ہے جو انسان کسب کرتا ہے اور یہ کہ کوئی شئے ہست نہیں ہو سکتی جب تک اللہ کا ارادہ نہ ہو۔ اور یہ اعمال کی سزا و جزا و مغفرت منجانب اللہ ہے۔ نجاریہ ان عقاید میں اشعریہ سے متفق ہیں۔

"قدریہ" سے اتفاق اس عقیدہ میں ہے کہ ذات منزہ صفات علم و قدرت حیات وغیرہم ہے۔ حشر میں دیدار الٰہی کا انکار اور یہ کلام اللہ مخلوق ہے۔ قدریہ ان کو کافر اس لئے کہتے ہیں کہ اشعریہ کے ہم عقیدہ ہیں اور اشعریہ ان کو کافر اس لئے کہتے ہیں

Marfat.com

کہ معتزلہ کے ہم عقیدہ ہے۔

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

رویت کے بارہ میں نجاریہ کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ بندوں کے دل میں کوئی قوت پیدا کر دے اور یہ قوت بصر میں آجائے اور بندے دیدار سے مشرف ہوں۔ شاید "رأیت ربی بفؤادی" سے یہ استدلال کیا ہے۔

نجاریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ کلام الٰہی جب پڑھا جائے عرض ہے جب لکھا جائے جسم ہے۔ خواص اشیا۔ اللہ نے پیدا کئے ہیں اشیاء کے ذاتی نہیں۔ صحیح! یہ فرقہ بھی کئی فرقوں میں منقسم ہو گیا۔ اور وجہ اختلاف بھی مسئلہ خلق تھا۔ "یضل بہ کثیرا ویہدی بہ کثیرا"

(۱) برغوثیہ ـــــ محمد بن عیسیٰ کا لقب برغوث ہے۔ اسی سے یہ فرقہ منسوب ہے۔

(۲) زعفرانیہ ـــــ یہ النجار کا ہمعصر تھا۔ اور "رے" کا باشندہ تھا۔ بغدادی لکھتا ہے۔ کہ زعفرانی کی اکثر باتوں میں قیاس مع الفارق ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کلام الٰہی اللہ کی صفت ذات نہیں جو غیر صفت ذات ہے مخلوق ہے۔ یہ بھی کہتا ہے کہ ایسے شخص سے کتا بھی بہتر ہے جو کلام الٰہی کو مخلوق کہتا۔

اس کے متعلق یہ روایت بھی ہے کہ وہ شہرت پسند تھا۔ اس لئے ایک شخص کو روپیہ دیا اور کہا کہ ایام حج کے موقعہ پر میری نسبت جو بھی ناشائستہ الفاظ ہیں استعمال کرنا تاکہ "بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا" حج کے لئے لوگ دور و نزدیک اور مختلف ممالک سے آتے ہیں ان کو اتنا تو معلوم ہوگا کہ زعفرانی بھی کوئی ہے۔

(۳) مستدرکیہ ـــــ مسئلہ خلق قرآن کے بارہ میں ان کا عقیدہ نجاریہ کے مطابق ہے مگر یہ کہتے ہیں کہ قرآن کے حروف کی ترتیب مخلوق ہے اور ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ

"ان کلام اللہ مخلوق علی ترتیب الحروف"

اس حدیث کی توجیہہ بھی مختلف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کلام اللہ جب تلاوت

Marfat.com

کیا جائے تو مخلوق ہے مگر قرآن قدیم بھی اللہ کے پاس ہے۔ اور وہی آنحضرتؐ کو "وحی" ہوا۔

"چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند"

اس موضوع پر ہم بحث کر چکے ہیں۔

ضراریہ یہ فرقہ ضرار بن عمرو سے منسوب ہے۔ ضرار کے ساتھ "حفص فرد" کا بھی بوجہ ہم عقیدہ مورخین ذکر کرتے ہیں۔ اشعریہ کے ساتھ ان کا اتفاق اس پر ہے کہ اعمال انسانی اللہ خلق فرماتا ہے مگر انسان کسب کرتا ہے اللہ تعالیٰ قادر ہے اور عالم ہے۔ مقصد یہ ہے کہ عاجز اور جاہل نہیں، ذات الٰہی کی ماہیت ذات الٰہی ہی کو معلوم ہے اور یہ قول ابو حنیفہ سے منسوب کرتے ہیں۔ حواس خمسہ کے علاوہ ایک چھٹی حس بھی ہے۔ اور اسی حس سے رویت الٰہی بہشت میں ہوگی۔ اعمال انسانی اگرچہ مخلوق الٰہی ہیں۔ مگر جائز ہے کہ ایک ہی فعل دو فاعل کے درمیان مشترک ہو۔ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اعراض کو اجسام میں اور اجسام کو اعراض میں بدل دے۔ آنحضرتؐ کے بعد "حجت" صرف اجماع پر منحصر ہے۔ احکام دین منقول میں خبر احاد قابل قبول نہیں۔ امامت کے بارہ میں ضرار کی یہ رائے ہے کہ قریش سے باہر جائز نہیں۔ لیکن اگر قریشی اور نبطی میں امام کا انتخاب کرنا ہو تو میں نبطی کو منتخب کروں گا۔ اس لئے کہ وہ اقلیت میں ہیں۔ ان کے حقوق کی حفاظت بسہولت اسی طرح ہو سکتی ہے اور اگر کسی وقت نااہل ثابت ہو تو بسہولت معزول بھی ہو سکتا ہے۔ معتزلہ کا اختلاف اس سے اتنا ہے کہ وہ امامت غیر قریش میں جائز قرار دیتے ہیں لیکن اگر نبطی بھی ہوں تو قریش ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔

Marfat.com

صفاتیہ

معتزلہ اور صفاتیہ میں یہ فرق ہے کہ صفاتیہ سلف کا مذہب ہے جو صفات الٰہی کو ازلی یقین کرتے ہیں۔ جیسے علم و قدرت وحیات و سمع و بصر و ارادت و کلام و جلال و اکرام و جود و انعام و عزت و عظمت اور ان صفات میں فرق نہیں کرتے ان میں سے بعض صفات ذات اور بعض صفات افعال ہیں۔ اصطلاح میں صفات ذات کو "صفات ثبوتیہ" اور صفات افعال کو صفات مشروطیہ کہتے ہیں۔ علم وارادہ و قدرت وحیات و کلام و سمع و بصر کو "ائمہ صفات" بھی کہتے ہیں۔ صفات مشروطیہ وہ ہیں جیسے اسماء رازق و خالق وغیرہ، خالق اسی صورت میں ہم کہیں گے جب مخلوق بھی ہو اور اسی طرح رازق کے ساتھ مرزوق بھی ہو۔ رب کے ساتھ مربوب بھی ہے۔ ان صفات میں ہر ایک اسم رب ہے جو مربوب کا تقاضہ کرتا ہے۔ خالق مخلوق کا اور رازق مرزوق کا، وعلی ہذا القیاس۔ معتزلہ نفی صفات کرتے ہیں۔ اس موضوع پر ہم بحث کر چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بحث مسائل زیادہ تر لفظی ہے اور محض دماغی تعیش۔ معتزلہ کو اس لئے کہ نفی صفات کرتے ہیں "معطلہ" بھی کہتے ہیں۔

صفاتیہ کے بھی کئی فرقے ہیں۔ بعض اس میں مبالغہ اس حد تک کرتے ہیں کہ "تشبیہ" کی حد تک پہنچ گئے۔ ان فرقوں کے حالات ہم "شیعہ غلات" کے تحت بیان کر چکے ہیں کہ وہ اماموں کو الوہیت کا درجہ دیتے ہیں جیسے نصاریٰ مسیح کو۔ بعض تاویل یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی شے کی مثل نہیں۔ اس لئے ایسی صفات مثلاً

Marfat.com

کلام و سمع و بصر وغیرہ جن کا اطلاق مخلوق پر بھی ہوتا ہے جب ان کا اطلاق ذاتِ الٰہی پر ہوگا تو وہ مخلوق کی مثل یا مشابہہ نہیں۔ اسی طرح ایسی قرآنی آیات بھی ہیں جن میں مماثلت یا مشابہت یا حدود کا مفہوم پیدا ہو سکتا ہے۔ مثلاً:

"الرحمٰن علی العرش استوی" اور "خلقت بیدی" اور "جاء ربک" ہم ان کے معنی نہیں جانتے اور ان کی تاویل پر مکلف بھی نہیں ہیں۔ لیکن بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ ضرورۃً ان الفاظ کے معنی ظاہر لینے چاہئیں۔ اور بعض ظاہری نہیں لیتے۔ مگر تاویل کرتے ہیں۔ جو ظاہر معنی کرتے ہیں وہ تشبیہہ میں الجھ کر رہ گئے۔ یہود میں بھی ایسے فرقے ہیں جو توراۃ کی بعض آیات سے تشبیہہ کا مفہوم پیدا کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں شیعہ میں بعض فرقے افراط کی طرف اور بعض تفریط کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ جن فرقوں نے افراط سے کام لیا انہوں نے ائمہ دین کو الوہیت کا درجہ دیا۔

پہلا قدم افراط کی طرف یہ ہے کہ امام معصوم عن الخطا ہے۔ جب بشری فطری کمزوریوں کی نفی کی تو دوسرا قدم فوقیت اور فضیلت کی طرف گیا اور امام کو فوق البشر تسلیم کیا گیا۔ تیسرا قدم الوہیت کے مقام تک گیا۔ اسی کا ردِ عمل معتزلہ کی صورت میں ہوا۔ بعض روافض نے افراط و تفریط سے کنارہ کیا اور معتزلہ میں شامل ہو گئے۔

ابوالحسن اشعری ایک فرقہ جو تشبیہہ ناجائز قرار دیتا تھا۔ ان آیات کی نسبت جن میں تشبیہ کا مفہوم پایا جاتا ہے یہ کہہ کر خاموش ہو گیا کہ "علی الرحمٰن علی العرش استوی" میں الفاظ عرش اور استوی تو معلوم ہیں مگر کیفیت مجہول ہے۔ اس پر ایمان تو واجب ہے مگر اس کے متعلق سوال بدعت ہے۔

یہ مذہب امام مالک بن انسؓ کا ہے۔ یہی طریقہ اور عقیدہ امام احمد بن حنبلؒ و سفیان ثوری اور داؤد اصفہانی اور ان کے متبعین کا ہے۔ ان حضرات نے علم کلام

Marfat.com

سے کام نہ لیا۔ اور لینا بھی نہ چاہتے تھے۔ لیکن جب معتزلہ نے اسے شائع کیا۔ اور خاص خاص عقائد کو ان میں ڈھالا تو ضرورتاً ایک جماعت کی توجہ اس طرف ہو گئی۔ عقائد تو وہی سلف صالحین کے تھے۔ علم کلام سے تائید کی۔

ابوالحسن اشعری اگرچہ معتزلہ کے مدرسہ کا تعلیمیافتہ تھا مگر جب علیحدہ ہوا اور عقاید سلف پر قائم ہوگیا۔ تو مناظرہ اور مباحثہ کی بساط بھی بچھ گئی۔ یہ طائفہ اہل سنت والجماعت کے نام سے موسوم تھا۔ اب "اشعریہ" ہوگیا۔ اشعریہ اس فرقہ کو اس لئے کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ اشعریؓ جنگ صفین کے خاتمہ پر حضرت علیؓ کی طرف سے حکم مقرر ہوئے۔ اور امیر معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن العاص تھا۔ دونوں میں طویل گفتگو ہوئی۔ اثناء گفتگو میں ابو موسیٰؓ نے کہا کہ

"اللہ تعالیٰ مالک وجود و نمود و بود جو کچھ بھی اپنی ملک میں تصرف فرمائے ظلم سے تعبیر نہ ہوگا۔ جو کچھ بھی تم پر حکم فرمائے ظلم نہ ہوگا۔"

غرض حسب روایات ابوالحسن نے انہی ارشادات کو اپنے مذہب کی بنیاد قرار دیا۔ جو ابو موسیٰؓ سے مروی ہیں۔ ابوالحسن نے ان کو استدلال عقلیہ کے ساتھ معتزلہ کے خلاف مناظرہ میں استعمال کیا۔ ابو منصور بغدادی کی کتاب "فرق بین الفرق" مذہب اشعریہ کی مستند کتاب ہے۔ جس کا حوالہ ہم نے ان اوراق میں اکثر دیا ہے۔

"معتزلہ" کے تحت ہم بیان کر چکے ہیں کہ "جبائی" اور اس کا بیٹا ابی ہاشم معتزلہ بصریہ ہیں جن کا اختلاف بعض مسائل میں معتزلہ بغدادیہ سے تھا۔ جبائی کا شاگرد ابی الحسن اشعری تھا۔ ابی الحسن ۳۲۴ھ / ۹۳۵ء میں فوت ہوا۔ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے۔

اشعری نے استاد سے پوچھا کہ:۔

"تین بھائی ہیں۔ ایک تو بچپن میں فوت ہوگیا۔ اور دو عمر طبعی کو پہنچے ایک تو کافر مرا اور دوسرا مومن۔ تینوں کے بارہ میں کیا فتویٰ ہے:"

استاد نے کہا کہ:۔

Marfat.com

"کافر جہنم میں، مومن جنت میں۔ اور بچہ نہ جہنم نہ جنت میں، کسی جائے امن میں ہوگا۔"

شاگرد نے کہا کہ:۔

"بچہ اگر خدا سے کہے کہ مجھے بچپن میں کیوں موت دی۔ بڑا ہوتا مومن بن کر بہشت میں جاتا۔"

استاد نے کہا کہ:۔

"خدا جواب دے گا کہ میں جانتا تھا کہ تو بڑا ہو کر کفر کرے گا اس لئے جہنم میں جاتا۔"

شاگرد نے کہا کہ:۔

"بڑا بھائی کافر اگر خدا سے کہے کہ مجھے بچپن میں موت کیوں نہ دی کہ نہ بڑا ہوتا نہ کفر کرتا اور نہ جہنم میں جاتا۔"

استاد سے جواب بن نہ آیا۔ ابی الحسن نے استاد بلکہ اعتزال سے اعتزال اختیار کیا۔ اور پھر سلف کے مذہب کی طرف رجوع کیا۔ ابی الحسن کی نسبت عقیدتمندوں نے کئی روایات بیان کی ہیں۔ معتزلہ اکثر اعلیٰ پایہ کے پرہیزگار آدمی تھے۔ اس لئے اشعری کے تقوی کو بھی بڑھ چڑھ کر بیان کیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ

"اشعری فلسفہ سے اتنا بیزار ہو چکا تھا کہ مذہبی مناظرہ سے بالکل قطع تعلق کر لیا۔ مگر اس نے آنحضرت ؐ کو خواب میں دیکھا۔ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ اہل حدیث کا مذہب حق ہے اس کی حمایت کر۔"

بہرحال روایت کچھ بھی ہو۔ اشعری نے یہی روش اختیار کی۔

یونانی فلسفی "سوفسطائیہ" (SOPHISTS) کہلاتے ہیں۔ ان میں سقراط اور افلاطون جیسے اعلیٰ پایہ کے مفکر بھی گزرے ہیں۔ اور وہ بھی تھے جو بال کی کھال نکالتے اور لفظی بحثوں میں الجھتے اور الجھاتے۔ یہی حالت معتزلہ کی آخر میں رہ گئی۔

جُبائی "اللہ کے بارہ میں لفظ "عاقل" اس لئے استعمال نہ کرتا کیونکہ اس میں

مفہوم "عقال" کا پایا جاتا ہے۔ جس کے معنی "بندش" ہیں۔ "عقال" اس رسی یا ڈور کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کا گھٹنا باندھتے ہیں۔ یا "سر" سے لپیٹتے ہیں۔ اشعری نے کہا کہ لفظ "حاکم" میں بھی تو یہی مفہوم پایا جاتا ہے۔ "حکمہ" لگام کے ایک حصے کو کہتے ہیں۔ ایسی بحث کو محاورہ میں "سوفسطہ" (SOPHISTAY) کہتے ہیں مناظرہ میں فریق مخالف لفظی ہیر پھیر میں لاکر مغالطہ میں ڈالنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ روش تحقیق سے بہت بعید ہے۔

ان ایام میں اہل حجاز "اصحاب حدیث" سے موسوم تھے۔ اور اہل عراق کو "اصحاب رائے" کہتے۔ اہل حجاز سیدھے سادے مسلمان تھے۔ جیسا کہ آنحضرتؐ اور خلافت راشدہ کے وقت تھے۔ ان کی زندگی عملی تھی اور عقاید کی چھان بین کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اصحابؓ آنحضرتؐ کی صحبت کے فیض یافتہ تھے اور تابعین میں اصحابؓ موجود تھے۔ "قرآن" اور آنحضرتؐ کی موجودگی اصحاب کے لئے کافی تھی۔ ہنگامی حالات کے بارہ میں آنحضرتؐ جو بھی ارشاد فرماتے اس کی تعمیل فوراً ہوتی۔ اہم امور کے متعلق آنحضرتؐ اصحاب سے مشورہ بھی کرتے (شاورھم فی الامر) تابعین کا زمانہ آنحضرتؐ سے اقرب تھا۔ حالات بھی کچھ بہت نہیں بدلے تھے۔ اس لئے وہ اپنے زمانے کے حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اصحاب کی طرف رجوع کرتے جو قرآن اور اس عمل کو بیان کرتے جو ایسے حالات میں آنحضرتؐ اور ان کا تھا۔ اور خود اصحاب کا "اسوہ حسنہ" بھی تابعین کے لئے قابل تقلید تھا۔

اہل حدیث میں امام مالک بن انس اور محمد بن ادریس شافعی اور سفیان ثوری اور امام احمد بن حنبل اور داؤد بن علی بن محمد اصفہانی ائمہ اہل حدیث گزرے ہیں۔ یہ احکام یا تو قرآن کی نصوص سے یا احادیث سے اخذ کرتے۔ قیاس جلی و خفی سے احتراز کرتے۔

لیکن اہل عراق کے حالات مختلف تھے۔ ان کو اہل رائے اس لئے کہا گیا کہ احکام میں قیاس سے کام لیتے۔ اگرچہ قیاس کی بنیاد قرآن و حدیث ہی تھی۔ ان میں

Marfat.com

امام ابی حنیفہ نعمان بن ثابت نے وہ نام پایا کہ آج بھی دنیائے اسلام کی اکثریت اسی کے مذہب پر ہے۔ ابو حنیفہ امام محمد جعفر صادق کے ہمعصر تھے۔ امام جعفر صادق اہل حجاز میں سے تھے اور مدینہ منورہ اہل حدیث کا مرکزی مقام تھا۔ عراق کوفہ اور بغداد اور بصرہ کو خاص شہرت اور اہمیت حاصل رہی۔ ابو حنیفہ کوفی تھے۔ ان کے اصحاب میں محمد بن الحسن اور قاضی ابو یوسف یعقوب بن محمد اور زفر بن ہذیل اور حسین بن زیاد لولوئی اور ابو مطیع بلخی اور بشیر مریسی بلند پایہ مجتہد گزرے ہیں۔ ابو حنیفہ سے آپ کے متبعین نے اختلاف رائے بھی بعض مسائل میں کیا ہے اور یہ ناگزیر امر تھا۔ اس لئے کہ رائے کا اختلاف ہر ایک کے فہم کی بلندی و پستی کے مناسب ہوتا ہے اور خود ابو حنیفہ نے کہہ دیا تھا کہ

"میرا مذہب و علم رائے ہے اور احسن رائے ہی قابل قبول ہوتی ہے میری رائے سے بہتر رائے یا بہتر "تفقہ فی الدین" کسی کا ہو تو وہی اس لائق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے۔"

اشعری امام احمد بن حنبل کا پیرو ہے۔ معتزلہ کا عروج عباسی خلفا مامون اور معتصم کے زمانہ میں انتہا پر تھا۔ لیکن جب یہ بھی متقدمین کی پرانی لکیر پیٹنے لگے تو ان میں کوئی متقدمین کے دل و دماغ کا آدمی پیدا نہ ہوا۔ عوام تو پہلے ہی ان کی فلسفیانہ بحثوں میں کبھی نہیں الجھے۔ خاص علماء دین جن کا عوام پر بہت اثر تھا۔ جب اسی حربہ "علم کلام" کو ان کے خلاف استعمال کرنے لگے تو یہ جانبر نہ ہو سکے۔

اشعری معتزلہ کے خلاف اکیلا ہی نہ تھا۔ اس کا ہم عصر مصر میں ابو جعفر احمد الطحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) اور سمرقند میں ابو منصور الماتریدی دونوں علم کلام کے زور سے مذہب سلف کی حمایت کر رہے تھے۔ دونوں ابو حنیفہ کے مذہب پر تھے۔ لیکن اشعری نے وہ نام پیدا کیا کہ اسی کے سر سلف کے مذہب کے احیاء کا سہرا ہے۔ طحاوی کی کتاب "بیان السنۃ والجماعۃ" آج بھی درسی ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں امام محمد الغزالی (متوفی ۵۰۵ھ) نے علم منطق سے کام

Marfat.com

لیا۔ اور جو کام اشعری نے ادھورا چھوڑا تھا۔ اس کی تکمیل کی۔" احیاء العلوم الدین" میں اس نے عقاید اسلامیہ پر بحث کرتے وقت جہاں فلسفہ اور منطق سے کام لیا وہاں آیات قرآنی اور احادیث کا بھی جا بجا حوالہ دیا ہے۔ منقول کو معقول کی صورت میں ڈھالا۔ بحث کا موضوع ایمان باللہ اور اللہ کے صفات اور رسالت آنحضرتؐ خاص ہے۔

امام غزالی کا ہمعصر ابو حفص عمر بن النسفی (متوفی ۵۳۷ھ) نے "عقاید" پر جو کچھ لکھا وہ اب مستند سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ نسفی امام ابو حنیفہ کے مذہب پر ہے مگر ماطرودی کا بھی حوالہ دیتا ہے۔ نسفی اختصار پسند واقع ہوا ہے۔ اس لئے اس کی کتاب عقاید کی شرح اکثر علماء نے کی۔ سعد الدین تفتازانی کی شرح بہت مشہور ہے۔ صفات الٰہیہ اور رویت حق ایسے مسائل ہیں جن پر امام فخر الدین رازی اور دیگر علماء اسلام نے سیر حاصل بحث کی ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جہاں تک عقاید کا تعلق ہے مختلف اسلامی فرقوں میں پہلے ہی موجود تھے۔ اور ائمہ دین نے ان پر مفصل بحث بھی کی۔ لیکن تفتازانی کے وقت اب یہ مدون ہو چکے تھے۔ اس لئے اب علماء اسلام کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ نئے نئے شاخسانے نکالیں۔ اب جو کچھ متقدمین لکھ چکے تھے اسی کی شرح اور تفسیر کافی سمجھی۔ اسی طرح ملا علی القاری نے ابو حنیفہ کی کتاب "فقہ اکبر" کی شرح لکھی۔

ایک خاص بات جس کی طرف ہم قارئین کرام کی توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ اختلاف رائے تو ایک فطری تقاضہ ہے۔ اور ذہنی ارتقا اس کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا۔ یہود و نصاریٰ میں بھی کثرت سے فرقے ہیں اور اختلاف رائے ہی پر مبنی ہیں۔ مگر تاریخ مذاہب اسلامیہ میں ایک خاص بات جس کی طرف "ارل اڈگر ایلڈر" (EAFL EDGAR ELDER) نے ترجمہ شرح العقاید نسفی کے دیباچہ میں توجہ دلائی ہے یہ ہے کہ:۔

"مسیحی کلیسا کی تاریخ میں علمائے مسیحی کی کونسلوں نے مسیحی عقائد کی تدوین کونسلوں (NICAEA وغیرہ) میں کی۔"

مگر آنحضرت سے لے کر آج تک کبھی مسلمانوں نے ایسی مجالس دینی کی طرح نہیں ڈالی جس میں علماء و حکماء اسلام ایک جگہ بیٹھ کر عقائد وضع دو واضع کرتے ان میں ہر ایک فرقہ اور فرقہ کے عقائد ہر ایک زمانہ میں واحد شخصیت ہی سے منسوب ہیں۔ اور ہر ایک شخصیت قرآن اور سنت رسول ہی کو اپنا مشعل راہ بناتی رہی۔ یہ تو ہر ایک شخصیت کا دعویٰ تھا۔ مگر جو کچھ ان کے اپنے زمانہ کے حالات کا تقاضہ تھا۔ اس سے ذہنی مناسبت پیدا کرنے کے لیے جو کچھ ان نے "تفقہ" کیا وہ ان کا ذاتی "قیاس" یا رائے تھی۔ اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اگرچہ ائمہ دین نے معاصرین کے قیاس کی غلطیاں بھی نمایاں کیں۔ اور ان میں مناظرے بھی ہوتے اور متاخرین نے متقدمین سے اختلاف بھی کیا لیکن کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ بمنزلہ وحی آسمانی ہے۔ اور لوگوں کو اس پر ایمان لانا چاہیئے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر ایک فقیہہ کو اپنی رائے کی صحت کا یقین تھا۔ اور بحیثیت "معلم" ان کے حلقہ درس میں طالبان علوم کا ہجوم بھی رہتا۔ مگر انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ ان کا قول حرف آخر ہے۔ یہی وجہ کہ شاگرد استاد سے اختلاف رائے کرتا رہا۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ ایک زمانہ کے تمام علماء کی ایک دینی مجلس قائم کی جاتی اور اس مجلس میں وہ اسی طرح اختلافی مسائل کو زیر بحث لا کر اتفاق کرتے جیسے مسیحی چرچ کونسل میں ہوتا رہا۔ بادی النظر میں یہ تجویز پسندیدہ معلوم ہوتی ہے۔ اور اس لئے بھی پسندیدہ نظر آتی ہے کہ اس سے شر انگیز تفرقہ مٹ جاتا جو فرقہ بندی میں رونما ہوتا رہا۔

تاریخ کلیسائے مسیحی میں چرچ کونسلوں نے جو عقاید مدون کیے اس نے اہل ذکر و فکر، علم و حکمت کو اجازت نہ دی کہ وہ کچھ اپنی قوت فکریہ سے بھی کام لیں اور اگر کسی نے کبھی ان کے خلاف آواز بلند کی یا ان کی بے ہودگی معقولیت سے

Marfat.com

واضح کی تو "محکمہ احتساب جو پادریوں پر مشتمل" تھا اسے زندہ جلا دینا۔(FAGGOT AND STAKE) ۔ صدیوں تک یہ دینی حکومت لوگوں پر ... رہی اور اکثر مفکرین بے دین اور اکثر اہل حکمت جادوگر قرار دئے گئے۔

جب اہل اسلام نے ہسپانیہ میں حکومت قائم کر لی اور دار العلوم ملک کے طول و عرض میں کھول دئے۔ یورپ سے طلبہ یہاں آنے لگے اور مذہب مسیحی اور علم و حکمت میں جنگ شروع ہو گئی۔ اس معرکہ کے حالات مورخین یورپ نے مفصل لکھے ہیں۔ ان میں سے ڈاکٹر ڈریپر کی کتاب "کونفلکٹ بیٹوین سائنس اینڈ ریلیجن" کا یہی خاص موضوع ہے۔ مسلمانوں میں یہ لڑائی کی صورت کبھی پیدا نہ ہوئی۔ دو دفعہ اور صرف دو دفعہ حکومت نے مذہبی عقاید میں دخل دیا۔ پہلی دفعہ عباسی خلیفہ مامون رشید نے جس کا مذہب اعتزال تھا۔ اس پر ایرانی تمدن زیادہ اثر انداز رہا۔ اس کے عہد میں معتزلہ کا زور تھا۔ اور اہل قرآن و سنت پر عتاب نازل ہو رہا تھا۔ دوسری دفعہ صفوی خاندان نے مذہب امامیہ کو بزور شمشیر شائع کرنا چاہا اگرچہ علماء شیعہ مجتہدین نے سخت احتجاج کیا مگر حکومت کے نشہ میں اس نے کسی کی نہ سنی۔ اس کا جو کچھ نتیجہ ہوا اس کی تلخی بھی اس نے محسوس کی۔ لیکن یہ خرابی تھوڑا عرصہ رہی اور جلد ختم ہو گئی۔

مسیحی دنیا نے بھی دیکھ لیا کہ عقاید کو قانونی تشکیل اگر دی جاتے تو ہزار معاشرتی خرابیوں کا موجب ہوتی۔ مسیحی "آرٹیکل آف فیتھ" جو رومن کیتھولک چرچ نے وضع کئے پروٹسٹنٹ چرچ نے اس کی دھجیاں اڑا دیں۔ جو شر دربارہ عقاید مسیحی چرچ میں برپا ہوا۔ وہ چرچ کونسلوں کا پیدا کردہ تھا۔ چرچ نے جو روش دربارہ عقاید اختیار کی بالکل خلاف فطرت انسانی تھی اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ مسیحی دنیا میں مسیحی مذہب سے نفرت اور مغائرت اس حد تک بڑھ گئی کہ اکثر اہل علم و حکمت اس سے اعتقاداً اور عملاً کنارہ کش ہو گئے۔ اور اکثر مادہ پرست ہو کر رہ گئے۔

عقاید کے بارہ میں ارشاد قرآن ہے کہ

Marfat.com

"لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی"

"دین میں کوئی جبر نہیں ۔ ہدایت اور گمراہی میں نمایاں امتیاز ہو چکا ہے"

"قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا ط وما انا علیکم بحفیظ ۰" (۶/۱۰۴)

"تحقیق تمہارے پروردگار کی طرف سے بصائر آ چکی ہے تو جو بصیرت سے کام لیتا ہے تو اس کا فائدہ اس کی اپنی ذات کو ہے اور جو آنکھیں رکھتا ہوا نہیں دیکھتا تو میں تم پر نگہبان نہیں ہوں ۔

"فذکر انما انت مذکر ۰ لست علیھم بمصیطر ۰ الا من تولی وکفر ۰ فیعذبہ اللہ العذاب الاکبر ۰ ان الینا ایابھم ۰ ثم ان علینا حسابھم ۰" (۳۰/۱۳)

"تو صرف یاد دہانی (عہد فطرت کی) کرانے والا ہے اس لئے یاد دلا مانو تو ہر گز ان پر داروغہ نہیں مگر جس نے اس یاددھانی سے منہ موڑا اور کفر کیا تو اللہ اسکو بڑے عذاب میں مبتلا کرے گا تحقیق ہماری طرف ہی ان کا پھر آنا ہے پھر تحقیق ان کے" ایمان و عمل کا حساب لینا ہم پر ہے ۔

"لیس لک من الامر شیء او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظلمون ۰ وللہ ما فی السموت وما فی الارض ط یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء ط واللہ غفور رحیم ۰" (۳/۴)

"تیرا اس امر میں کچھ بھی اختیار نہیں یا تو ان پر مہربانی کرے یا ان کو عذاب دے اس لئے کہ وہ ظالم ہیں اور جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

"واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا ط کذلک یبین اللہ لکم ایتہ لعلکم تھتدون ۰ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف

Marfat.com

وینھون عن المنکرؕ واولئک ھم المفلحون ہ ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینٰتؕ واولئک لھم عذاب عظیم ہ (پ۴)

"اور قرآن کو سب بالاتفاق مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ نہ ڈالو اور اللہ کے احسان کو یاد رکھو جو تم پر ارزانی فرماتا ہے کہ ایک دوسرے کا دشمن تھا تو تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم اللہ کے احسان سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم تو آگ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے تو اللہ نے تمہیں گرنے سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ اپنی آیات تم پر واضح لفظوں میں بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ اور مناسب ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو معقول باتوں کا امر کرے اور نامعقول باتوں سے منع کرے اور ان (یہود و نصاریٰ) کی طرح نہ ہونا جو بینات کے بعد تفرقہ اور اختلاف میں پڑ گئے ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

نصوص قرآنی سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کا منصب رسالت اتنا ہی تھا کہ پیغام حق لوگوں تک پہنچا دیں اور یہ کہ آنحضرت نہ "حفیظ" نہ "وکیل" نہ "جبار" نہ "مصیطر" تھے۔ اور یہ امور احتساب کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ جب ایک نظام اسلامی قائم ہو گیا۔ تو اس کی تشکیل بھی ارکان اسلام سے ہوئی۔ یہ توحید اور صوم و صلوٰۃ اور زکوٰۃ و حج ہیں۔ آخر الذکر چار کبھی بحث کا موضوع نہیں بنے۔ بحث اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و ربوبیت پر رہی۔ زکوٰۃ اور حج کے لئے استطاعت شرط ہے۔ اس لئے جو صاحب استطاعت نہیں ان پر فرض بھی نہیں۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند تمام فرقے تھے اور نظام اسلامی میں رہتے ہوئے ان کی پابندی لازم ہے۔ عقائد درباره توحید بھی صدر اسلام میں بالکل سیدھے سادہ تھے۔ آنحضرتؐ اور خلفاء راشدین کے عہد میں ان کو زیر بحث نہیں لایا گیا۔ ان کا پختہ ایمان توحید پر تھا۔ اُن کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ اللہ تعالیٰ خالق کائنات اور رب العالمین ہے۔ اور ملوایا کی عبادت کرنی چاہیئے۔ مخلوق کی بندگی شرک ہے۔

Marfat.com

عقاید ذہنی امور ہیں۔ جب تک کوئی شخص تقریر یا تحریر سے ان کا اظہار نہ کرے کسی دوسرے پر واضح نہیں ہو سکتے۔ اور جبراً کسی کے ذہن میں ٹھونسنا بالکل غیر فطری ہے۔ ارشاد قرآن ہے کہ

"حکمت اور موعظۂ حسنہ سے عقاید کا بطلان کرنا چاہیئے اور اگر کوئی شخص نہ مانے تو اسے مجبور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

مسلمانوں کے فرقے تو آخر مسلمان ہی تھے۔ یہود و نصاریٰ جو امن سے حکومت اسلامی میں رہنا چاہیں وہ اللہ اور رسولؐ کے ذمہ میں تھے اور ان کو "ذمی" کہتے تھے۔ محض بعض فروع میں اختلاف کی وجہ سے ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا بالکل غیر اسلامی ہے۔

ترکی سلطان روم سلیم نے ایک فرمان جاری کیا کہ "یہود و نصاریٰ اس کی مملکت سے نکل جائیں یا اسلام قبول کریں۔"

شیخ الاسلام فوراً علماء کے ایک وفد کے ساتھ حاضر ہوا اور کہا کہ "یہ فرمان بالکل غیر اسلامی ہے۔"

سلطان نے کہا کہ "عیسائیوں نے ہسپانیہ میں مسلمانوں سے یہی سلوک کیا اور قصاص جائز ہے۔"

شیخ الاسلام نے کہا کہ "جن عیسائیوں نے ایسا سلوک کیا ان سے قصاص لے سکتے ہو، ناکردہ گناہ سے قصاص جائز نہیں۔"

سلطان نے کہا کہ "آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔"

شیخ الاسلام نے کہا کہ "وہ حکومت اسلامی کے تحت رہتے ہوئے سرگرم کنندۂ تخریب تھے۔ یہود کو تو اس لئے جلاوطن کیا گیا۔ مسیحی روم سے سازباز کر رہے تھے۔ اور رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان حالات جنگ پیدا ہو چلے تھے تو حضرتؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمام دنیا اسلام سے یہود و نصاریٰ کو نکال دو۔

ان سے صلح و امن کا عہد باندھا اور کبھی عہد شکنی نہیں کی۔"

ایک جرمن مورخ لکھتا ہے کہ

"جنگ کے سیاسی فائدہ کے لئے سلطان نے یہ فرمان جاری کیا انہوں نے مخالفت کی۔"

سلطان ایسا جابر تھا کہ وزراکی گردنیں اتنی سی بات پر اڑا دیتا جو اس کی مرضی کے خلاف کچھ کہتے۔ مگر شیخ الاسلام کے سامنے جھک گیا۔ اسمٰعیل صفوی نے فرمان جاری کیا۔ کہ تمام اہل سنت والجماعت اس کی مملکت سے نکل جائیں۔ یا مذہب اثنا عشریہ قبول کریں۔"

"مجتہدین کا وفد اس کے پاس گیا اور سمجھایا کہ یہ فرمان بالکل غیر اسلامی ہے۔"

اور یہ بھی کہا کہ "عثمانیہ ترکیہ حکومت میں لاکھوں شیعہ آباد ہیں۔ اگر ردعمل ہوا تو اس کا نتیجہ سخت خوفناک ہے۔"

اسمٰعیل نے نہ مانا اور قتل کا حکم صادر کر دیا۔ ہزاروں سُنی مارے گئے۔ شام میں اس کا ردعمل ہوا تو ہزاروں شیعہ مارے گئے۔ اس کے بعد دو ہمسایہ مسلمان سلطنتوں میں جنگ چھڑ گئی۔ اگرچہ صفوی شاہ کو نیچا دیکھنا پڑا مگر ایک شخص کی غلطی نے شیعہ اور سُنی کا تنازعہ ایسا کھڑا کر دیا۔ ایک انگریز مورخ لکھتا ہے کہ

"اگر یہ تنازعہ برپا نہ ہوتا اور ترک اور ایرانی باہم نہ الجھتے تو تمام یورپ پر اسلام کا پرچم لہراتا۔ یورپ نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔"

یہ تھا عقاید پر احتساب اور احتساب مناصب حکومت و اختیار ہی سے ہو سکتا ہے۔ ائمہ دین تو صرف معلم تھے۔ ان کے حلقہ درس و تدریس میں ہزاروں طالب علم شامل رہتے اور خود شاگرد بھی استادوں سے اختلاف کرتے۔ عقاید پر احتساب کا یہ مفہوم ہے کہ ان میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہ ہو۔ اور کسی مسلمان کو حق نہیں کہ وہ اپنی خداداد عقل و فکر سے بھی کام لے۔ حالانکہ خود رسول کریمؐ کی زبان سے کہلوایا گیا ہے کہ:

"قل هٰذہٖ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی و سبحٰن اللہ وما انا من المشرکین ○ (۱۲/۱۰۸)

"کہو کہ یہ ہے میرا طریق کہ میں اللہ کی طرف دعوت علیٰ بصیرت دیتا ہوں۔ میں اور وہ بھی جو میرا اتباع کرتے ہیں، (علیٰ بصیرت ہی حق تسلیم کرتے ہیں۔ اور دعوت الی الحق دیتے ہیں) اور اللہ پاک ہے (اس کورانہ تقلیدی ایمان و عمل کو قبول نہیں فرماتا جو شرک ہے) اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔"

اگر کوئی شخص جبراً کسی شخص سے کوئی بات منوائے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ مجبور کے ذہن کو اپنے ذہن کے تابع کرنا چاہتا ہے اور اپنی شخصیت کے اتباع پر مجبور کرتا ہے اور یہ شرک ہے۔

ارشاد قرآن ہے کہ

"والذین اذا ذکروا بآیٰت ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا ○ (۲۵/۷۳)

"وہ اللہ کے بندے وہ ہیں کہ جب ان کو اللہ کی آیات یاد دلائی جائیں تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ اپنے حواس و عقل سے کام لیتے ہیں)"

عقاید دو قسم کے ہیں۔ ایک تو مستقل جیسے ارکان اسلام، ان میں سے توحید اصل اصول ہے۔ دوسرے غیر مستقل جو وقتی اور ہنگامی حالات کے مناسب فقہی احکام ہیں۔ ان کا وضع و داضح کرنا قرآن نے ایک جماعت کے عقل و فہم پر چھوڑ دیا ہے۔ یہ جماعت شوریٰ سے موسوم ہے اور اسی کا مذکور آیات (۳/۱۰۴) محولہ بالا میں کیا گیا ہے اور اسی کو خیر امم کہا گیا ہے کہ

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و تومنون باللہ (۳/۱۱۰)

اور انہی کی نسبت کہا گیا ہے کہ "وامرھم شوریٰ بینھم" اور انہی سے ایسے ہی وقتی انتظامی امور میں مشاورت کا حکم آنحضرت ؐ کو بھی دیا گیا۔ "شاورھم فی الامر"

یہ مجلس واضعان آئین و قوانین ہنگامی تھی۔ لیکن ایسے قوانین حالات خارجی کے تحت جو غیر محدود اور ہمیشہ بدلتے ہیں مستقل نہیں ان کو بھی حالات کے مناسب بدلنا چاہیئے۔ اگر ایسے فقہی احکام یا مسائل کے متعلق احتساب ہو تو وہ وقتی ہی ہوگا۔ اور ہر ایک حکومت اس کا جائزہ لیتی ہے۔ لیکن ان کو بھی عقاید میں شمار کرنا غلطی ہے۔ ایک شخص نیک نیتی سے کسی ہنگامی قانون کو معقولیت کے ساتھ غیر صحیح سمجھتا ہے تو اس کا حق ہے کہ صدائے احتجاج بلند کرے اور اگر وہ اس کی پابندی پر مجبور ہو اور بحالت مجبوری اس پر عمل بھی کرے تو اعتقاداً اس کو غیر صحیح ہی یقین کرے گا۔ اور کسی حکومت کا حق نہیں کہ اسے قابل مواخذہ قرار دے۔

قرآن نے جو نظام اسلامی پیش کیا وہ صحیح معنی میں جمہوری ہے۔ لیکن جب ملوکیت چھا گئی تو اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ شخصی تفقہ سے کام لیا جاتا۔ ملوکیت عامۃ المسلمین کی نمائندہ جماعت نہ تھی۔ اور نہ کوئی مجلس شوریٰ تھی۔

ایرانی تمدن کے زیر اثر وزرا تھے۔ خلافت عباسیہ پر تو اول ایرانی برامکہ پھر ترک سلطان چھائے رہے۔ علماء اسلام اپنے اپنے محدود حلقۂ درس و تدریس میں فقہی مسائل وضع کرتے رہے۔ چونکہ اجتہادات عقلیہ تھے اس لئے ان میں اختلاف بھی تھا۔

اہل سنت والجماعت نے چار ائمہ دین کا اتباع کیا۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل اور امام شافعی اور امام ابو حنیفہ۔ اگرچہ ان کے اجتہادات میں اختلاف ہے مگر اسے نظر انداز کیا گیا۔ ان کے متبعین "مقلد" کہلاتے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے اماموں کے اجتہادات کو مستقل شرعی احکام قرار دیا۔ حالانکہ ان کی حیثیت محض وقتی تھی۔ مسلمانوں پر ذہنی جمود چھا چکا تھا جس کی ذمہ دار ملوکیت تھی۔ اگر یہ اپنی قوت فکریہ سے کام لیتے تو ہر ایک زمانہ کے خارجی حالات کے مناسب خود "تفقہ" کرتے۔ لیکن جہاں لوگ عقل و فکر سے کام لیں ملوکیت قائم نہیں رہ سکتی۔ ملوکیت کے لئے یہی مفید ہے کہ لوگ فرقہ در فرقہ تقسیم ہوں اور ایک دوسرے سے الجھتے رہیں

مغلیہ شہنشاہ اکبر کا وزیر اعظم کہتا ہے کہ

"گر بو حنیفہ در زمان ما بودے فقہ دیگر می نوشت۔"

نیز جسے احکام شریعت کہتے ہیں۔ ماسوی ارکان اسلام سب وقتی اور ہنگامی ہیں اور ان پر احتساب اگروہ فقہی ہے ناجائز ہے۔

آج جہاں کہیں جمہوری حکومت ہے وہاں مجالس واضعان قوانین بھی ہیں۔ اور یہ قوانین ترمیم و تنسیخ بھی ہوتے رہتے ہیں۔ زمانہ کے خارجی حالات کے ساتھ وہ اپنی ذہنیت بھی بدلتے رہتے ہیں۔ اس لئے ترقی بھی کرتے ہیں۔ لیکن مسلمان وہی پرانی لکیر پیٹتے چلے آ رہے ہیں اور تنزل میں ہیں۔ اس لئے جنہیں عقائد سے موسوم کیا جاتا ہے ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں۔

ابوالحسن اشعری نے اگرچہ معتزلہ کو نیچا دکھایا مگر یہی کہتا رہا کہ اختلاف عقاید کوئی وجہ کفر نہیں اور یہ کہ اہل قبلہ سب مسلمان ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ائمہ دین نے فقہی اجتہادات کو خود بلاوجہی حیثیت دی۔ ان کے مقلدین کے حسن عقیدت نے فرع کو اصل ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اور شخصیت پرستی میں الجھ کر رہ گئے۔

امام ابی عبداللہ مالک بن انس ۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور مدت العمر مدینہ ہی میں رہے۔ مدینہ ان ایام میں ان علماء کا مرکزی مقام تھا جن کو بمقابلہ اہل عراق جو اہل الرائے کہلاتے اہل حدیث کہتے ہیں۔ یہ زمانہ نبوت سے قریب تر تھا۔ اس وقت تابعین کی ایک جماعت موجود تھی جو صحابہؓ کو دیکھے اور ملے ہوئے تھے۔ اگرچہ ان ایام میں اور بھی علماء حدیث تھے اور انہوں نے بھی غالباً آنحضرتؐ سے ایک دو واسطہ سے احادیث سن کر قلمبند کی ہوں گی۔ لیکن امام مالک کے "موطا" کے سوا ہمارے پاس کوئی کتاب احادیث ان ایام کی لکھی ہوئی نہیں۔ یہ کتاب امام صاحب نے اپنی وفات سے چالیس برس پیشتر لکھی۔ آپ کی وفات ۱۶۹ھ میں واقع ہوئی۔ موطا کی شرح زرقانی میں یہ حقیقت واضح الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ ابتدا میں امام صاحب نے چار ہزار احادیث جمع کیں۔ ہر سال ان میں کاٹ چھانٹ کرتے

Marfat.com

رہے۔ آج موطا کے مختلف نسخوں میں تین سو سے پانچ سو حدیثیں ملتی ہیں۔ اور نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں سے اصل کتنی اور الحاقی کتنی ہیں۔ اور یہ کہ اگر امام صاحب چند برس اور زندہ رہتے تو باقی کتنی رہ جاتی۔ حافظ عبدالبر نے جامع بیان العلم میں لکھا ہے کہ امام صاحب علم حدیث ظنی یقین کرتے تھے۔ ابن حزم بھی موطا کی بعض احادیث کو "ضعیف" کہتا ہے۔ رجم زانی کے بارے میں بھی اس میں حدیث ہے۔ جس کو اکثر ائمہ حدیث نے بھی ضعیف ہی قرار دیا ہے، اور خوارج اور معتزلہ نے اسے موضوع قرار دیا۔ کیونکہ قرآنی نصوص کے صریحاً خلاف ہے۔ احادیث کچھ تو یہودی اور کچھ زندیق وضع کرتے رہے جن سے ان کے مذاہب کی تائید ہو۔

بنو امیہ کے دور حکومت میں بھی احادیث قلم بند کی جاتی مگر صحابہ اور تابعین نے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ آں حضرت صلعم نے منع فرما دیا تھا اور اس لئے کہ آنحضرت ؐ کے الفاظ کسی کو یاد نہ تھے۔ لیکن بنو عباس کے دور حکومت میں اس طرف خاص توجہ ہوئی۔

خلیفہ منصور عباسی نے امام مالک کو کہا کہ "احادیث سے فقہی مسائل اخذ کر کے ان کو قوانین کی شکل میں ڈھالا جائے"۔

امام صاحب نے انکار کر دیا اور کہا کہ آنحضرت ؐ کے مخاطب اول آپ کی قوم اور عربی قبائل تھے لیکن اب دنیائے اسلام میں کئی قومیں ہیں ان کی تہذیب و تمدن جدا جدا ہے۔ اس لئے کوئی ایسا قانون مدون نہیں ہو سکتا جس کی پابندی پر سب مجبور ہوں"۔

خلیفہ نے کہا کہ "ہم سب کو مجبور کریں گے"۔

فرمایا "لا اکراہ فی الدین" دین میں تو ایسا قانون ماسوی قرآنی احکام نافذ نہیں ہو سکتا۔ ملکی مصالح کو مد نظر رکھتے ہوئے ذہنی اور خارجی حالات کے مناسب احکام وضع ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان میں بھی اختلاف زمان و مکان کی وجہ سے اختلاف لازم ہے۔

مسیحی کونسلوں اور ائمہ دین کے اجتہادات میں بہت فرق ہے۔ یورپ
میں "پوپ" کا مذہبی اقتدار چھایا ہوا تھا۔ اور ایک دینی حکومت تمام یورپ میں
قائم تھی۔ کونسلوں میں جو بھی عقاید وضع کیے وہ ناقابل تغیر و تبدل سمجھے گئے۔ مگر ہمارے
ائمہ دین نے کبھی اپنی شخصی رائے کو لوگوں پر بجبر نہیں ٹھونسا۔ اصول دین میں سب کا
اتفاق تھا اور تمام دنیائے اسلام کا اب بھی اتفاق ہے۔ معاملات کے بارہ میں جو
قوانین وضع ہوئے ان میں اختلاف ہے۔ اور یہ ناگزیر امر ہے۔ عقاید نسفی چند جملوں
میں ختم کی گئی ہے۔ تفتازانی نے جو شرح لکھی اور دوسروں نے جو اس پر حاشیہ آرائی
کی۔ اس میں عقاید کے تحت وہ اختلافی مسائل بھی زیر بحث آگئے جن کا تعلق علاوہ
اور امور کے براہ راست اللہ تعالیٰ خالق کا مخلوق کائنات سے ہے۔ اس کے
ضمن میں یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ ذات باری تعالیٰ کی صفات خلق وغیرہ اور مخلوق یعنی
کائنات کی کیا حقیقت ہے۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ کافی ایمان باللہ تھا کہ
ایک ذات واحد خالق کائنات ہے اور ہم سب اس کی مخلوق ہیں اور اسی کی عبادت
کے لئے مخلوق ہوئے اس کی اہمیت دریافت کرنے کے لئے ہم مکلف نہیں۔
کسی حد تک یہ صحیح بھی ہے۔ اگر مکلف ہوتے تو سب ہوتے۔ چند افراد کی ذہنی
کاوش پر اس کا انحصار نہ ہوتا۔ مختلف فرقوں کے عقاید کی چپقلش دیکھ کر کسی نے یہ فرد جت
کیا کہ "نیکوکار مسلم بالخصوص بنوہاشم سے محبت کرو مگر شیعہ نہ ہو مایوس نہ ہو مگر جبریہ نہ
ہو۔ جان لو کہ خیر اللہ کی جانب سے اور شر تمہارے نفس کی طرف سے ہے مگر قدریہ
نہ ہو۔ جو بھی نیکی کرے نیک ہے اس سے محبت کرو خواہ وہ کان پھٹا جوگی ہو"۔

بہر حال خواہ ہم مکلف نہ بھی ہوں جو اپنے اطمینان قلب کے لئے چاہتے ہیں
کہ ان امور کا علم ہو انہیں کیوں روکا جائے۔ اس طرح تو ذہنی اور مادی ارتقا رک
جائے گا۔

ایلڈر لکھتا ہے کہ

اسلام نے جو اضافہ فلسفہ میں دربارہ نظریہ جوہر عرض کیا انیق (UNICUE)

Marfat.com

ہے۔ اس سے ابتداء اور نظم و نظام کائنات کی مکمل تشریح ہوتی ہے مسلمانوں میں "باقلانی" (متوفی ۱۰۱۳ء) اس نظریہ کا موجد سمجھا جاتا ہے، نظریہ یہ ہے کہ :-

۱ ــــ کائنات جواہر فردہ سے مرکب ہے جو لایتجزیٰ ہیں اور سب ایک جیسے ہیں۔ ان میں اقدار نہیں لیکن بحالت ترکیب جسم کی صورت میں پیدا ہو جاتی ہے۔

۲ ــــ خلا جس میں کوئی شے موجود نہیں۔ اجزاء فردہ کا اتصال و انفصال و حرکات کا مقام ہے۔

۳ ــــ وقت بھی اجزاء فردہ ہے جو لایتجزیٰ ہے

۴ ــــ اعراض بھی عناصر ہیں مگر غیر مستقل ہیں اگرچہ مادہ پر عارضی ہیں مگر ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔

۵ ــــ مادہ بلا اعراض اور اعراض بلا مادہ نہیں ہوتا اگرچہ جواہر یا اعراض کا حجم نہیں ہوتا۔

۶ ــــ اعراض دو اجزاء وقت میں واقع نہیں ہوتے۔ اس لئے اشیاء میں ذاتی قابلیت نہیں اللہ ہی جواہر اور اعراض بیک وقت پیدا کرتا ہے اور یہ فنا و بقا باہم ہوتے رہتے ہیں۔ جنھیں قوانین فطرت کہتے ہیں۔ وہ سنت اللہ ہے جو تبدیل و تحویل نہیں ہوتی۔

۷ ــــ موت و حیات دونوں اعراض ہیں جو ہستی پر عارض ہیں۔ سکون و حرکت اور موت و حیات دونوں حقیقت ہیں۔

۸ ــــ جواہر اور اعراض کے سوا اور کچھ ہست نہیں۔ تمام اجسام انہی کی ترکیب سے بنتے ہیں۔ اجسام کی صورت میں اختلاف اور اعراض کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ جواہر خود ایک دوسرے سے مختلف نہیں۔

۹ ــــ ایک عرض دوسرے عرض میں نہیں ہو سکتا۔ ہر ایک عرض بلا واسطہ

Marfat.com

اپنے جوہر سے وابستہ ہے اس کا محل یا مکان ہے۔

۱۰۔۔۔ ارادہ الٰہی قوانین فطرت سے بالاتر ہے۔ اس لئے عالم میں غیر محدود امکانات ہیں۔ ارادہ الٰہی پر قوانین محیط نہیں۔

۱۱۔۔۔ غیر محدود کا تصور ناممکن ہے۔ غیر محدود جسم یا غیر محدود تعداد اجسام یا غیر محدود تعداد اسباب محال ہے اس لئے کائنات محدود ہے۔

۱۲۔۔۔ بصر کی شہادت اس وقت معتبر ہے جب بصیرت تصدیق کرے یعنی حواس ظاہری بصر وغیرہ سے جو کچھ محسوس ہوتا ہے ہر ایک حال میں قابل اعتبار نہیں۔ حقیقت کا شعور بصیرت سے ہوتا ہے۔

متکلمین کے ان نظریوں پر زیادہ بحث ہمارے موضوع سے سردست خارج ہے۔ ہم صرف یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ طبعیات اور فلسفہ کی تحریک خواہ خارجی تھی مگر مذہبیات نے ہی مسلمان حکماء کو اس طرف متوجہ کیا۔ اور اس میں جو قابل قدر اکتشافات علمیہ ہوئے۔ وہ ہمارے زمانہ کے حکماء کے نظریوں سے لگا کھاتے ہیں۔ اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ ان نظریوں کا اثر متکلمین کے عقاید پر بھی ہوا ہم ان عقاید کا ذکر کرتے ہیں:۔

(۱) حقایق اشیاء ثابت ہیں اور ان کا علم علی الرغم سوفسطائیہ قابل تصدیق و تحقیق ہیں۔

سوفسطہ (SOPHISTS) یونانی فلسفی ہیں۔ بلحاظ عقائد ان کے بھی کئی فرقے ہیں: ایک تو وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ عالم محض اوہام و خیال ہے۔ یہ حقایق اشیاء کے منکر ہیں۔

مولینا جامی کہتے ہیں:۔

سوفسطائی کہ از خرد بے خبر است ۔ گوید عالم خیالے سر بسر است
آرے عالم ہمیں خیال است و لے
جاوید درو حقیقتے جلوہ گر است

اس فرقہ کو "عنادیہ" کہتے ہیں۔ دوسرا فرقہ "عندیہ" سے موسوم ہے۔ یہ بھی حقائق کے منکر ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ جنہیں حقائق سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ ہمارا ہی تصور ہے اگر ہم نہیں کہ کوئی شے جوہر ہے تو وہ جوہر ہے۔ اگر کہیں عرض ہے تو عرض ہے۔ اسی طرح قدیم و حادث و ہست و نیست سب کچھ انسانی تصورات ہیں۔ تیسرا فرقہ لاادریہ (AGNOSTICS) ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی شے کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ ہست ہے کہ نیست ہے۔ کیونکہ دونوں دعووں کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور یقینی دلیل ہمارے پاس نہیں۔ یہ ہر ایک کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے ہی شکوک پر بھی شک کرتے ہیں۔

ارشاد قرآن ہے کہ اولی الالباب جب تدبر سے کام لیتے ہوئے بدیہی واقعہ اختلاف لیل و نہار اور تخلیق کائنات میں فکر کرتے ہیں تو اس صحیح نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ "ربنا ما خلقت ھذا باطلا" اور نیز ارشاد ہے کہ

"وما خلقنا السّمآء والارض وما بینھما باطلا ذٰلک ظن الّذین کفروا" (۲۳/۱۲)

"ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے باطل پیدا نہیں کیا۔ ایسا ظن ان لوگوں کا ہے جو کفر کرتے ہیں"

"وما لھم بہ من علمٍ ان یتّبعون الّا الظّنّ وانّ الظّنّ لا یغنی من الحق شیئاً" (۲۳/۹)

"اور ان کو اس کا علم تو ہے نہیں۔ یہ تو صرف ظن کا اتباع کرتے ہیں اور ظن کا حق میں کچھ حصہ نہیں"

باطل کی تعریف یہ ہے کہ

"ما یبدئ الباطل وما یعید" (۲۳/۱۲)

"باطل سے نہ کچھ پیدا ہوتا ہے اور نہ وہ پیدائش کو دہراتا ہے"۔
اس لئے کائنات باطل نہیں بلکہ قائم بالحق ہے۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ علم ہی سے حق کا انکشاف ہوتا ہے اور اس کے حصول کا صحیح طریقہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ "ظنیات سے خالی الذہن ہو کر مشاہدہ کرو اور اس کو اس کی حقیقی اور اصلی صورت میں دیکھو جیسی کہ ہے اور یہ کہ اگر باطل ہو تو اشیاء عبث اور بے نتیجہ ہوں گی اور ہمارے تمام علوم جو ان سے ماخوذ ہیں باطل ہوں گے۔

ہمارے زمانہ میں عموماً اہل علم و حکمت "لاادریہ" ہیں۔ اور نظام کائنات میں کسی مقصد اور حکمت کے قائل نہیں۔ کہتے ہیں کہ ضروریات کے علم کی یہ کیفیت ہے کہ ان میں سے بعض کا علم حواس کے ذریعہ (حسیات) ہوتا ہے۔ لیکن حواس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ احول ایک کو دو دیکھتا ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس۔ بعض بدیہیات ہیں۔ لیکن ان کے بارہ میں اختلاف رائے اختلاف نظریہ ہے۔ دوسری ضروری قسم "استقرائیہ" ہے۔ مگر "کبریٰ" یا تو حسیات یا بدیہیات سے۔ لیکن یہ خود غیر معتبر ہیں۔ اس لئے نتیجہ بھی غیر معتبر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مفکرین کے نظریوں میں اختلاف ہر ایک زمانہ میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔

تفتازانی جواب میں لکھتا ہے کہ:۔

"ان کو راہ راست پر لانے کا سہل علاج یہ ہے کہ ان کو آگ میں جھونک دو۔ پھر ان سے پوچھو کہ اب تمہارے حسیات اور بدیہات کیا کہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانیں گے۔ حالانکہ بات بالکل سیدھی سادی ہے کہ حواس کی غلطی کسی خاص سبب سے ہوتی ہے۔ اگر یہ سبب رفع ہو جائے تو غلطی کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے اس لئے محض غلطی سے اس کی نفی نہیں ہو سکتی۔ رہا اختلاف رائے کا سوال تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ بدیہات میں امر بدیہی سے واقفیت کا قصور ہے یا اس کے متعلق باتباع ظن غلط نظریہ بطور کبریٰ قائم کیا جاتا ہے لیکن اگر صغریٰ و کبریٰ کا صحیح تصور ذہن میں ہو تو نتیجہ بھی صحیح ہوگا۔ انسان مغالطہ میں اسی لئے الجھتا ہے کہ کبریٰ صحیح نہیں ہوتا۔

Marfat.com

علامہ نسفی لکھتا ہے کہ تحقیق کے تین طریقے ہیں :۔

۱ــــــ حواس سلیمہ

۲ــــــ اخبار الصادق

۳ــــــ العقل

ارشاد قرآن ہے کہ :۔

"ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتٰب منیر" (۲۱/۱۲)

"اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں کہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر علم اور نہ کوئی ان کے پاس ہدایت (صحیفہ) اور نہ کتاب روشن (صحیفہ فطرت) ہے"

ان آیات میں بھی تین طریقے بتائے گئے ہیں :۔

اول علم (معقول)

دوسرے، کوئی صحیفہ آسمانی جیسے توراۃ و انجیل و قرآن (منقول) جسے علامہ نسفی اخبار الصادق سے تعبیر کرتا ہے ۔ اور

تیسرے، آیات صحیفہ کائنات (ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ)

حقیقت یہ ہے کہ اصل منبع علم یہی صحیفہ فطرت ہے اور قرآن عظیم و حکیم اسی کی تفصیل (تفصیل الکتٰب لا ریب فیہ) اور اسی کا "بیان" (ھذا بیان للناس) ہے ۔ یہی "کتاب منیر" "کتاب مبین" ہے ۔

(تلک ایٰت القرآن والکتٰب مبین، ۱۹/۱۹)

(تلک ایٰت الکتاب والقرآن مبین، ۱۴/۲۰)

(تلک ایٰت الکتاب والذی انزل الیک من ربک بالحق، ۱۳/۲)

یہی ام الکتٰب ہے جس سے تمام علوم ماخوذ ہیں ۔ یہی کتاب حق بات کہتی ہے (ولدینا کتٰب ینطق بالحق، ۱۸/۴) اور یہی سرچشمہ "وحی" ہے ۔ (اتل ما اوحی الیک من الکتٰب، ۲۱/۱) اگر حواس سلیمہ اور قلب سلیم ہو تو اسی کے مشاہدہ سے

انکشاف حق ہوتا ہے۔

یہ امر تجربہ اور روزمرہ مشاہدے سے ثابت ہو چکا ہے کہ ہر ایک شخص پر انکشاف حق نہیں ہوتا۔ اس لئے جس پر ہوتا ہے اس کی شہادت پر اعتبار کرنا واجب ہے دور جانے کی ضرورت نہیں علمی انکشافات جن کے قلب پر ہوتے ہیں وہ ان کا اعلان عوام میں کرتے ہیں۔ کوئی مانے یا نہ مانے اس کا اختیار ہے لیکن جو مانتے ہیں اور ان کو اعتقاداً اور عملاً تسلیم کرتے ہیں۔ فائدہ میں رہتے ہیں اور جو مانتے ہوتے عمل نہیں کرتے یا اعتقاداً اور عملاً نہیں مانتے خسارہ میں رہتے ہیں۔ انہی علمی انکشافات کا عملی نتیجہ وہ ایجادات ہیں جن سے ہمارا معیار زندگی بلند ہو رہا ہے اگر کوئی ان کا انکار کرے تو ظاہر ہے کہ حسیات اور بدیہات کا انکار کر رہا ہے۔ یا تسلیم کرتا ہو اعمل میں نہیں لاتا تو ان کے فوائد سے محروم ہے اس لئے یہ امر عقاید میں داخل ہے کہ

(۲) رسولوں پر ایمان لایا جائے جو مخبر صادق اخبار صحیحہ دیتے ہیں۔

(۳) ان کتب مقدسہ پر ایمان ہو جن میں اخبار الصادق ہیں۔

صحیح خبر دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جو کسی شاہد اول کی شہادت ہے۔ اس پر یقین کرتے ہوئے اس کا علم بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے مصر دیکھا اور مصر کے حالات چشم دید بیان کرتا ہے اگر کوئی شخص چاہے تو اس کو مصر دکھایا جا سکتا ہے اسی طرح وہ مرتبہ یقین سے علم حاصل کرے گا۔ اور اگر کوئی شخص مصر میں نہ جا سکے یا نہ جانا چاہیئے۔ تو اس کے لئے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ اسے بہر حال یقین کرنا چاہیئے۔ یہ شہادت تو مادی دنیا میں بذریعہ بصر کام آ سکتی ہے۔ اگر شاہد کوئی ایسی بات کہے جسے مابعد الطبیعۃ یا ماقبل الطبیعۃ کہتے ہیں۔ اس شہادت کی بھی تصدیق و تحقیق ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے "بصیرت" کی ضرورت ہے جس کے لئے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب مقدم ہے جو تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے

Marfat.com

یہی وہ اخبار الصادق ہے۔ جو ہمیشہ بحث کا موضوع رہا۔ شہر کو ران دحدیث قبل کا معاملہ ہے۔ اگر کوئی شخص صاحب بصیرت نہ ہو یا کسی وجہ سے ہو نہیں سکتا یا ہونا نہیں چاہتا تو اسے بہر حال اس شہادت پر یقین کرنا چاہیئے۔ اور یقین کے کے ساتھ اس کے مناسب عمل بھی کرنا چاہیئے وہ فائدہ سے محروم نہ رہے گا۔

"باطل کی تعریف کے تحت ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ محض ظنیات اور دوراز کار توقعات (تمنا) اور توہمات ہوتے ہیں۔" حق" کی تصدیق اس کے نتیجہ سے ہو سکتی ہے۔ جو بات بے نتیجہ ہو وہ عبث ہے یا لہو ولعب ہے۔ اس لئے ایمان و عمل اگر بے نتیجہ ہوں تو عبث ہیں۔ اس لئے ہم ہر ایک عمل بحکم یقین کے ساتھ کرتے ہیں او نتیجہ کی تحری امید رکھتے ہیں۔ قرآن میں "یوم آخرت" یہی نتیجہ اعمال ہے۔ اس لئے اس کا بھی پختہ عقیدہ ہونا چاہیئے۔ کہ

(۴) یوم آخرت حق ہے۔

تفتازانی نے خبر صحیح پر مفصل بحث کی ہے۔ ایسی خبر جسے ایک سے زیادہ بلکہ اکثر لوگ بیان کریں۔ اور ان کی نسبت یہ یقین بھی ہو کہ وہ جھوٹ نہیں بولیں گے۔ تو اس کو "تواتر" سے موسوم کرتے ہیں۔ اس سے ضروری علم حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً شاہان گزشتہ کا تذکرہ یا ان حوادث کے تاریخی واقعات جن سے انقلاب عظیم رونما ہوا۔ یہ اب دکھائے نہیں جا سکتے۔ مگر ان پر یقین کرنا واجب ہے اسی طرح وہ واقعات جو بطور پیش گوئی بیان کیئے جاتے ہیں۔

ز ترتیب تصورہائے معلوم

شود تصدیق نا معلوم مفہوم

ایک ہیئت دان ریاضی کی مدد سے بتاتا ہے کہ آئندہ سال کسوف و خسوف فلاں وقت ہوگا اور فلاں ساعت میں ہوگا۔ اسی طرح آئندہ زمانہ کے ہزارہا سال کے کسوف و خسوف کا وقت بتا دے گا۔ اور اسی طرح گزشتہ ہزاروں سال کا بھی بتا دے گا۔ اور اگر ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں تو جو عمل کرتے ہیں اسی آئندہ زمانہ

Marfat.com

میں اس کے نتیجہ کی امید بھی کرتے ہیں۔ اگر ہمارا عمل صحیح ہو تو نتیجہ بھی خاطر خواہ ہوتا ہے۔

اگر ایک شخص بدپرہیز ہے اور حفظان صحت کے قوانین کی پروا نہیں کرتا ضرور ہے کہ دیر سویر بیماری میں مبتلا ہو جائے۔ ان امور کا علم ہمیں تذکرہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور تفکر اور تدبر سے ہم بہت کچھ آئندہ کا علم بھی حاصل کر سکتے ہیں یہ ایسے امور ہیں جن کا انکار کوئی اہل علم نہیں کرتا، ظاہر ہے کہ آئندہ واقعات کی پیش گوئی ممکن ہے ہمارے تمام کاروبار اسی آئندہ کی توقع پر چل رہے ہیں۔ لیکن اہل مذہب بالخصوص مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جو کچھ بذریعہ وحی انبیاء کو معلوم ہوا وہ خبر صحیح ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اس کی تصدیق اس وقت ہوگی جب واقعہ مبینہ آئندہ زمانہ میں رونما ہوگا۔ مثلاً توراۃ میں بنی اسرائیل کے بارہ میں چند پیشگوئیاں ہیں۔ جن کا حوالہ قرآن (سورہ بنی اسرائیل) میں دیا گیا ہے۔ آخری پیش گوئی کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

"اور خداوند تجھے مصر میں پھر جہازوں پر اس راہ سے لائے گا جس کی نسبت میں نے تجھ سے کہا ہے کہ تو پھر نہ دیکھے گا اور یہاں تو اپنے دشمنوں کے ہاتھوں بطور لونڈی اور غلام بیچا جائے گا۔ اور تیرا کوئی خریدار نہ ہوگا۔
(المثانی $\frac{۲۸}{۶۸}$)

المثانی اسفار موسیٰ کی پانچویں کتاب ہے۔ قرآن میں بھی اس پیشگوئی کا مذکور ہے۔

"فاذا جاء وعد الآخرة جئنا بكم لفيفا" ($\frac{۱۵}{۱۲}$)

"جب آخری وعدہ کا وقت آئے گا تو (اے بنی اسرائیل) ہم تم کو ہر ایک جگہ سے لپیٹ کر اس جگہ لے آئیں گے۔"

حضرت موسیٰ نے یہ خبر صحیح تین ہزار سال سے زائد عرصہ گزرا ہے دی تھی اور آں حضرت ؐ نے بھی تیرہ سو سال پیشتر اسے دہرایا۔ ہم نے اپنے زمانہ میں دیکھ لیا کہ اعلان بالفور کے بعد یہود ارض معہود فلسطین میں کرہ ارض سے سمٹ سمٹا کر

آرہے ہیں۔ اس جگہ ان کا اجتماع حسب پیشگوئی پورا ہوا اور اس کی تصدیق ہو چکی ہے۔ پیش گوئی کے آخری حصے کا انتظار ہے اور یہ بھی پوری ہو کر رہے گی۔ سب سے بڑھ کر تواتر سے ثابت شدہ شہادت کل انبیاء اور رسل کی ہے جن کا بلا استثنا اتفاق توحید پر ہے اس لئے عقیدہ

(۵) توحید پر یا ایمان باللہ اصل اصول ایمان ہے۔

حکماء کے نظریوں پر باہمہ اختلاف ہم یقین کرتے ہیں جہاں ایک کثیر جماعت کا اتفاق ہر ایک زمانہ میں ہو اس پر ایمان نہ لانا اصول شہادت کے خلاف ہے۔ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ عقلاً اہل علم بھی توحید کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

کائنات عالم کثرت ہے۔ کثرت اشیاء میں ہم مماثلت اور مشابہت اور بینیت اور تخالف اور تضاد مشاہدہ کرتے ہیں۔ انہی امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اشیاء کو طبقات میں تقسیم کرتے ہیں۔ طبقہ جمادات و نباتات و حیوانات کی کثرت کو ہم اس طرح تین وحدتوں پر لاتے۔ اس کے بعد ہماری ذہنی کوشش یہی ہوتی ہے کہ ان سب کو ایک نقطہ وحدت پر لائیں۔ اور اس کو "مادہ" سے موسوم کرتے ہیں۔ اسی طرح مادہ کے اجزا کو "جوہر فردہ" میں تحلیل کرتے ہیں۔ یہ ہے ہمارا مبلغ علم الاشیاء۔ ظاہر ہے کہ علم کا حصول توحید سے وابستہ ہے۔ ہمارے زمانہ میں اہل علم و حکمت نے کائنات اور کائنات کی ہر ایک شے کی اصل ایک "قوت" (ENERGY) دریافت کی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں "حقیقت واحدہ" کا انکشاف ہوا۔ اس لئے تحقیق یہی ہے کہ ہستی کی گتھی کو سلجھانے والا عقیدہ توحید ہی ہے۔ اتنا عقلاً بھی معلوم ہو سکتا ہے۔

عقاید تو یہی کچھ ہیں۔ باقی ہمہ افسون و فسانہ۔

ارشاد قرآن ہے کہ

"یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت و

یحرم علیھم الخبٰئث و یضع عنھم اصرھم والاغلٰل التی کانت علیھم۔ (۹/۹)

"(الرسول النبی الامی) معقول باتوں کا امر اور نا معقول باتوں سے منع کرتا ہے۔ اور پاکیزہ چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام قرار دیتا ہے اور جس (رسموں کے) بوجھ کے نیچے دبے ہوتے ہیں (جو ان کے خود ساختہ ہیں) ان سے سبکدوش کرتا ہے، اور وہ طوق (عقاید) جو ان کے گلے کا ہار ہو رہے ہیں اتارتا ہے۔"

اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہی نے جن عقاید میں اپنی اور لوگوں کی قوت فکریہ کو جکڑ کر رکھ دیا تھا۔ اور نا قابل برداشت تکالیف شرعیہ اختراع کیں۔ آنحضرتؐ نے ان کی بے ہودگی واضح کرتے ہوئے انھیں یک قلم موقوف کر دیا۔ لیکن مسلمانوں میں اسی ذہنیت کے آدمی پیدا ہو گئے اور پھر سے لوگوں کو انہی رسوم مذہبی کی زنجیر میں جکڑ دیا اور ایسے عقاید وضع کئے جن کی کوئی سند قرآن میں نہیں۔

علامہ نسفی اور شارح علامہ تفتازانی باہمہ علم و فضل عذاب قبر اور منکر نکیر کے سوال و جواب اور میزان اور پل صراط پر ایمان کو بھی عقاید میں شامل کرتے ہیں۔ اگر میرا بس چلتا تو میں لفظ "عقیدہ" ہی اس معنی میں لغت سے مٹا دیتا۔ نہ معلوم یہ اصطلاح کب وضع کی گئی۔ ہمارے لئے لفظ "ایمان" ہی کافی ہے۔ "عقد" کے معنی ہیں باندھنا، جکڑنا، گرہ ڈالنا۔ ایمان کا مفہوم ہے۔ یقین علمی جو بصر و بصیرت سے حاصل ہوتا ہے۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

خوارج اور معتزلہ عذاب قبر و منکر نکیر کے منکر تھے۔

اگر میرا اختیار ہوتا۔ تو میں اس قسم کے عقاید کی جگہ اور ہی پیش کرتا اور ان کو "ایمانیات" میں داخل کرتا۔ مثلاً

ا۔ "سنت اللہ کبھی تبدیل و تحویل نہیں ہوتی" اور سنداً نص قرآنی پیش کرتا۔

فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا، ولن تجد لسنت اللہ تحویلا (۳۵/۴۳)

Marfat.com

اور یہ عقلاً مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت شدہ حقیقت ہے کہ قوانین فطرت تبدیل و تحویل نہیں ہوتے۔ ہر ایک شے پر انہی کے تحت تغیرات واقع ہوتے ہیں لیکن یہ خود نہیں بولتے۔

۲۔۔۔ قانون خلقت اور اس کے عمل میں کبھی اور کہیں تفاوت نہیں۔ مخلوقات کی صورتوں میں اور ان کے اعمال میں اختلاف ہے۔ اور واجب ہے۔

۳۔۔۔ تمام کائنات اور کائنات کی ہر ایک شے پر تغیرات بلا وقفہ واقع ہو رہے ہیں۔ اور کائنات ہر آن "خلق جدید" میں رونما ہو رہی ہے اور وہ وقت بھی آنے والا ہے اور ایسے وقت کا آنا ان قوانین تبدل و تجدد کے تحت آنا واجب ہے "یوم تبدل الارض غیر الارض والسمٰوٰت" ($\frac{13}{19}$)

۴۔۔۔ اس تجدد امثال و خلق جدید میں قانون ارتقا عمل فرما ہے اس لئے ہمارا ایمان اس حقیقت پر پختہ ہونا چاہیے کہ "الاخرۃ خیر و ابقیٰ" ($\frac{30}{12}$)

انہی امور پر ایمان ہو تو ان کے مناسب عمل اور ان نتائج پر ایمان بھی واجب ہے مثلاً

۱۔۔۔ تمام کائنات ایک پختہ نظام کے تحت قوانین فطرت کے حکم بند ہے۔ اس کو دین اللہ، دین الحق، دین الفطرت اسلام سے موسوم کیا گیا ہے۔ "افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعاً و کرھاً و الیہ یرجعون" اس لئے "ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخسرین" ($\frac{3}{14}$)

۲۔۔۔ مسلمان وہ ہے جو اللہ والا ہو نہ کہ مخلوق کا بندہ۔ اللہ والا وہ ہے

Marfat.com

جو اخلاق الٰہیہ میں رنگین ہو نہ کہ مخلوق کے۔ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ (۲/۱)

۳۔۔۔۔یہ میزان عدل جو اس عالم اضداد میں توازن قائم رکھتی ہے اخلاق الٰہیہ میں داخل ہے۔ اس لئے اس کے مناسب ہماری خواہشات اور اعمال میں بھی اعتدال واجب ہے۔

۴۔۔۔۔اس لئے افراط و تفریط اعمال میں بدی سے موسوم ہوتے ہیں اور اعتدال تقوی ہے: من یعمل سوءً یجزبہ ولا یجد لہ من دون اللہ ولیاً ولانصیرا۔ ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثی وھو مومن فاولئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون نقیرا۔

۵۔۔۔۔اعمال کی جزا و سزا بدیہی امور میں اور بقدر بدی سزا بھی ہے لیکن نیکی کا بدلہ بہت کچھ زیادہ ملتا ہے: من جآء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا ومن جآء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا وھم لا یظلمون (۶) بدی کی سزا بقدر بدی تقاضاء عدل ہے اور نیکی کا عوض دس گنا بخشش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فطرت بدی سے نفور ہے اور اسے بڑھنے نہیں دیتی نیکی پسندیدہ ہے اس لئے اس میں ارتقاء ہے۔

علامہ نسفی نے معراج اور معجزات کو بھی عقاید میں شامل کیا ہے۔ معجزات پر ہم بحث کر چکے ہیں کہ تمام کائنات معجزہ ہے۔ ذرہ ذرہ معجزہ ہے اور تمام امکانات جو ذرہ ذرہ میں "الغیب" ہیں جب انکشاف اہل فکر پر ہوتا ہے تو ایسی ایجادات کرتے ہیں کہ سچ مچ معجزہ ہی ہیں اور ان کا منکر سخت کافر ہے۔ لیکن ایسے معجزات اگر انہیں تسلیم کیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سنت اللہ تبدیل و تحویل ہوتی ہے قابل قبول عقیدہ نہیں۔

معراج کے بارہ میں کچھ روایات ہیں لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ سب

Marfat.com

ایرانی زرتشتی ہیں۔ معراج کا قصہ وہی کچھ ہے صرف نام بدل دئیے گئے۔ "سروش" کی جگہ "جبرئیل" اور "پلصراط" اور "مینو" (بہشت) وغیرہ کا مفہوم ایک ہی ہے۔ واقعہ مؤلف دبستان مذاہب نے زرتشتی مذاہب کے حالات کے تحت یوں بیان کیا ہے کہ

"اردشیر" ایرانی شہنشاہ کو دوسرے عالم کے صحیح حالات معلوم کرنے کا شوق گدگدایا۔ پیشوایان مذہب کو جمع کیا۔ انہوں نے کہا کہ کوئی ایسا آدمی ہونا چاہیئے جس نے مدت العمر آئین زرتشتی کے مطابق کبھی کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ ایسے آدمی کی تلاش ہوئی تو ایک نوجوان دستیاب ہوا۔ آتش کدہ کے قریب ہی موبد وغیرہ اوستا کے پاٹھ میں مصروف ہو گئے۔ نوجوان کو ایک چارپائی پر لٹایا گیا۔ اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی جو کئی دن رہی۔ اس عرصہ میں اوستا کے منتر موبد پڑھتے رہے آخر نوجوان ہوش میں آیا۔ اور کہا کہ دو آدمی زود نویس لاؤ تا کہ جو کچھ میں نے دیکھا وہ بیان کرتا جاؤں اور وہ لکھتے جائیں۔ نوجوان نے بیان کیا کہ اس کے پاس "سروش" (فرشتہ) آیا اور اس کو آسمان کی طرف لے گیا۔"

اس کے بعد "پل صراط" اور "دوزخ" اور "بہشت" کا مذکور ہے۔ یہ طویل داستان ہے۔ یہی قصہ مسلمانوں میں تبدیل نام کے بعد شائع ہوا۔ اور اس کو مستند بنانے کے لئے "احادیث" میں مذکور ہوا۔ معراج کے بارہ میں تمام احادیث زندیقوں کی اختراع ہے۔

اسریٰ

علماء اسلام کو بجا خیال ہوا کہ معراج ایسے مہتم بالشان واقعہ کا مذکور قرآن میں ہونا چاہیئے۔ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت سے معراج کی تصدیق کی۔

▪ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ

Marfat.com

الذی بٰرکنا حولہ لنریہ من اٰیٰتنا، انہ ھو السمیع البصیر۔ (۱/۱۵)

"پاک ہے ذات اللہ تعالیٰ کی، اپنے بندے کو ایک رات مسجد الحرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کی طرف لے گیا۔ جس کے گرد (ہم نے برکت دے رکھی ہے۔ تاکہ اس کو اپنی کچھ آیات کا مشاہدہ کرائیں بتحقیق وہ سمیع اور بصیر ہے۔"

لیکن اس آیت سے تو مجملاً اتنا ہی ثابت ہوا کہ ایک رات آنحضرتؐ نے کعبہ سے بیت المقدس تک سیر کی۔ قصہ معراج تو بہت طویل ہے۔ اس میں تو آسمانوں اور عرش بلکہ اس سے بھی اوپر تک سیر کا مذکور ہے۔ اس لئے تلاش کے بعد سورہ نجم کو بھی بغرض تصدیق شامل کر لیا۔

اب علماء میں بحث کا موضوع یہ تھا کہ معراج جسمانی تھا یا روحانی۔ چونکہ اسی سورہ بنی اسرائیل میں تشریح ہے کہ

"وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس۔" (۱۵/۶)

اس لئے اکثر علماء نے معراج رویا ہی میں تسلیم کیا۔ لیکن بعض نے جسمانی ہی سمجھا۔ چنانچہ علامہ نسفی کی یہی رائے ہے۔

تفتازانی شرح میں لکھتا ہے کہ

"مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک تو سیر نص قرآنی سے ثابت شدہ ہے۔ مگر زمین سے آسمانوں میں جانا مشہور حدیث سے تائید ہوتی ہے۔ اور آسمان سے جنت یا عرش عظیم یا دوسرے مقامات تک جانا "خبر احاد" ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ آنحضرتؐ نے رؤیت الٰہی بصر سے نہیں بلکہ بصیرت دیدہ دل سے کی۔"

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ احادیث "خبر احاد" حجت شرعی نہیں ہوتی۔ اور ایسی خبر پر یقین کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی آیات سے جن کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ قصہ معراج کے بارہ میں کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا ہے۔ آیت زیر بحث سورہ "اسریٰ" یا جن کا دوسرا نام سورہ بنی اسرائیل ہے، واقع ہوتی

ہے۔ اس آیت کے الفاظ میں تدبر کرنا چاہیئے۔

۱۔ "اسریٰ" کے معنی ہیں رات کا سفر۔ یہ لفظ قرآن کی دیگر آیات میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ چونکہ اس کے ساتھ "لیل" بھی آیا ہے۔ اس لئے اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ لیل و نہار میں بہت فرق ہے۔ چنانچہ انہی آیات زیر بحث کے آگے ارشاد ہے کہ "وجعلنا الّیل والنّھار اٰیتین فمحونا اٰیۃ الّیل وجعلنا اٰیۃ النّھار مبصرۃً لتبتغوا فضلًا من ربکم" (۱۵/۲)

رات خواہ کتنی ہی چاندنی ہو دن کی طرح "مبصرہ" نہیں ہوتی۔ اس لئے جن آیات کا مشاہدہ آنحضرتؐ کو رات کے وقت کرایا گیا وہ رات ہی کے مناسب آیات تھیں۔

۲۔ مسجد الحرام پر بحث تحصیل حاصل ہے کیونکہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ کعبہ ہے اور قرآن کی دیگر آیات میں بھی اس سے کعبہ ہی مراد ہے۔ یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے پلوٹھے بیٹے اسمٰعیلؑ نے کی۔ کیونکہ قرآن ہی میں اس کا مذکور بھی ہے۔ اور یہ کہ ملت ابراہیمی کا یہ مرکزی مقام ہے۔ چونکہ اس کی تولیت حضرت اسمٰعیلؑ کے حصہ میں آئی۔ اس لئے ذریت ابراہیم بنی اسماعیلؑ کا یہ قومی اور مذہبی یا ملّی مقام رہا۔

مسجد الحرام کی نسبت ارشاد ہے کہ

"انّ اوّل بیتٍ وّضع للنّاس للّذی ببکّۃ مبٰرکًا وّھدًی للعٰلمین ۝ فیہ اٰیٰتٌ بیّنٰتٌ مقام ابراھیم ومن دخلہ کان اٰمنًا" (۳/۴)

۳۔ مسجد الاقصیٰ پر بھی بحث تحصیل حاصل ہے کیونکہ اس پر بھی اتفاق ہے کہ یہ بیت المقدس ہے جو کسی وقت بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کا مرکزی قومی اور مذہبی مقام تھا۔ حضرت داؤدؑ نے اس کی تعمیر شروع کی۔ غرض یہ تھی

تمام قوم کی توجہ کا مرکز یہی مقام ہو تاکہ آپس میں پھوٹ نہ پڑے ۔ بارہ قبائل میں سے دس قبائل بغاوت پر آمادہ تھے ۔ بیت المقدس کی تکمیل حضرت سلیمانؑ ابن داؤدؑ نے کی ۔

قرآن میں بھی اس کی تعمیر کا یہی مقصد بیان کیا گیا ہے جو داؤد علیہ السلام کے پیش نظر تھا ۔

" وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیہا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ " (۳/۱)

" اور ہم نے (اس عمارت کو جو داؤدؑ نے تعمیر کی) قبلہ (فی الحقیقت) قرار نہیں دیا تھا جس پر تو پہلے تھا ۔ غرض اس سے یہ تھی کہ ہم جانیں کون رسول (داؤد) کا اتباع کرتا ہے ۔ ان میں سے جو اپنے پاؤں پر الٹا پھر جاتا ہے " ۔

قرآن میں بوجہ مسجد الحرام مکہ کو " مبارک اور " ھدی للعالمین " کہا گیا ہے مگر مسجد اقصیٰ کو مبارک نہیں کہا گیا ۔ مبارک اس زمین کو کہا گیا جس میں یہ واقع تھی (حولہ) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمین کو ارض معہود " کہتے ہیں ۔ جس سے عہد برکت وابستہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے باندھا تھا کہ

" میں یہ زمین (ارض شام) تیری ذریت کو ہمیشہ کے لئے دوں گا " اس کو اصطلاح اہل کتاب میں " عہد برکت " سے موسوم کیا گیا ہے اور اسی عہد کی طرف اکثر اشارہ آیات قرآن میں ہے

اوفوا بعھدی اوف بعھدکم (۱/۵)

یہ وعدہ مشروط ہے ۔ قرآن میں مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو بشارت دی کہ

" انی جاعلک للناس اماما ، قال ومن ذریتی ، قال لا ینال عھدی الظالمین " (۱/۱۵)

" میں تجھے لوگوں کا امام بناتا ہوں ۔ عرض کی اور میری ذریت بھی ۔ فرمایا کہ میرا

عہد ظالموں تک نہیں پہنچتا۔"

بیت المقدس کی مختصر تاریخ جیسا کہ صحف انبیاء میں مذکور ہے یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اس کی تعمیر شروع کی اور اس کو "خدا کا اور سلطنت کا گھر" سے موسوم کیا۔ اس سے پیشتر تابوت سکینہ جس میں الواح توراۃ اور دیگر تبرکات موسوی تھے مقدس خیمہ میں تھے اس عمارت میں منتقل کئے گئے۔ حضرت سلیمان نے اس کی تکمیل کی۔ اس شان کا معبد آج تک تعمیر نہیں ہوا۔ حضرت سلیمان کی وفات تک دس قبائل دبے رہے۔ لیکن وفات کے بعد جب ان پر منکشف ہوا کہ بنیاد حکومت کھوکھلی ہو چکی ہے اور عصاء سیاست کو گھن کھا چکا ہے تو علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور "سامریہ" میں اپنا علیحدہ دار الحکومت اور معبد تعمیر کیا۔ یہ اسرائیلیوں کا قبلہ اور بیت المقدس یہودیوں کا قبلہ قرار پایا۔ سامریہ میں "اسرائیلیہ" اور یروشلم میں "یہودیہ" سلطنت ایک دوسرے کی حریف تھیں۔ حضرت یعقوب کا دوسرا نام اسرائیل ہے۔ آپ کے بارہ بیٹوں کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ چوتھا بیٹا "یہودا" تھا۔ اس کی اولاد یہودی کہلائی۔ حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ اور حضرت مسیحؑ یہودی تھے۔ دونوں حریف سلطنتوں میں اکثر جھڑپیں ہوتی رہیں اور دونوں کمزور ہو گئیں۔ شیشک نے اسے تباہ کیا۔

(۱۔ شاہان $\frac{۲۱}{۱۴}$ ۔ ۲۔ تواریخ $\frac{۳۳}{۱۴}$)

یوآش شاہ یہودیہ نے مرمت کی (۲۔ شاہان $\frac{۱۲}{۱۲}$ ۔ ۲۔ تواریخ $\frac{۲۴}{۵}$)

بابلی بادشاہوں نے اینٹ سے اینٹ بجادی اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا (۲۔ شاہان $\frac{۲۵}{۹}$ ۔ ۲۔ تواریخ $\frac{۳۶}{۱۸}$) پھر از سرنو تعمیر ہوئی۔ (عورا $\frac{۳}{۱۲}$) یہ واقعہ اسیری بابل کے بعد کا ہے۔ رومیوں نے اسے جلا کر خاک کے برابر کر دیا اور تمام تبرکات بھی ضائع ہو گئے۔

Marfat.com

آنحضرتؐ کے زمانہ میں رومی اس پر قابض تھے۔ اور یہودی بے خانماں آوارہ گرد تھے۔

ان واقعات سے واضح ہو گیا ہوگا۔ کہ بیت المقدس بنی اسرائیل کا تھوڑے عرصہ کے لئے وہ بھی جبراً قبلہ رہا۔ اور یہ کہ کبھی مبارک ثابت نہیں ہوا۔ لیکن مسجد الحرام آج بھی حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے مبارک اور "ھدی للعلمین" ہے۔

آیات زیر بحث میں اس سیر کی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ کچھ آیات کا مشاہدہ کرایا جائے۔ یہ آیات ظاہر ہے کہ ایسی ہی ہو سکتی ہیں۔ جن کا تعلق ان دونوں مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ سے ہے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ مسجد الحرام کی تعمیر خود بانی ملت حضرت ابراہیمؑ نے کی۔ اور یہ کہ بیت المقدس کی حیثیت قبلہ کی نہ تھی بلکہ بنی اسرائیل کی قومیت کا مرکز حضرت داؤدؑ نے قرار دیا۔ بہر حال یہ دو مرکز حضرت ابراہیمؑ کی ذریت کے تھے جو بعد میں بنی اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کہلائے

بنی اسرائیل کے حق میں عہد برکت جو اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے باندھا پورا نہ ہوا۔ جب تک تورات کا نزول نہ ہوا۔ ان کو ارض شام جس کو تورات میں جنت ارضی کہا گیا ہے ملنے والی تھی۔ جہاں ان کی ملوکیت قائم ہونے والی تھی اس کے انتظام کے لئے ایک ضابطہ آئین و قوانین کی بھی ضرورت تھی۔ اس لئے آیات زیر بحث کے بعد ارشاد ہے کہ

"واٰتینا موسی الکتٰب وجعلنٰہ ھدًی لبنی اسرآئیل الا تتخذوا من دونی وکیلا ۰ (۱۵/۱)

"اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت (نامہ) بنایا یہ کہ میرے سوا تم کسی میرے غیر کو اپنا کارساز نہ بناؤ۔"

اس کے بعد ارشاد ہے کہ

"وقضینا الی بنی اسرآئیل فی الکتٰب لتفسدن فی الارض مرتین ۔ (۱۵/۴)

"اور ہم نے کتاب (صحف موسیٰ) میں قطعی فیصلہ کر دیا تھا کہ تم ضرور دو دفعہ ارض (معہود) میں فساد برپا کرو گے۔ اور اس کی پاداش میں تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے اور تمہیں پیش از وقت آگاہ کر دیا گیا تھا کہ"

"فاذا جآء وعد اولٰھما بعثنا علیکم عبادًا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلٰل الدیار وکان وعدًا مفعولا ۵" (۱۵/۱)

"جب پہلے وعدے کے پورے ہونے کا وقت آیا۔ ہم نے تمہارے خلاف اپنے ایسے بندے اٹھا کھڑے کئے جو (اس وعدہ کی تکمیل کریں اور) سخت جنگجو تھے پس وہ تمہارے گھروں میں گھس گئے۔"

یہ واقعہ بطور پیش گوئی توراۃ (المثانی ۲۷۔ ۲۸) میں کہا گیا ہے۔ یہ وعدہ اس وقت پورا ہوا جب بابلیوں نے یروشلم پر حملہ کیا۔ اس وقت شاہ یہودیہ صدقیاہ تھا۔ شاہ بابل بخت نصر نے یروشلم کو محاصرہ میں لے لیا۔ اور تسخیر شہر کے بعد تمام باشندوں کو اسیر کر کے بابل لے گیا۔ شاہ یہودیہ کے لڑکوں کو اس کے سامنے قتل کیا اور شاہ کی آنکھیں نکلوا دیں۔ اور باندھ کر بابل میں لے گیا۔ اس واقعہ کے چند سال بعد بابلی پھر یروشلم میں آئے۔ اور بیت المقدس اور امرا کے تمام محلات کو آگ لگا کر تباہ کر دیا۔ یہ واقعہ ۲۔ شاہان ۲۵ میں مفصل مذکور ہے۔

بنی اسرائیل ستر سال بابل میں اسیری کے دن بسر کرتے اور اکثر گریہ و زاری اور توبہ کرتے رہے۔ آخر ان کے دن پھرے۔ کیخسرو شاہ ایران نے بابل پر حملہ کیا۔ اسرائیلیوں نے بھی اس سے ساز باز کر رکھی تھی۔ اس لئے تسخیر بابل کے بعد ان کو بھی آزادی ملی اور پھر سے ارض معہود میں آباد ہوتے اور پھر سے بیت المقدس کی تعمیر کی۔

دوسرے وعدہ کے متعلق ارشاد قرآن ہے کہ

"فاذا جآء وعد الاٰخرۃ لیسوءا وجوھکم ولیدخلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ ولیتبروا ما علوا تتبیرا ۵" (۱۵/۱)

"پس جب آیا دوسرے وعدہ کے پورے ہونے کا وقت تو (رومیوں نے) تمہارا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (اقصیٰ) میں داخل ہوتے ہوئے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی) اسی طرح دوسری دفعہ داخل ہو کر سب کچھ تہس نہس کر دیا"۔

اس واقعہ کا مذکور بطور پیش گوئی توراۃ (المثانی باب ۲۸) میں مذکور ہے۔

"تیرا خداوند خدا تیرے خلاف ایک قوم دُور سے زمین کے دوسرے کنارہ سے اس تیزی سے لائے گا۔ جیسے عقاب جھپٹتا ہے۔ ایک قوم جس کی بولی سے تو بالکل ناواقف ہوگا۔ ایک قوم جو درشت رو ہوگی جو بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر رحم کرنا نہیں جانتی"۔ (المثانی $\frac{28}{49}$)

بابلی اسرائیلیوں کے ہم نسل امم سامیہ تھے اور ان کی زبان سے اسرائیلی واقف تھے۔ بلکہ حضرت ابراہیم کی زبان یہی تھی جو بابلی بولتے اور یہاں سے آپ نے ہجرت ارض کنعان (فلسطین) کی طرف کی۔ لیکن رومی زبان (لاطینی) سے اسرائیلی واقف نہ تھے۔ رومیوں کے علم پر عقاب کا نشان بھی تھا۔ رومیوں نے اسرائیلیوں کو ارض مقدس سے بالکل بے دخل کر دیا اور یہ کرہ ارض پر آوارہ گرد ہوتے۔ المثانی باب ۲۸ میں ان تمام مصائب کا بیان ہے جو ان حالات میں اسرائیلیوں کو برداشت کرنی تھیں اور کیں۔ ان حالات میں ان کا واحد چارہ کار "النبی" تھا۔ جس کا مذکور المثانی $\frac{18}{18}$ میں ہے۔

"(خداوند خدا نے فرمایا کہ) میں تیرے بھائیوں (بنی اسمٰعیل) سے ایک نبی تیری مثل مبعوث فرماؤں گا۔ اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا اور وہ بلفظہ من وعن ان سے وہی کچھ کہے گا جو میں اسے امر (وحی) کروں گا اور ایسا ہوگا جو کوئی میرے کلام پر جو وہ (النبی) میرے نام پر کہے گا۔ کان نہ دھرے گا۔ تو اس کا حساب میں اس سے لوں گا۔ (ان علینا حسابھم) لیکن نبی اگر ایسی بات میرے نام سے کہے

Marfat.com

جو میں نے امر نہیں کی اور دوسرے معبودوں کے نام پر بات کہے تو وہ نبی مارا جائے گا۔ (ولو تقوّل علینا بعض الاقاویل ٥ لاخذنا منہ بالیمین ٥ ثم لقطعنا منہ الوتین ٥ فما منکم من احد عنہ حاجزین ٥ وانہ لتذکرۃ للمتقین ■ ۲۹/۴) ۔ اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ ہم کیسے جانیں کہ وہ کلام خداوند خدا کا نہیں ہے۔

جب نبی خداوند خدا کے نام پر کوئی بات کہے اور وہ پوری نہ ہو تو وہ وہی بات ہے جو خداوند خدا نے نہیں کہی۔ نبی نے اپنی طرف سے کہی ہے تو اس سے مت ڈرنا۔ (المثانی ۱۸/۲۲-۱۸)

بنی اسرائیل کو بخوبی علم تھا کہ مثیل موسیٰ ہی ان کا واحد چارہ کار ہے۔ اور جب ارض مقدس سے بے دخل ہو گئے بلکہ محکومی کی حالت میں اس کا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔ مگر مسیحؑ کے زمانہ میں غلط فہمی سے یہ سمجھتے رہے کہ مثیل موسیٰ ہم ہی سے مبعوث ہو گا۔ لیکن مسیحؑ نے واضح الفاظ میں کہدیا کہ "تم مسیح کی نسبت یہ کس طرح کہتے ہو کہ وہ داؤد کی نسل سے ہو گا جب کہ خود داؤد و حیاً اس کو اپنا سردار کہتا ہے۔" (زبور ۱/۱۱۰)

زبور کے الفاظ یہ ہیں کہ

"خداوند خدا نے میرے سردار کو لہا کہ میرے داہنے ہاتھ پر بیٹھ تاکہ میں تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں کی چوکی بناؤں گا۔ جب داؤد اس کو اپنا سردار کہتا ہے تو اس کا بیٹا کیسے ہو گا۔ (متی ۲۲/۴۴)

اہل کتاب کی اصطلاح کے مطابق ہر ایک نبی مسیح تھا۔ اور خدا کا ممسوح کہلاتا اور واجب الاحترام تھا۔ (زبور ۱۰۵/۱۵) "مسیح" کے متعلق توریت (احبار ۱۶/۳۲ وغیرہ) میں مفصل ہدایات ہیں۔ "مسیح" صرف نبی ہی نہ تھا بلکہ ہر ایک شئے مثلاً بیت المقدس کے برتن وغیرہ اور مقدس مقامات اور جو شئے ان سے وابستہ ہو۔ انہی کو لسان قرآن میں "شعائر اللہ" کہا گیا ہے۔ جن کا احترام واجب ہے لیکن

Marfat.com

جس مسیح (النبی) کا انتظار یہود کو تھا وہ عیسٰے نہ تھے۔

اسی غلط فہمی کی وجہ تھی کہ یہودیوں نے حضرت یحییٰ/حضرت عیسٰی سے سوال کیا کہ آیا تو وہ "النبی" ہے جس کا انتظار حسب پیشگوئی موسیٰ ہو رہا ہے۔ دونوں نے انکار کیا۔

حضرت یحییٰ سے سوال کیا گیا کہ کیا تو الیاس ہے؟ آپ نے انکار کیا پھر پوچھا کہ کیا تو النبی ہے؟ آپ نے انکار کیا۔ اور "المسیح" کے بارہ میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ میں نہیں ہوں (یوحنا $\frac{1}{۲۱-۲۰}$)

پیشگوئی جو صحف انبیاء (ملاکی $\frac{۴}{۵}$، یوائیل $\frac{۲}{۳۱}$) میں مذکور ہے اس کے رو سے یروشلم کی تباہی سے پہلے جس کا مذکور توریت میں ہے الیاس اور مسیح کا آنا ضروری تھا۔

حضرت عیسٰے سے جب یہ سوال ہوا تو آپ نے کہا کہ یحیٰے الیاس ہے۔ اور آپ خود مسیح تھے۔ آپ کی بعثت کے بعد یروشلم تباہ ہوا۔ اب صرف النبی کا انتظار باقی رہ گیا۔ توریت کی پیشگوئی (المثانی $\frac{۳۲}{۲۱}$) کے مطابق النبی امی ہوگا۔ اہل کتاب بنی اسمٰعیل کو "امی" کہتے کیونکہ وہ غیر اہل کتاب تھے۔ اور ان میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا تھا۔ یا اس لئے کہ "مکہ" ام القریٰ ہے۔ اور اس لئے بھی کہ آنحضرت لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔ اس انتظار میں یہود مدینہ منورہ کے نواح میں آباد ہو گئے تھے۔ جسے اب مدینہ کہتے ہیں اس کا پرانا نام "یثرب" تھا۔ اور اسی جگہ حضرت موسیٰ مصر سے فرار کے بعد پناہ گزین ہوئے اور یہاں دس سال رہائش رکھی۔ مثیل موسیٰ کی بھی ہجرت کے بعد اسی جگہ دس سال قیام ضرور تھا۔

جب آنحضرت صلعم نے یہود کو دعوت اتحاد دی تو وہ فراموش کر چکے تھے کہ ان کے بزرگوں کو کس کا انتظار تھا۔ ان پر پھر قومی تعصب کا بھوت سوار ہو گیا تھا جب آنحضرت صلعم نے یہ بتایا کہ اگر وہ بات جو میں وحیاً کہہ رہا ہوں ایسی بات ہو کہ میں اپنی طرف سے کہتا تو ضرور تھا کہ وہ پوری نہ ہوتی اور میں مارا جاتا۔ تو یہود نے

Marfat.com

جواب: یا کہ موسیٰ ہمیں پہلے ہی متنبہ کر چکا ہے کہ ساحروں کی بات بھی پوری ہو جایا کرتی ہے۔ یہ اشارہ توراۃ (المثانی ۱۳/۱-۵) کی طرف ہے۔

"اگر تم میں کوئی مدعی نبوت مبعوث ہو یا رویا کا دیکھنے والا اور تمہیں کوئی نشان دکھلائے اور وہ پورا بھی ہو جائے اور تمہیں کہے کہ غیر اللہ کا اتباع کرو جن کو تو نہیں جانتا اور اس کی بندگی کریں تو اس کی بات نہ سن...... اور یہ مدعی نبوت یا رویا دیکھنے والے کو قتل کیا جائیگا"

آنحضرتؐ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ

"اگر میں جھوٹا نبی ہوتا تو ضرور تھا کہ تمہیں غیر اللہ کی طرف دعوت دیتا۔ میں تمہیں تمہارے آبائی دین ملت ابراہیم اسلام کی طرف دعوت دے رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ یہ سحر ہے۔ تم کتنے ظالم ہو۔ موسیٰ کی پیشگوئی اور عیسیٰ کی بشارت کے مطابق میں بینات کے ساتھ مبعوث ہوا

"قالوا هذا سحر مبين، ومن اظلم ممن افترى على الله الكذب وهو يدعى الى الاسلام، والله لا يهدى القوم الظلمين (۶۱/۹)"

آنحضرتؐ کے عہد میں ارض شام پر رومیوں کا قبضہ تھا۔ اب وہ وقت آگیا تھا کہ عہد برکت بنی اسماعیل کے حق میں پورا ہو۔ اور یہ نزول قرآن کے بعد ہی پورا ہونا تھا جیسے اسرائیلیوں کے حق میں نزول توراۃ کے بعد پورا ہوا۔ عہد برکت صرف ارض فلسطین کے متعلق نہ تھا۔ بلکہ اس میں وہ تمام زمین شامل تھی جو دریائے نیل سے فرات اور دجلہ تک تھی۔

توراۃ (کتاب تکوین ۱۵/۱۸) میں اس کے حدود بیان کئے گئے ہیں بنی اسمٰعیل کو عرب کا ایک حصہ ارض حجاز و حجر پہلے ہی مل چکا تھا۔ بنی اسرائیل کو نزول توریت کے بعد ارض فلسطین ملی اب عہد برکت کا تمام علاقہ دریائے نیل سے دجلہ تک بنی اسمٰعیل کو ملنا تھا۔ نزول قرآن کے بعد یہ وعدہ بھی پورا ہوا۔ آیات محولہ بالا کے کے بعد ارشاد ہے کہ

"انّ ھٰذا القرآن یھدی للّتی ھی اقوم و یبشّر المؤمنین" (۱۷:۹)

بتحقیق یہ قرآن راہ دکھاتا ہے جو راست ترین ہے اور بشارت دیتا ہے ایمان والوں کو (کہ عہدِ برکت ان کے حق میں پورا ہوگا)

حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد آپ کا خلیفہ یشوع ارض فلسطین پر قابض ہو گئے۔ آں حضرتؐ کی وفات کے بعد آپ کا خلیفہ صدیق اکبرؓ قابض ہو گئے۔

یہ حقیقت یاد رکھنی چاہیئے کہ آنحضرتؐ کی مماثلت حضرت موسیٰ سے بلحاظ عہدِ برکت ہے۔ بحیثیت رسول اور نبی تو ہر ایک رسول اور نبی کے مثل تھے۔

غرض یہ ایک رویا تھا جو حضرت موسیٰ کو آپ کی قوم بنی اسرائیل کے آئندہ حالات کے بارہ میں دکھایا گیا۔ اور یہی رویا آنحضرتؐ کو بھی دکھایا گیا جس میں آپ کی قوم بنی اسمٰعیل اور اہل اسلام بالخصوص اور کل عالم انسانی کے حالات دکھائے گئے۔

جا در بر گل

یہ ایک مستقل موضوع ہے اس پر مفصل بحث کی گنجائش اس مقام پر نہیں۔ سورہ بنی اسرائیل اول سے آخر تک پڑھ جاؤ کسی آیت میں قصہ معراج موضوعہ مبینہ کی نسبت اشارہ بعید بھی نہیں۔ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔ یہ روایات زرتشتی ہیں۔ جس کا تاریخی ثبوت موجود ہے۔ اس لئے اس کو عقیدہ میں داخل کرنا بے معنی ہے۔

۵ — خلافت اور امامت پر بھی علامہ نسفی اور علامہ تفتازانی نے ان کو عقیدہ میں داخل کرتے ہوئے بحث کی ہے۔ خلافت اور امامت دراصل ایک ہی حقیقت ہے۔ "امامت" کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب بنو ہاشم خلافت کے دعویٰ سے مایوسانہ دستبردار ہو گئے تھے۔ ہم اس موضوع پر بحث کر چکے ہیں۔

مذاہب اسلامیہ میں سے خوارج یہ کہتے ہیں کہ خلافت شرعاً جائز مگر واجب نہیں اور خلیفہ ہر ایک مومن مسلمان ہو سکتا ہے۔ ضرور نہیں کہ قریش سے ہو۔ امامیہ اور

Marfat.com

اسماعیلیہ کہتے ہیں کہ خلافت اور امامت کا تقرر بذریعہ "نص" واجب ہے۔

"نص" سے ان کی یہ مراد ہے کہ یا تو نص قرآنی سے کوئی خلیفہ یا امام مقرر ہو یا اس طرح مقرر شدہ خلیفہ یا امام اپنے جانشین کے حق میں تقرر کی وصیت کرے تاکہ امت میں تنازعہ واقع نہ ہو۔

معتزلہ کہتے ہیں خلیفہ معقول وجوہ پر منتخب ہونا چاہیے۔ اکثر "زیدیہ" بھی یہی کہتے ہیں۔ ان کی مراد یہ ہے کہ خلیفہ یا امام میں خاص خاص اوصاف نسبتاً بڑھ چڑھ کر ہونی چاہئیں۔ ان کا مذکور ہم کر چکے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ خلیفہ یا امام قریش سے ہو مگر اس کا تقرر مسلمانوں کی اکثریت کر سکتی ہے جیسے صدیق اکبر کا انتخاب ہوا۔ یا خود خلیفہ مقرر شدہ اپنے جانشین کے حق میں وصیت کرے۔ جیسے فاروق اعظم کے حق میں صدیق اکبر نے کی یا شوری انتخاب کرے جیسے حضرت عثمان منتخب ہوئے۔

علامہ تفتازانی اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"یہ کیوں جائز نہیں کہ ہر ایک ملک میں ایک ایک صاحب اقتدار جماعت اپنے اپنے ملک کا نظم و نسق خود کریں اور اس طرح تمام جماعتوں پر واحد شخصیت کی حکومت کی ضرورت نہ رہے۔"

اس کے جواب میں آپ کا ارشاد ہے کہ "اس طرح تنازعات جنگ وجدل کی صورت دینی اور دنیوی امور میں پیدا ہونے کا خطرہ ہے" اور ہم اپنے زمانہ میں یہی صورت دیکھ رہے ہیں اور اس کا نتیجہ بھی مشاہدہ کر رہے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ جو غرض و غایت خلافت یا امامت کی ہے وہ ویسے بھی کسی صاحب حکومت کے ذریعہ پوری ہو سکتی ہے۔ خواہ اسے ہم خلیفہ یا امام نہ بھی کہیں۔ تو علامہ کا جواب یہ ہے کہ "یہ صورت موجودہ ترکی حکومت کے مشابہ ہوگی۔"

علامہ اتنا تسلیم کرتا ہے کہ جہاں تک دنیوی امور کا تعلق ہے کام اس طرح

بھی بخوبی چل سکتا ہے۔ لیکن دینی امور جن کی اہمیت بڑھ چڑھ کر ہے درست حالت میں نہیں رہ سکتے۔ ان میں بدنظمی اور خرابی واقع ہو گی۔ اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ خلافت تو صرف عام عقیدہ کے مطابق صرف تیس برس بعد وفات آنحضرت رہی۔ اور خلیفہ اور امام ایک ہی شخصیت تھی اس لئے اگر بطور عقیدہ یہ واجب امر ہے تو آج تک اس کا وجوب عملاً ثابت نہ ہوا۔ اور اس طرح تمام دنیا اسلام گنہگار ٹھہرے گی۔

اس کا جواب علامہ یہ دیتا ہے کہ امام میں بہ نسبت خلیفہ عمومیت کا مفہوم ہے۔ اس لئے خواہ خلافت ختم ہو گئی مگر یہ ضرور نہیں کہ اس کے ساتھ امامت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

علامہ تفتازانی کا یہ مطلب ہے کہ فرائض امامت میں فرائض خلافت بھی شامل ہیں۔ اور ایک ہی شخص کا فرض ہے کہ دونوں فرائض سرانجام دے۔ اگر ایک ادا نہیں کر سکتا تو دوسرا ہی سہی۔ اس لئے کہتا ہے کہ سوائے فرقہ شیعہ کے کوئی فرقہ ان اصطلاحات میں خلافت کو عمومیت نہیں دیتا۔ اس لئے وہ خلافت کو اماموں میں محدود سمجھتے ہیں۔ چونکہ تفتازانی خلافت عباسیہ برحق سمجھتا ہے۔ اس لئے ان کے بعد مسئلہ خلافت کی نسبت لکھتا ہے کہ اس میں اشکال ہے (PROBLEM)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ تفتازانی ایک عقیدہ کی وجہ سے مغالطہ میں الجھ ہوا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر ایک فرقہ نے اپنے اپنے عقیدہ کی تائید میں ایک دو حدیثیں کہیں سے نکال ہی لیں۔ یہ بھی ایک حدیث ہے کہ خلافت تیس برس رہے گی۔ اس کے بعد ملوکیت ہو گی۔ اس حدیث کی زد خلافت بنو امیہ پر پڑتی ہے لیکن جب خلافت امویہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اور خلافت بنو ہاشم (عباسیہ) قائم ہو گئی تو ایک اور حدیث شائع ہوئی۔ یہ ایک طوالانی دعا ہے جو آں حضرت نے حضرت عباس رضہ کے حق میں کی۔ اس کا ایک ٹکڑہ یہ ہے کہ واجعل الخلافت باقیہ عقبہ یعنی خلافت اولاد عباس میں باقی رہے

Marfat.com

ظاہر ہے کہ اگر خلافت صرف تیس برس رہی اور اس کے بعد ملوکیت کا دور شروع ہوا تو بنو امیہ کی طرح بنو عباس بھی ملوک ہی تھے۔ دونوں حدیثوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے تیس سالہ خلافت کو "راشدہ" سے موسوم کیا گیا اور بنو عباس کو بھی خلافت ہی ملی مگر وہ شان رشد اس میں نہ تھی۔ چونکہ بنو امیہ کے جانشین بنو ہاشم ہوئے اس لئے بنو امیہ ملوک ہی رہے اور انہی کو خلافت سے خارج کرنے کے لئے یہ حدیث وضع ہوئی۔

ابو منصور بغدادی اپنی کتاب "فرق بین الفرق" میں جن فرقوں کو خارج از اسلام قرار دیتا ہے تائید میں ایک دو حدیثیں بھی پیش کرتا ہے۔ مثلاً فرقہ قدریہ اور مرجئیہ کے بارہ میں یہ حدیث ہے کہ دونوں پر ملائکہ لعنت بھیجتے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ "مرجئیہ پر ستر انبیاء لعنت کرتے ہیں"۔ اصحاب نے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ مرجئیہ کون ہے"؟ فرمایا کہ "وہ جو ایمان صرف اقرار باللسان سمجھتے ہیں"۔ ابن قتیبہ نے پوری حدیث روایت کی ہے اس میں مورد لعنت مرجئیہ اور قدریہ دونوں ہیں۔ ان کے پاس بھی جواب میں احادیث تھیں۔ لیکن یہ بحث سردست ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

تفتازانی کے عقائد میں سے قابل توجہ یہ ہے کہ خلیفہ یا امام ایک ہی تمام دنیا اسلام میں ہونا چاہیئے۔ تاریخی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو یہ صورت بہت تھوڑے عرصہ تک رہی جو بات ناممکن العمل ہو وہ خلاف فطرت ہے اس لئے اسلامی عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں قرآن کی شہادت اس مسئلہ کے بارہ میں بالکل صاف ہے۔

"وان طائفتٰن من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدٰھما علی الاخرٰی فقاتلوا التی تبغی حتّٰی تفیٓء الٰی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین ٥ انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون ٥ (۲۶/۱۱)

"اور اگر مومنوں کی دو جماعتوں میں لڑائی چھڑ جائے تو ان میں صلح کرا دو اور اگر ایک جماعت دوسرے پر (شرائط صلح ٹھکرا کر) چڑھ آئے تو اس سرکشی کرنے والے سے مل کر لڑو یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی (دربارہ صلح) کو مان لے۔ پس اگر مان لے دونوں میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو۔ اللہ انصاف کرنے والے کو پسند فرماتا ہے۔ مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو بھائیوں میں صلح کرا دو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔"

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ حکومت کسی ایک شخص کے ہاتھ میں جبکہ جماعت میں الوان و لسان و نسل کا امتیاز ہو۔ نہیں رہنی چاہیئے۔ اور عقلاً بھی مذموم ہے۔ ایرانی کب عرب کی سیادت تسلیم کریں گے اور افغان کب ایران کے تحت رہنا پسند کریں گے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ ہر ایک ملک اور قوم کی علیحدہ علیحدہ خود مختار حکومت ہو۔ لیکن ان سب کو ایک رشتہ اخوت میں منسلک رہنا چاہیئے۔ ان کی ایک بین الاقوامی مجلس ہو جو ان کے تنازعات کا عدل و انصاف سے فیصلہ کرے۔

علامہ تفتازانی نے الٹی بات کہی ہے کہ اگر علیحدہ علیحدہ حکومت ہو گی تو باہم لڑیں گے۔ کچھ شک نہیں کہ لڑائی کی صورت بھی ان میں پیدا ہو گی مگر اس کا سدباب آیات محولہ بالا میں کیا گیا ہے۔ لیکن اگر ایک ہی حکومت ہو تو ضرور ہے کہ ملک کے طول و عرض میں عام بغاوت ہو۔ چنانچہ خلافت عباسیہ کے دور دورہ میں ایسا ہی ہوتا رہا۔ اور اب بھی بعض قوموں کے سر میں سودائے ملک گیری سمایا ہوا ہے۔ اور وہ تمام کرہ ارض پر کم از کم اپنا اقتدار جمانا چاہتی ہیں اور کبھی نہ خود چین سے بیٹھیں اور نہ کسی کو چین لینے دیا۔ اول تو نظریہ حکومت جیسا کہ قوموں کے ذہن میں ہے قطعاً غیر اسلامی ہے۔ خوارج نے اتنا تو سمجھ لیا کہ "الحکم اللہ" اور آیات قرآن سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حکومت کا حق صرف ذات الٰہیہ کو ہے۔ ارشاد قرآن ہے کہ

Marfat.com

"الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین o (پ۸)"

"سن رکھو کہ پیدا کرنا اور پیدائش کا مقصد ٹھہرانا صرف اللہ کے لئے، جو تمام کائنات کی ربوبیت برکات سے فرماتا ہے۔"

انسان تو ایک ذرہ بھی پیدا نہیں کر سکتا اور نہ اس کی ربوبیت کر سکتا ہے اس لئے اس کو حق حکومت بھی حاصل نہیں۔ انسان کسی دوسرے انسان پر حکومت کرتا ہے تو اپنے فائدہ کے لئے۔ اللہ تعالیٰ حکومت فرماتا ہے تو مخلوق کے فائدہ کے لئے اور برکات سے مستفیض فرماتا ہے۔ حکومت کا حق اس کو ہے جو قادر مطلق ہو جو چاہے کرے کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔

"لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا، فسبحٰن اللہ رب العرش عما یصفون o لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون o (پ۱۷)"

"اگر آسمانوں اور زمین میں اور بھی کوئی اللہ کے سوا ہوتا تو دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ پس اللہ صاحب تخت حکومت اس شرک سے پاک ہے جو اس سے منسوب کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ چاہے کرے کوئی پوچھنے والا نہیں اور یہ اپنے اعمال کے جوابدہ ہیں۔"

حکومت کا حق اسے ہے جو آئین وقوانین سے بالاتر ہو۔ اس لئے اس کے افعال کی پرسش نہ ہو۔ کئی فرعون دعویٰ "انا ربکم الاعلیٰ" کرتے رہے۔ اور ہلاک ہوئے۔ یہ بھی حکومت صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حکومت کی کوئی صورت ہو جو انسان وضع کرتے ہیں۔ اس میں ایک شخصیت ہمیشہ ممتاز نظر آئے گی۔ مگر وہ قانون سے بالاتر نہیں اور نہ اسے اپنے لئے کوئی خاص امتیاز پیدا کرنا چاہیئے وہ ایسا ہی ایک فرد قوم ہے جیسے اور ہیں۔ قوم میں علو یا برتری کی خواہش موجب فساد ہے۔ نظام معاشرت رکھنے کے لئے انتظامیہ حکومت اس وقت تک واجب ہے۔ جب تک عالم انسانی کی ذہنیت اتنی بلند نہیں ہوتی کہ وہ اپنے آپ کو اپنے اعمال کا آپ ہی واحد ذمہ دار

Marfat.com

سمجھے اور علو اور برتری کو مکروہ یقین کرے۔ نہ حاکم نہ ہو نہ محکوم ہو۔ آیات قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ایسا وقت بھی آنے والا ہے جب ہر ایک قسم کی حکومت ختم ہو جائے گی اور ایک اکیلے اللہ واحد القہار کی ہو گی اور اگر مسلمان سمجھیں تو ہر ایک حکومت کا خواہ یہ دینی ہے یا دنیوی خاتمہ تو خاتم النبیین نے کر دیا۔ یہ انتہائی ذلت انسانیت ہے کہ ایک حاکم اور دوسرا محکوم ہو۔

بیدل بحصول رزق آمادہ بسر   سگ چاکر سگ نگشت و خر بندہ خر
از مخترعات کارگاہ امکان   این ننگ شعور نیست جز صنع بشر

وہ قوم کتنی ذلیل ہے کہ حیوانوں کی طرح بھی ایک جگہ امن سے نہیں رہ سکتے۔

بر عیب خلق خوردہ نگیرند محرماں
اے بیخبر من و تو خدا نیست بندہ است

مذاہب اسلامیہ کی مختصر تاریخ ہم نے بیان کی ہے۔ پیشتر اس کے کہ ہم اپنے زمانہ کے مذاہب کے حالات لکھیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کی خدمت میں یہ بھی گزارش کریں کہ ان مذاہب اور ان کے بانیوں اور ان مذہب والوں کو چشم حقارت سے نہ دیکھیں۔

"فکر ہر کس بقدر ہمت اوست"

ہر ایک شخص صداقت کی تلاش میں تھا۔ اور جو کچھ اپنی بصیرت سے معلوم ہوا اس نے چھپا کر نہ رکھا۔ بعض نے قبول کیا اور بعض نے انکار کیا۔ یہی کیفیت تمام علمی انکشافات کی ہے۔ نظریوں میں اختلاف ناگزیر امر ہے۔ لیکن اس اختلاف میں ارتقا کا راز بھی مضمر ہے۔ انسان ہر ایک زمانہ میں کیا کچھ نہیں کرتا رہا۔ مگر ذہنی اور مادی ترقی بھی مسلسل کر رہا ہے اس لئے تقاضاء عقل یہ ہے کہ ہم انسانی غلطیوں کو نظر انداز کریں اور جو بہتر بات ہے تسلیم کریں اور فائدہ اٹھائیں۔

مذاہب اسلامیہ میں ہمیں بعض باتیں ایسی بھی ملیں گی۔ جو حق یا حق کے اقرب ہیں۔ ہم سر دست عقلی فلسفیانہ بحث میں نہ خود الجھتے ہیں اور نہ قارئین کو الجھانا چاہتے ہیں۔ ہر ایک مسلمان کا خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو قرآن عظیم پر

Marfat.com

پختہ ایمان ہے۔ اور تمام ائمہ دین بھی یہی کہتے رہے کہ ہر ایک قول اور ہر ایک حدیث کی صحت قرآن پر پرکھی جا سکتی ہے۔ ہم نے جہاں مختلف مذاہب کے عقاید کا ذکر کیا ہے۔ آیات قرآن کی روشنی میں اس پر بحث بھی کی ہے لیکن اسے حرف آخر نہ سمجھا جاتے۔ قارئین ممکن ہے کہ بہتر تفسیر یا توجیہہ کر سکیں۔ لیکن ہماری غرض صرف اتنی ہے کہ اس اصل اصول کو نہ بھولیں کہ ہمارے پاس قرآن ہی واحد معیار صداقت ہے۔ لیکن قرآن تذکر و تدبر و تفکر کا بھی ہم سے مطالبہ کرتا ہے مثلاً

"افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔ (۸۲)

"کیا یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے کہ اگر یہ غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں (اور کتاب فطرت میں) اختلاف کثیر پاتے۔"

ہم بحث کر چکے ہیں کہ انسان کے کلام اور انسانی علوم میں واجب ہے کہ اختلاف ہو۔ واجب ہے کہ حکماء کے نظریوں میں اختلاف ہو اگر نہ ہو تو ذہنی ارتقا ختم ہو جاتے گا۔ اس حقیقت پر کل حکماء کا اتفاق ہے کہ یہ قوانین فطرت ہی ہیں جو تبدیل و تحویل نہیں ہوتے۔ لسان قرآن میں انہیں "سنت اللہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لئے مذاہب اسلامیہ میں جو اختلاف ہے وہ آخر انسانی رائے پر مبنی ہے اور اس میں اختلاف واجب ہے۔ جب ہمارے علوم میں بھی اختلاف ہے اور اختلاف واجب ہے تو کوئی شخص اپنی تحقیق کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتا کہ حرف آخر ہے۔

قرآن حکیم کی جو تفسیر بھی لکھی گئی وہ مفسر کے اپنے زمانہ کے علوم اور حالات کے زیر اثر لکھی گئی اور وہی اپنے زمانہ کی بہترین تفسیر بھی ہو سکتی ہے جو مفسر اپنے زمانہ کے حالات کے تقاضا کو سمجھتے ہوئے اس کی گتھی کو سلجھائے۔ اگر کسی کو یہ دعویٰ ہو کہ وہ آئندہ ہر ایک زمانہ کے حالات پر بھی حاوی ہے۔ یا کوئی خوش عقیدہ کسی تفسیر کی نسبت یہ دعویٰ کرے تو خود زمانہ کے حالات جو ہمیشہ بدلتے ہیں اس کی صداقت تسلیم نہیں کریں گے۔ لیکن قرآن "بلاغ" اور "بلیغ" کلام ہے اور

Marfat.com

ہر ایک زمانہ کے ذہن پست و بلند تک رسا ہے۔ اس لئے محققین کو آسمان پر بلند پروازی سے پیشتر "کارِ زمین" کو خوش اسلوبی سے سرانجام دینا چاہیئے۔ آئندہ نسلیں اپنے زمانہ کے حالات سے ہم سے بہتر واقف ہوں گی اور نسبتاً ہم سے ان کے ذہنی درجات بھی بلند تر ہوں گے۔

خوش قسمتی سے مجھے ابتدائی عمر میں بعض اہل اللہ کی صحبت بھی نصیب ہوئی اور میں نے بچشم خود ان کے ایسے حالات بھی مشاہدہ کئے۔ جن کے لئے موزوں لفظ "کرامت" ہی ہے۔ لیکن مجھے ان کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی وہ یہ کہ سنت اللہ تو کبھی تبدیل و تحویل نہیں ہوتی خواہ ہم انہیں "خرقِ عادت" سے موسوم کریں۔ مگر قوانین فطرت کے تحت ہی ان کا امکان ہے۔ اور بہت کچھ کسباً حاصل ہو سکتا ہے کرامات و معجزات کو عقائد میں جگہ دینا مجھے عجیب ہی معلوم ہوتا ہے۔ بعض ائمہ دین نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ "معجزات کا اقرار یا انکار کوئی جزوِ دین نہیں"۔

معتزلہ نے بلاشبہ تدبر و تفکر سے کام لیا۔ اور یہ تحریک بلاشبہ لائق صد تحسین ہے۔ لیکن عقل سے انسان اتنا ہی کام لے سکتا ہے۔ جہاں تک اس کی رسائی ہے ایسے امور میں جہاں عقل عاجز ہو وہاں عقل ہی کا فتویٰ ہے کہ کوئی رہبر تلاش کرو۔ لیکن

عاقل از وضع ضلالت آگہی از کف نداد
بے خبر از کفر ہم بگذشت و اہل دیں نشد

کہتے ہیں کہ ایک گدھا اندھیری رات میں کسی جنگل میں چلا رہا تھا۔ قریب ہی ایک درخت پر اُلّو بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا کہ "میاں گدھے کیوں بھینچے چلاتے ہو"۔ گدھے نے کہا کہ رات اندھیری ہے۔ مجھے راستہ سوجھائی نہیں دیتا اور میں نے اپنے گھر پہنچنا ہے"۔ اُلّو نے کہا کہ "بھینچنے چلانے کی کوئی بات نہیں میں تمہاری رہنمائی منزل مقصود تک کرتا ہوں"۔ یہ کہہ کر اس کے سر پہ آ بیٹھا اور کہا کہ جس طرف کہوں ادھر چلو۔ چنانچہ گدھے نے تعمیل کی۔ چلتے چلتے پو پھٹی اور تھوڑی دیر بعد سورج

Marfat.com

افق مشرق سے نمودار ہوا۔ اُلو کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اب مناسب تو یہ تھا کہ اُلو میاں اپنی بے بسی کا اظہار کرتے مگر اپنی جبلی محسوس کی کدرات بہ تو رہنمائی کرتا رہا اب اگر کہوں کہ آگے راستہ مجھے بھی نہیں سوجھتا تو گدھے کی نظروں میں ذلیل ٹھہروں گا۔ اس لئے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کہ کسی طرف اندھیرا نظر آئے ایک غار منہ کھولے ہوئے دیکھی۔ مدھو میاں کی رہنمائی اسی طرف کی۔ گدھے کو تو تجربہ سے یقین تھا کہ اُلو ہمہ دان ہے۔ اس لئے اندھا دھند اسی کا کہنا مانا۔ جس اندھیرے سے گھبرا کر بچنا چاہتا تھا آخر اسی میں گھر گیا۔

استدلال عقلیہ عصائے کور ہے۔

چوں یقین منحرف افتاد دلائل بالید

راستی رفت کہ ممنون عصایم کردند

"اللہ نور السمٰوٰت والارض" اس نور الٰہی نے کائنات کو جو بذاتہ تاریک ہے روشن کر دیا۔ عقل کا کام یہ ہے کہ کائنات کو اسی روشنی میں دیکھے اور اہل عقل و فکر دیکھ رہے ہیں۔ ان پر اس کے امکانات جو "الغیب" ہیں منکشف ہو رہے ہیں۔ لیکن عقل میں یہ تاب و طاقت نہیں کہ اسے اس "نور" کا احساس ہو۔

ہمہ عالم بنور اوست پیدا

کجا او گردد از عالم ہویدا

رہا کن عقل را با حق ہمی باش

کہ تاب خور ندارد چشم خفاش

در اں موضع کہ نور حق دلیل است

چہ جائے گفت و گوئے جبرئیل است

فرشتہ گرچہ دارد قرب درگاہ

نگنجد در مقام لی مع اللہ

بود نور خرد، در ذات انور بسان چشم سر در چشمۂ خور

Marfat.com

چو مبصر با بصر نزدیک گردد بصر زادراک او تاریک گردد

چہ می گویم کہ ہست این نکتہ باریک

شب روشن میانِ روزِ تاریک

" معتزلہ کے عقاید پر ہم مختصر بحث کر چکے ہیں۔ اگر وہ نور خرد سے کائنات کے پوشیدہ امکات کی تلاش کرتے تو ان پر اس کا انکشاف اسی طرح ہوتا جس طرح ہمارے زمانہ میں اہل علم و حکمت پر ہو رہا ہے مگر

زہے ناداں کہ او خورشید تاباں،

بنور شمع جوید در بیاباں

انھوں نے ذات و صفات الٰہیہ کو اپنی بحث کا موضوع بنایا۔

خرد را نیست تابِ نور آں رو

برو از بہر خود چشمے دگر جو

اسی استدلال عقلیہ کا کرشمہ تھا کہ منکے تشد فلسفی دیگر حلولی۔ ان فرقوں کے حالات بھی ہم بیان کر چکے ہیں وہی شہر کوراں اور حدیث فیل کی مثل ان پر صادق آتی ہے

از تعصب جاہلاں دین ہدیٰ را دشمن اند

عاقبت در جنگ ایں کوراں عصا خواہد شکست

دین کی غرض تو ہدایت ہے ۔اس کو اپنی اغراض کی تکمیل کا آلہ کار بنانا کہاں کی عقل مندی ہے ۔غرض ہدایت ہے تو ہر ایک شخص اس سے حاصل کر سکتا ہے کسی اچھے بھلے مسلمان کو کافر اور مرتد قرار دینا اس مفروضہ پر کہ وہ کسی کا فرقہ کے خودساختہ عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا ،غیر اسلامی روش ہے ۔اس گمراہ کن نفسانی جذبہ سے علیحدہ ہو کر اگر ہم عقاید کا جائزہ لیں تو ان میں کچھ اچھی باتیں بھی ملیں گی ویسے دلائل کا میدان وسیع ہے۔

عقل ہر چند جز فضائل نیست

جہل ہم خالی از دلائل نیست

Marfat.com

الحمد للہ کہ اب ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں کہ عقاید کی باہمی لڑائی اگرچہ ختم نہیں ہوئی۔ مگر اس میں وہ اگلی شدت نہیں اور آثار پائے جاتے ہیں کہ یہ قریب تر زمانہ میں ختم ہو جائیں گے۔

اب ہم اپنے زمانے کے مذاہب اسلامیہ کا تذکرہ لکھتے ہیں۔

Marfat.com

مذاہب اسلامیہ حاضرہ

ہمارے زمانہ میں سُنی بھی ہیں اور شیعہ بھی ہیں۔ معتزلہ بھی اور خوارج بھی۔ لیکن اپنی اپنی جگہ امن سے بیٹھے ہیں۔ البتہ یہ پیشوایان دین، جن کا روزگار ہی یہ ہے۔ کبھی کبھی اپنے متبعین میں ہیجان پیدا کر دیتے ہیں کہ ان کا بازار سرد نہ پڑ جائے۔ اس چپقلش میں سنی اور شیعہ پیش پیش ہیں۔ معتزلہ اہل عقل و حکمت ہیں۔ ان میں سے بعض تو سرے سے مذاہب سے بیزار ہیں۔ اور اس کو کار بیکاراں سمجھ کر کسی سے نہیں الجھتے۔ بعض "علم کلام" سے وہی کام لے رہے ہیں۔ جو ابوالحسن اشعری اور غزالی نے لیا۔ اگرچہ ان کے عقاید معتزلہ سے مختلف ہیں مگر حربہ وہی ہے جو شروع میں معتزلہ نے استعمال کیا۔ یہ اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں۔ ان کے دو فرقے ہیں۔ ایک تو وہ جو چار اماموں میں سے کسی ایک کا اتباع کرتے ہیں۔ ان میں سے حنفی امام ابو حنیفہ کا اتباع کرتے ہیں اور انہی کی اکثریت ہے۔ دوسرے وہ ہیں جو "اہل حدیث" سے موسوم ہیں۔ یہ کسی امام کا اتباع نہیں کرتے۔ یہ احادیث جیسی کہ "صحاح ستہ" میں مذکور ہیں تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ان کی ترجمانی اور شرح آخر کوئی اہل دین ہی کرے گا۔ یہ کسی ایک امام کو تو نہیں مانتے مگر تحت شعور ماننا ہی پڑتا ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ابتدا میں اہل حجاز اہل حدیث اور اہل عراق اہل الرائے سے موسوم تھے۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل اور امام شافعی سب اہل حدیث ہی تھے۔ امام ابو حنیفہ اہل الرائے تھے وہ تفقہ فی الدین آیات قرآن سے اکثر

Marfat.com

اور احادیث سے بھی کہتے۔ اس لئے یہ کوئی نیا فرقہ نہیں اور نہ حنفی اہل حدیث سے بلحاظ عقائد مختلف ہیں۔ اہل حدیث کو ہمارے زمانہ میں "عبدالوہاب" نے نمایاں کیا۔ اس لئے سنی ان کو طنزاً "وہابی" اور "نجدی" کہتے۔ کیونکہ عبدالوہاب نجد کا باشندہ تھا۔ سلطان ابن سعود جس کی حکومت آج عرب کے اکثر حصہ پر ہے اور ارض حجاز بھی اس میں شامل ہے اس مذہب پر ہے۔

ہم نے اس فرقہ اور ان کے حالات "خلافت اسلامیہ" میں لکھے ہیں اس لئے اس مقام پر اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ اور آپ کی اولاد نے اس مذہب کو شائع کیا۔ سلطنت مغلیہ سرعت سے پستی کی طرف جا رہی تھی۔ عملی قوت مفلوج ہو چکی تھی۔ طبقہ امراء عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور عوام توہم پرست پیروں اور فقیروں اور مزاروں کی پوجا کر رہے تھے۔ شاہ صاحب نے جو تحریک شروع کی اس کا اثر خاطر خواہ نہ ہوا۔ دشمنان دین کے خلاف جہاد اس فرقہ کا طرۂ امتیاز تھا اور یہ لوگ عموماً سپاہیانہ لباس میں مسلح نظر آتے۔

پنجاب میں سکھوں کی چیرہ دستی نے مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا مولوی محمد اسماعیل اسی خاندان کے رکن تھے۔ سید احمد بریلوی اسی خاندان کے فیض یافتہ تھے۔ دونوں نے سکھوں کے خلاف اعلان جہاد کیا۔ یہ تاریخی واقعات ہیں۔ عقیدہ جہاد میں شدت عبدالوہاب نے خوارج سے اخذ کی۔ گورنمنٹ برطانیہ نے وہابی فرقہ کو باغی قرار دیا اور کئی عالم دین گرفتار ہوئے اور کچھ پھانسی پا گئے اور کچھ جلاوطن پورٹ بلیر واقع جزیرہ انڈیمان میں ہوتے۔

سر سید احمد خاں نے گورنمنٹ کو متنبہ کیا کہ

"ایک غلط سیاسی عقیدہ کی بنا پر جو گورنمنٹ کے ذہن میں تھا۔ یہ روش جو گورنمنٹ نے وفادار رعایا کے خلاف اختیار کی، سخت مذموم ہے۔"

Marfat.com

اور اخلاقی جرأت سے کام لیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ میں خود بلحاظ عقاید وہابی ہوں:

چونکہ سید کی خدمات جو دوران "غدر" میں سرانجام دی تھیں۔ گورنمنٹ برطانیہ بہ استحسان کی نظر سے دیکھتی تھی۔ اس لئے یہ طوفان بے تمیزی تھم گیا۔ اور اہلحدیث نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔ یہ فرقہ پیر اور قبر پرستی کے سخت خلاف ہے۔ چونکہ احادیث پر پختہ ایمان ہے اس لئے مسیحؑ و مہدیؑ کی آمد ثانی کا بھی معتقد ہے۔

سید احمد خاں غفرلہ

سید اگرچہ مسیح و مہدی کی آمد ثانی کا قائل نہیں۔ لیکن اتنا ضرور کہتا ہے کہ اگر اہلسنت والجماعت کا عقیدہ درباره توحید وہابیوں کا ہو اور وہابیوں کا دل سُنیوں کا ہو تو ایسے شخص میں مسلمانی کی شان نظر آتی ہے۔ شیعہ کو کہتا ہے کہ خلافت کے بارہ میں تمہاری دلائل بہت مضبوط ہی سہی۔ مانا کہ خلفاء ثلاثہ نے حضرت علیؓ کا حق غصب کیا یہ کہو کہ اب تلافی کس طرح ہو سکتی ہے۔ نہ ہم اور نہ تم حضرت علی کو خلافت واپس دلا سکتے ہیں اور نہ کسی طرح واقعات گزشتہ واپس لا سکتے ہیں۔ البتہ ایک بدمزگی اور افتراق مسلمانوں میں پیدا ہو سکتا ہے۔ اور ہوا۔

سید کسی فرقہ کا بانی نہیں ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ جب دین ایک ہے اور اللہ ایک ہے اور رسول ایک اور کتاب ایک ہے اور اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے تو محض فرعی مسائل میں جو دین میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں شر انگیز تفرقہ کیوں پیدا کیا جاتے۔

جب گورنمنٹ برطانیہ نے مغلیہ سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ بہادر شاہ ظفر آخری مغل تاجدار کے آخری ایام سید نے دیکھے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے حالات بچشم خود مشاہدہ کئے۔ انگریزوں نے اکثر علماء کرام کو پھانسی اور جلاوطنی کی سزا دی اور عام مسلمانوں پر عتاب نازل ہوا۔ ہندوؤں کو ابھارا۔ اب مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی ہم وطن اقوام سے بہت پیچھے رہ گئے۔ بالخصوص تعلیم میں، جس کی اس وقت ضرورت تھی۔ یعنی انگریزی زبان وغیرہ سے نفور

Marfat.com

اور انگریزوں سے دُور دُور رہنے لگے۔ سید نے سمجھ لیا تھا کہ اگر یہی لیل و نہار رہیں تو مسلمان قریب تر زمانہ میں من حیث القوم ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے وہ بحیثیت مصلح مسلمانوں کے سامنے آیا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ شر انگیز تفرقہ جو فرقہ بندی نے پیدا کر رکھا ہے مسلمانان ہند میں ختم ہو جائے۔ اس نے علی گڑھ میں دار العلوم قائم کیا اور شیعہ اور سُنّی مسلمانوں کی اولاد کو ایک جگہ ملا دیا۔ اسے بڑی حد تک کامیابی ہوئی۔ اور شاید خاطر خواہ ہوتی مگر پیشوایان دین اس کے مذہبی عقاید کے خلاف تھے۔

سر سید نے بھانپ لیا تھا کہ انگریزی حکومت اور انگریزی تعلیم کا اثر مذاہب اسلامیہ پر بھی وہی ہوگا جو یورپ میں علوم جدیدہ کا مسیحیت پر ہوا۔ وہاں مذہب اور سائنس کا مقابلہ رہا۔ اور مذہب شکست کھا گیا۔ دیر سویر یہاں بھی ہوگا۔ اس کے لئے مسلمان علماء کو تیار رہنا چاہیئے۔ مسلمانوں کے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی ہم "معتزلہ" کے حالات میں بیان کر چکے ہیں کہ یونانی فلسفہ کا مقابلہ انہوں نے کیا اور الٰہیات پر بہت کچھ موشگافی کی۔ اشعریہ نے ٹھیٹ اسلام کی حمایت میں علم کلام سے کام لیا۔ لیکن اب یونانی فلسفہ تقویم پارینہ ہو چکا تھا۔ وہ آخر نظری علم تھا۔ اب سائنس (حکمت) کا دور دورہ تھا۔ حقایق جو سائنس سے ثابت شدہ تھے ناقابل انکار تھے۔ غرض سر سید نے بھی قرآن کی تفسیر میں معقولات کی نمائش اسی طرح کی جس طرح رازی و غزالی وغیرہ کر چکے تھے۔ اس نے یہ ثابت کیا کہ "اسلام دین الفطرت ہے"۔ اس لئے علماء اسلام اس کو طنزاً "نیچری" کہنے لگے اور کفر کا فتویٰ تو ان کے ہاتھ کا کرتب تھا۔ اس کی زد سے ائمہ دین بھی نہ بچے

چونکہ سر سید کے در نظر ایک اور مقصد عظیم تھا۔ اس لئے علماء سے مناظرہ میں نہ الجھا۔ رفتہ رفتہ علماء کا جوش بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ مگر اس خیال سے کہ کہیں نیچریت تعلیم یافتہ طبقہ میں شائع نہ ہو۔ مولوی شبلی نعمانی اور ان کے رفقاء کار نے "ندوۃ العلما"

Marfat.com

کی طرح ڈالی۔ "دیوبند" میں وہی پرانی روش پر دینیات کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔

میں نے سرسید کو اپنے طالب علمی کے زمانہ میں دیکھا جب آخری دفعہ امرتسر تشریف لائے۔ مولوی نذیر احمد ہمراہ تھے۔ مولوی صاحب کا اردو میں بامحاورہ ترجمہ قرآن شریف ہندوستان میں بہت مقبول ہوا۔ سید کسی نئے مذہب کا بانی نہ تھا۔ مولوی شبلی نعمانی بھی ابتدا میں سید کے رفقا کار میں تھے۔ سید کے رفقا کار میں بعض کو سید کے مذہبی عقاید سے اختلاف رہا لیکن سید جس مقصد کو لے کر اٹھا تھا۔ اس سے اتفاق کل مسلمانوں کو تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ نہ سید ہوتا اور نہ پاکستان بنتا۔

سید غفرلہٗ کی تصانیف میں سے تفسیر قرآن سولہ سپارہ تک ہے۔ افسوس ہے کہ مکمل نہ لکھ سکے۔ تعجب ہے کہ سید "نیچری" کہلایا لیکن شروع تفسیر میں "ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ" سے "الکتٰب" سے مراد قرآن ہی سمجھی۔ بات یہ ہے کہ اس طرف ذہن منتقل نہ ہوا کہ یہ "کتاب فطرت" ہے۔ چونکہ تمام مفسرین قرآن ہی سمجھتے رہے۔ سید بھی تقلیداً یہی کچھ سمجھتا رہا۔ انسان خواہ کتنا ہی مرتبہ ذہنی درجات کے لحاظ سے ہو۔ دانستہ یا نادانستہ ایسی غلطی تقلیداً کرتا ہے۔

اس موضوع پر میں نے علیحدہ بحث کی ہے۔ تفسیر پر ہمارے علماء کرام نے بہت کچھ مخالفانہ لکھا۔ مولوی عبدالحق صاحب مرحوم دہلوی بہت بڑے پایہ کے عالم تھے۔ "تفسیر حقانی" میں سید کی تفسیر پر ان کی خاص نظر عنایت ہے۔ دونوں تفسیریں میرے مطالعہ میں رہی ہیں۔ سید بعض عقاید میں معتزلہ کا ہمنوا ہے۔ معجزات کا منکر نہیں مگر خلاف قوانین فطرت نہیں سمجھتا۔ جو توجیہہ سید نے ان مبینہ معجزات کی کی ہے۔ جو قرآن میں مذکور ہیں کچھ زیادہ وقیع نہیں۔ یہ آیات "متشابہات" ہیں ان کی تاویل قرآن حکیم کی "محکمات" سے کرنی چاہیئے تھی۔ میں نے اس موضوع پر بھی علیحدہ مفصل بحث کی ہے۔

Marfat.com

"سید نے علما کو مخاطب کرتے ہوتے کہہ دیا تھا کہ

"میں نے یہ تفسیر ان لوگوں کے لئے لکھی ہے جو سائنس سے مرعوب ہو کر شبہات میں الجھتے ہیں۔ علماء اور عامۃ المسلمین کا بلحاظ عقاید ایمان پختہ ہے۔ انہیں کوئی تذبذب دینی امور میں نہیں اور میں اسنے واجب الاحترام سمجھتا ہوں۔"

سید یہ بھی کہتا تھا کہ

"آج سے پچاس برس بعد اگر یہ تفسیر لکھی جاتی تو اس پر یہ لے دے نہ ہوتی۔"

سید کا ذہن بلاشبہ اپنے زمانہ کے ذہن سے بلند تر تھا۔ عام فہم اس کی تفسیر کی خوبیوں کو بوجہ پستی ذہن نہ پا سکا۔ اب جبکہ ذہن انسانی سید کی سطح پر آ چکا ہے توقع یہ تھی کہ اس کی خوبیوں کا انکشاف ہم پر ہوتا۔ بلاشبہ اس میں خوبیاں بھی ہیں۔ لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے مجھے تعجب ہوتا ہے کہ ان مولویوں کی ذہنیت کتنی پست تھی کہ سید کے عقاید کو کفر و الحاد سے موسوم کیا۔ مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ تفسیر بھی ایک "ملا" نے ہی لکھی ہے۔ جس کے ذہن سے پرانے خیالات باوجود کوشش محو نہیں ہوتے۔

سید کی تصانیف میں "خطبات احمدیہ" نہایت قابل قدر ہے۔ یہ کتاب سید نے "سر ولیم میور" کی کتاب کے جواب میں لکھی تھی۔ اس کا ترجمہ لندن میں انگریزی زبان میں ایک انگریز کی معرفت کرایا گیا۔ سید کو زر کثیر اس پر صرف کرنا پڑا۔ آپ اس وقت لندن میں تھے۔ اپنے دوست نواب محسن الملک سے روپیہ طلب کرتے رہے۔ نواب نے تنگ آ کر لکھا کہ

"سید جی! آپ جو روپے کا مطالبہ بار بار کرتے ہیں یہ بھی تو سوچو کہ روپیہ کہاں سے آتے گا۔"

جواب میں سید نے لکھا کہ

Marfat.com

"میرا جدی مکان دہلی میں ہے بیچ دو۔ کل بروز قیامت اپنے نانا سے کہوں گا کہ تیرے عشق میں میں نے سب کچھ لٹا دیا۔"

سید پر کفر کے فتوے علماء کرام شائع کر رہے تھے۔ بلکہ ایک مولوی حج کو گئے اور وہاں سے کفر ساتھ لائے۔ سید ایک مقالہ میں لکھتا ہے کہ

"سبحان اللہ ہمارا کفر بھی کیسا ہے کسی کو حاجی اور کسی کو ناجی بنا دیا۔"

سید کبھی کبھی فکر شعر بھی کرتا تھا۔ غالب مرحوم اور امام بخش صہبائی وغیرہ کی صحبت میں غالباً شعر و شاعری سے ذائقہ شناس ہوا۔ مغلیہ شہنشاہیت کے آخری تاجدار کا دور شاعری کا دور تھا۔ ظفر خود بھی شاعر تھا۔ چار دیوان لکھے جو موجود ہیں۔

سید کی ایک غزل کے دو شعر ہیں۔

ز جبریل امیں قرآں بہ پیغامے نمی خواہم
ہمہ گفتار معشوق است قرآنے کہ من دارم
خدا دارم دل بریاں ز عشق مصطفےٰ دارم
ندارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم

ہندوستان میں سید پر کفر کا اتہام تھا مگر "پنجاب" اور صرف پنجاب آپکی حمایت پر کمر بستہ ہو گیا۔ آپ کے رفقاء کار میں خواجہ الطاف حسین حالی غالب مرحوم کے شاگرد تھے۔ ایک قصیدہ میں سید کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں۔

خدا کی برکتیں پنجاب اور پنجاب والوں پر
جنہوں نے ہر سفر میں تجھ کو آنکھوں پر بٹھایا ہے

سید بھی اہل پنجاب کو "زندہ دلان پنجاب" سے مخاطب کرتا رہا۔ کاش پاکستان کے ارباب حل و عقد اس راز کو سمجھیں کہ پاکستان کا قیام اور استحکام اور ہر ممکن ترقی پنجاب سے وابستہ ہے۔ جو صوبائی تعصب کی گندگی سے پاک ہے۔ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی اسلام کی شان اسی صوبہ میں نظر آتی ہے

"فہل انتم مسلمون"

Marfat.com

خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے سید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات اپنی کتاب "حیات جاوید" میں مفصل قلمبند کئے ہیں۔ ہم نے بہ تعلق پاکستان، اپنی کتاب "خلافت اسلامیہ" میں بھی خراج عقیدت ادا کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں "دو قوموں کا نظریہ" سب سے پہلے سید کے ذہن کا صحیح تصور ہے اور یہی پاکستان کا سنگ بنیاد ہے۔ کاش یہ تصور پاکستانیوں بالخصوص صاحبان نظم ونسق کے بھی پیش نظر رہے۔

سید نے نہ کسی نیئے فرقہ کی طرح ڈالی اور نہ دعویٰ امامت کیا۔ لیکن بعض مسائل کو اپنی بحث کا موضوع بنایا۔ جس پر علماء اسلام سیخ پا ہوئے۔ ان میں سے معرکۃ الآرا مسئلہ حیات مسیحؑ اور آپ کی آمد ثانی کا ہے۔ سید کا عقیدہ یہ تھا کہ

"حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں اور آپ کی ولادت بھی بلا باپ نہ تھی اور یہ کہ آمد ثانی کا عقیدہ مسلمانوں نے مسیحی پادریوں سے لیا ہے"

یہ مسئلہ بھی کچھ نیا نہ تھا مگر انسانی طبیعت عجائب پسند واقع ہوئی ہے اور جب معجزات اور عجیب عجیب باتیں انبیاء اور اہل اللہ سے منسوب کی جائیں تو خوش عقیدہ فوراً بلا چون وچرا مان لیتے ہیں۔ سید نے معجزات کا انکار اس معنی میں کیا۔ جو عوام کے ذہن میں ہیں۔ اور لکھا کہ

"سنت اللہ کبھی تبدیل و تحویل نہیں ہوتی۔ واضع قوانین کی یہ کمزوری سمجھی جائے گی کہ ایک کام جو اپنے وضع کردہ قوانین کے تحت نہیں کر سکتا ان قوانین کو توڑ کر کرے۔ معجزات برحق لیکن خلاف قوانین فطرت نہیں"

سید نے انجیل حسب روایت مقدس متی کی بھی تفسیر لکھی۔ اس کا اثر اتنا ضرور ہوا کہ تعلیم یافتہ طبقہ نے تسلیم کر لیا کہ مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں۔ اور یہ کہ آپ کی ولادت اعجازی نہ تھی اور یہ کہ آمد ثانی کا عقیدہ غیر اسلامی ہے۔ ضمناً مہدی اور مہدی کی آمد ثانی کا عقیدہ بھی زیر بحث آگیا۔ سید نے تمام احادیث جو مہدی کے بارہ

میں ہیں پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان پر سخت جرح کی۔ ان احادیث کا اختلاف بلکہ تضاد واضح کرتے ہوئے اسناد کا بھی بودا پن ثابت کیا اور لکھا کہ

"ایک ایسے زمانہ میں جب کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں سیاسی کشمکش تھی۔ احادیث کا اشارہ دربارہ مہدی بنو ہاشم کی طرف ہے جب اموی حکومت کا تختہ الٹ گیا تو بنو ہاشم کے دو قبائل بنو فاطمہ اور بنو عباس کے داعی مہدی کا ظہور اس قبیلہ میں بتاتے جس کے [redacted] طرف دار تھے۔ جب بنو عباس غالب آئے تو محمد المہدی ابن ابو جعفر منصور خلیفہ عباسی اور منصور کا برادر زادہ عیسیٰ ابن موسےٰ سپہ سالار افواج عباسیہ کی شخصیتوں میں بیک وقت عیسےٰ و مہدی کا ظہور ہوا۔ ایرانی اپنی کھوئی ہوئی عظمت و شان بحال کرنا چاہتے تھے ایسی احادیث بھی وضع ہوئیں جن کی رُو سے مہدی کا ظہور سلمان فارسی کی قوم سے ہوگا چنانچہ ان میں بھی مدعی مہدویت پیدا ہوتے۔ جب شمالی افریقہ میں بنو فاطمہ نے اپنی خلافت قائم کر لی تو اول خلیفہ فاطمی عبیداللہ المہدی ہوا۔ غرض مسیح و مہدی کے بارہ میں تمام احادیث مسیحی خوش عقیدت نے یا سیاسی اغراض نے وضع کیں۔ اور ضرورۃً ان کو اتنی شہرت دی کہ مسلمانوں میں ایک عقیدہ کی صورت اختیار کر گئی۔ اہل سنت والجماعت اتنا تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ کوئی جزو دین نہیں۔ لیکن شیعہ مذاہب میں امام مہدی ابن امام حسن عسکری کا اب تک انتظار ہے۔ جو خلیفہ معتصم باللہ عباسی کے عہد میں سامرد (سر من رائی) کی غار میں روپوش ہو گئے۔ اس عقیدہ کا فائدہ دعویداران خلافت نے ہر ایک زمانہ میں خاطر خواہ اٹھایا اکثر مارے گئے اور جو مارے گئے ان کے متبعین تسلیم نہیں کرتے کہ فوت ہوئے۔ ابھی تک زندہ روپوش ہیں کسی مناسب وقت پر ان کا ظہور ہوگا۔

Marfat.com

ان مہدیوں کا تذکرہ ہم نے اپنی کتاب "خلافت اسلامیہ" میں کیا ہے اس لئے اس مقام پر اعادہ کی ضرورت نہیں۔

دوسرا مسئلہ جو سید کی بحث کا موضوع رہا جبرئیل امیں کی حقیقت تھی یہ بھی کوئی نیا مسئلہ نہ تھا۔ سید سے پیشتر بھی بعض صوفیا محققین نے یہی کچھ لکھا تھا کہ جبرئیل یا وحی انبیاء کی قوت نبوت ہے۔ چنانچہ مغلیہ شہنشاہ غازی عالمگیر کے عہد میں ایک بزرگ نے عربی میں رسالہ "تسویہ" لکھا اور یہی کچھ لکھا۔ علماء نے حسب عادت شور مچایا اور شہنشاہ کو توجہ دلائی۔ یہ بزرگ توفوت ہو چکے تھے آپ کے ایک خلیفہ کی شامت آئی۔ شاہ نے لکھا کہ

"یا تو علماء سے اس مسئلہ پر بحث کرو یا رجوع کرو اور تمام نسخے جلا دو۔"

جواب دیا کہ

"میرے شیخ نے جس حال اور مقام پر بحث کی مجھے حاصل نہیں اس لئے بحث سے تو معذور ہی سمجھیں۔ شاہ کے مطبخ میں آگ کی کمی نہیں درویش کا چولہا تو اکثر سرد ہی رہتا ہے۔"

حقیقت وحی

چونکہ مسئلہ "وحی" اہم ہے اور اکثر مذاہب اسلامیہ مختلف الرائے ہیں۔ اس لئے ہم اس موضوع پر کسی قدر تفصیلی بحث کرنا چاہتے ہیں۔

یاد رہے کہ جو کچھ میں اس موضوع پر لکھ رہا ہوں وہ میری اپنی تحقیق ہے اور حرف آخر نہیں۔ کوئی مانے یا نہ مانے اس کا اختیار ہے۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ اس کے انکار پر دین میں خلل واقع ہو سکتا ہے۔

قرآن میں دو قسم کی آیات ہیں۔ ایک "متشابہات" اور "دوسری" محکمات"۔ متشابہات آیات کتب مقدسہ سابقہ کی ہیں۔ مثلاً توراۃ و انجیل و صحف انبیاء۔ اور یہ تاویل کی محتاج ہیں: "وما یعلم تاویلہ الا اللہ" (۳/۹) اور انسان کی تاویل محکمات قرآنی سے فرماتا ہے۔ یہ آیات متشابہات کچھ تو احکام ہیں، کچھ قصص اور

Marfat.com

یہ کچھ اصطلاحات اہل کتاب جو کتب سابقہ میں مذکور ہیں۔ ان میں سے سردست زیر بحث یہی اصطلاحات ہیں۔ یہ ملائکہ اور روح اور جبرئیل اور وحی وغیرہم ہیں قرآن کتب سابقہ کا مصدق ہے (مصدقاً لمابین یدیہ) بغرض تصدیق آیات کتب سابقہ کا حوالہ انہی کتب کے الفاظ میں یا ان الفاظ کی ترجمانی عربی میں فرماتا ہے۔ اس لئے یہ ظاہر ہے کہ الفاظ تو کتب سابقہ کے ہیں اور تاویل قرآن کی تاویل کے بعد یہ آیات متشابہات بھی محکمات کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں قرآن خود محکمات ہے (یٰس، والقرآن الحکیم) یہی متشابہات ہیں جن کی تاویل اپنے اپنے فہم کے مطابق تمام اسلامی مذاہب کرتے رہے ہے۔

ابن خلدون اپنے "مقدمہ" میں لکھتا ہے کہ

"فرقہ بندی کے اسباب میں سے یہ سب سے بڑا سبب ہے معتزلہ اور باطنیہ نے اپنے اپنے اصول موضوعہ کے مطابق تاویل کی۔

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اگر تاویل محکمات قرآنی سے کرتے تو اختلاف بھی نہ ہوتا"!

سردست ہمارے زیر بحث اصطلاح جبرئیل ہے۔ یہ عبرانی لفظ ہے۔ مرکب ہے "جبر" اور "ایل" سے۔ عربی میں لفظ "جبر" بھی قوت کے معنی میں عبرانی کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ "ایل" اور "اللہ" ایک ہی لفظ ہے۔ جبرئیل کے معنی "قدرت اللہ"

توراۃ میں یہ اصطلاح استعمال نہیں ہوئی۔ صحف انبیاء میں سے پہلی دفعہ صحیفہ دانیال نبی میں جبرئیل کا ذکر آتا ہے۔ اس سے پہلے بنی اسرائیل اس اصطلاح سے واقف نہ تھے۔ دانیال نبی مدت العمر بابل میں رہے۔ جہاں شاہ بابل اسرائیلیوں کو اسیر کرکے لے گیا تھا۔ یہاں وہ ستر سال رہے اور یہ اصطلاح بھی یہاں وضع ہوئی۔ دانیال نبی ایک رویا کا ذکر کرتا ہے (دانیال ۸/۱۶) اور اسی رویا میں ایک غیبی آواز سنی جو جبرئیل کو مخاطب کرکے کہتی ہے کہ "دانیال کو اس رویا کی تعبیر

Marfat.com

بتا دے" آپ نے جبرئیل کو ایک آدمی کی صورت میں دیکھا۔ انجیل حسب روایت مقدس متی (۱/۱۹، ۲۶/۱) میں جبرئیل کا ذکر آتا ہے۔ جبرئیل حضرت زکریا کو ولادت یحییٰ کی اور مریم صدیقہ کو ولادت عیسےٰ کی بشارت دیتا ہے۔ یہودی روایات کے مطابق چار سردار ملائکہ ہیں۔ (۱) جبرئیل (۲) میکائیل (۳) عزرائیل (۴) اسرافیل قرآن میں میکائیل کا نام ایک دفعہ اور جبرئیل کا دو آیات میں آیا ہے۔

"قل من کان عدواً لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ مصدقاً لما بین یدیہ وھدی وبشری للمؤمنین ہ من کان عدواً للہ وملئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکل فان اللہ عدو للکفرین ہ (۱/۱۲)

"کہو کہ جبرئیل کا دشمن جو ہوتا ہے ہوتا ہو۔ حقیقت یہی ہے کہ اسی نے اللہ کے اذن سے تیرے قلب پر (قرآن) نازل کیا جو مصدق ہے کتب سابقہ کا۔ اور ہدایت اور بشارت مومنوں کے لئے۔ جو بھی خدا کا ملائکہ اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ کافروں کا دشمن ہے"۔

"فان اللہ ھو مولہ وجبریل وصالح المؤمنین والملئکۃ بعد ذلک ظھیر ہ (۲۸/۱۹)

"تحقیق اس رسول کا اللہ دوست ہے اور جبرئیل اور مومن صالحین اور ان کے بعد ملائکہ اس کے مددگار ہیں"۔

"وانہ لتنزیل رب العالمین ہ نزل بہ الروح الامین ہ علی قلبک لتکون من المنذرین ہ بلسان عربی مبین ہ (۱۹/۱۵)

"تحقیق یہ قرآن نازل کیا گیا ہے دنیا جہان کے پروردگار کی طرف سے، اس کے ساتھ الروح الامین تیرے قلب پر نازل ہوا ہے "عربی مبین" کی زبان میں تاکہ تو عذاب (الٰہی) سے ڈرانے والوں میں سے ہو"۔

آیات ۱/۱۲ اور ۱۹/۱۵ سے ثابت ہوتا ہے کہ حامل قرآن یا وحی جبرئیل ہے جو اصطلاح اہل کتاب کی ہے اور الروح الامین اس کو قرآنی محکمات میں

Marfat.com

موسوم کیا گیا ہے۔ اس لئے روح اور جبرئیل ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا روح اور ملائکہ ایک ہی شے ہیں؟ آیات قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ علیحدہ علیحدہ ہیں۔ جب آدم میں نفخ روح ہوتا ہے تو ملائکہ سجدہ میں گرتے ہیں۔ آدم تو ایک خاکی پتلا تھا روح کا نفخ ہوا تو مسجود ملائکہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ روح مخدوم اور ملائکہ خادم ہیں۔ دیگر آیات میں بھی روح کو ملائکہ سے الگ بیان کیا گیا ہے

"ینزل الملئکۃ بالروح" (۱۴/۷)

نازل فرماتا ہے ملائکہ کو روح کیساتھ

"تنزل الملئکۃ والروح" (۳۰/۲۲)

نازل ہوتے ہیں ملائکہ اور روح

اس لئے ثابت ہوا کہ جبرئیل "الروح" ہے۔ ملائکہ میں داخل نہیں۔ روح کا اطلاق صرف آدم اور بنی آدم پر ہوتا ہے۔ اور نفخ روح کے بعد ہی آدم انسان بنتا ہے۔ اس لئے روح انسان سے کوئی علیحدہ شے نہیں۔ اگر سید یا سید سے پیشتر کسی محقق نے اس کو ایک قوت انسانی سے تعبیر کیا تو کیا غلطی کی۔ روح کلام الٰہی ہے اور کلام الٰہی حقیقت مجردہ ہے۔ جب یہ کسی صورت میں نمودار ہوگا یا اس کا تمثل ہوگا تو وہ انسانی صورت ہی ہوگی۔ تمام کائنات اور کائنات کی ہر ایک شئے "کلمات ربی" ہیں۔ انسان بھی ان میں سے ایک ہے۔ یہ بھی ایک کلمہ ہے۔ اور یہی حقیقت انسانی ہے۔ یہی کلمہ روح انسانی ارتقائی مرتبہ پر ہے۔

"فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا" (۱۶/۵)

"مریم صدیقہ کی طرف ہم نے اپنا ایک روح بھیجا جو (جیتی جاگتی) پورے بشر کی صورت میں اس پر نمودار ہوئی"۔

ظاہر ہے کہ یہ روح فرشتہ تو نہیں انسان ہی ہے اور اسی سے صدیقہ حاملہ بھی ہوئی۔ (فحملتہ ۱۶/۵) اور یہ آپ کا خاوند ہی تھا۔ جس کو انجیل میں یوسف نجار لکھا ہے اور وہ حضرت داؤدؑ کی نسل سے تھا۔ سورہ مریم میں قصہ ولادت مسیحؑ انجیل کے لفظوں

میں بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ آیات متشابہات ہیں۔ عیسےٰ ابن مریمؑ کلمہ بھی ہے اور روح بھی اور رسول بھی۔

اِنّما المسیح عیسےٰ ابن مریم رسول اللہ و کلمتہ اَلقٰھا الیٰ مریم وروحٌ منہ فاٰمنوا باللہ ورسلہ ولا تقولوا ثلٰثۃ (۲۳/۶)

مسیح عیسےٰ مریم کا بیٹا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اللہ کا رسول ہے اور اس کا کلمہ ہے جو مریم کی طرف ڈالا گیا اور اس کی روح ہے۔ تو اللہ اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین مت کہو۔

عیسیٰ بحیثیت کلمہ دیگر اشیاء کائنات میں ممتاز نہیں بحیثیت روح دیگر بنی آدم سے ممتاز نہیں۔ البتہ بحیثیت رسول اس کو خاص امتیاز حاصل ہے مگر رسولوں میں امتیاز نہیں (لا نفرق بین احد منھم ۱/۱۵)

"روح" تو ہر ایک انسان ہے۔ "روح القدس" نفوس قدسیہ انبیاء و رسل ہیں۔ "الروح الامین" صرف آنحضرتؐ ہیں۔ اس لئے آپ کا "مقام محمود" آپ ہی کے لئے خاص ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پنجاب پنجاب کی تعریف میں مولانا غنیمت ساکن کنجاہ واقع ضلع گجرات پنجابی شاعر جو مولانا نظامی گنجوی سے کم نہیں لکھتا ہے

ندیدم کشوری شادی زغم بے تاب بخوبی ہمچو حسن آباد پنجاب
چہ پنجاب انتخاب ہفت کشور قسم خوردہ بخاکش آب کوثر
زشوق آں کہ تا آید بہ پنجاب
دل کشمیر صد رہ میشود آب

زندہ دلان پنجاب کی زندگی کا نشان ایک یہ بھی ہے کہ دین سے ان کا شغف دوسرے صوبوں سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ مجھے اپنے لڑکپن کا زمانہ یاد ہے اہل حدیث اور حنفیوں میں مناظرے، طرفین کے علماء کے خطبے ایک دوسرے کی تردید میں حنفیوں کی مسجدوں میں وہابیوں کا داخلہ بند، غرض گھروں، دکانوں،

Marfat.com

بازاروں میں اختلافی مسائل ہی کا چرچا تھا۔ "آمین بالجہر" اور "رفع یدین" خاص موضوع بحث کا تھا۔ آج جب میں گذشتہ واقعات کو دیدہ تصور کے سامنے لاتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ بھلا یہ بھی ایسے اہم مسائل تھے کہ اگر کوئی وہابی کسی حنفی مسجد میں غلطی سے آجاتا اور حنفیوں کو پتہ لگ جاتا تو جو کچھ اس کی درگت ہوتی وہ تو اس کا دل ہی جانتا ہوگا۔ صحن مسجد بھی ناپاک ہو جاتا، دھویا جاتا۔ اور بعض اوقات اکھڑوا کر نیا بنایا جاتا۔ وہابیوں کی اپنی کوئی مسجد نہ تھی جب رفتہ رفتہ زور پکڑ گئے تو کئی مسجدوں پر قبضہ بھی جما لیا اور نئی بھی تعمیر ہو گئیں۔

میرے خاندان کے سب بزرگ تعلیمیافتہ تھے اور وہابی تھے۔ ان سے تو پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی کہ یہ آمین بالجہر اور رفع یدین کیا بلا ہے کہ جس پر اتنا فساد ہو رہا ہے۔ کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ جب صلوٰۃ فرض ہوئی تو بعض منافق بھی بظاہر مسلمان ہو گئے۔ بغل میں بت دباتے مسجد میں شامل جماعت تو ہو جاتے۔ مگر نیت یہ ہوتی کہ ہم اپنے ٹھاکروں کی بندگی کرتے ہیں۔ جب آنحضرت صلعم پر یہ حال کسی طرح منکشف ہوا تو آپ نے رفع یدین کا حکم دیا۔ اسی طرح ان مشرک منافقوں کا پول کھل گیا۔ بت بغل سے گرے اور فرش مسجد پر گر کر چور چور ہو گئے۔

آمین بالجہر کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ کفار مرعوب ہوں۔ جب مسلمان صف باندھے ہوتے زور سے آمین بیک وقت کہتے، کفار جو بدارا [redacted] سے آتے ان کے دل دہل جاتے۔

اہلِ قرآن

یہ دَور گذر گیا۔ اہل حدیث کا اکثر مناظرہ آریا سماج والوں سے ہوا کرتا۔ مخالف ہمیشہ احادیث ہی پیش کرتا۔ صحاح ستہ میں احادیث ایسی بھی ہیں کہ اگر ان کی صحت تسلیم کی جائے تو قرآن کا دعویٰ کہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون ہ (۱۵ـ۹)" ثابت نہیں ہوتا اور جو ہدایت آنحضرتؐ کے "اسوہ حسنہ" کے بارہ میں کی گئی ہے اس پر بھی حرف آتا ہے۔ مسیحی پادریوں نے بھی اسی قسم کے اعتراض کئے ہیں۔ اب اہل حدیث کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ یا تو احادیث کو "وحی خفی" کا درجہ نہ دیں اور نہ انہیں حجت شرعی سمجھیں یا مخالف فریق کا اعتراض تسلیم کریں۔ اہل حدیث نے ایک اور روش اختیار کی جب مسیحیوں یا آریاؤں سے مباحثہ کی ٹھہرتی تو یہ شرط پہلے منوا لیتے کہ صرف قرآن کی آیات ہی زیر بحث رہیں گی۔

ان مناظروں کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ بعض منکرین کی توجہ احادیث کے صحیح مقام دریافت کرنے پر مبذول ہو گئی۔ اہل حدیث ایک عقیدہ پختہ کر چکے تھے۔ وہ تو احادیث کو قرآن کی طرح "وحی" مگر "غیر متلو" اور "مثلہ معہ" ہی کہتے رہے۔ بلکہ بعض اس حد تک غلو کرتے کہ احادیث کو قرآن پر قاضی اور حکم تسلیم کرتے۔ مگر ان منکرین نے اتنا معلوم کر لیا کہ مسلمانوں میں فرقہ بندی اور تفرقہ کی بنیاد یہی احادیث ہیں۔ ابتدا میں ان کا انکار تو نہ کیا گیا مگر اکثر احادیث جن کو قابل قبول عقلاً نہ سمجھا اور نصوص قرآنی کے خلاف پایا سخت مجروح کیا لیکن رفتہ رفتہ

Marfat.com

جب ان کا احترام ویسا نہ رہا جیسا اہل حدیث کے نزدیک تھا تو ان کی صحت اور صداقت کا بالکل انکار کر دیا۔ آیہ مبارکہ سے تمسک کیا کہ

"تلک ایٰت اللہ نتلوھا علیک بالحق فبای حدیث بعد اللہ و ایٰتہ یؤمنون ۝" (۲۵/۱۷)

"یہ عظمت والی آیات ہیں جو ہم تجھ پر پڑھتے ہیں تو اللہ اور اس کی آیات کے بعد کس حدیث پر ایمان لائیں گے۔"

اس مذہب کا بانی پنجاب میں مولوی عبداللہ چکڑالوی تھا۔ اس لئے نہایت جرأت سے احادیث کا واضح الفاظ میں انکار کر دیا۔ مجھے بھی مولوی صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ تقریب یہ ہوئی کہ میں لاہور میں ایک بزرگ کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کا ایک دوست بھی اتفاق سے ملنے کے لئے آنکلا۔ یہ مولوی عبداللہ کے متبعین میں سے تھا۔ لاہور میں مولوی صاحب اور ان کے عقائد کا بہت چرچا تھا۔ اور آپ کے متبعین بھی سرگرمی سے آپ کا "پراپاگنڈا" کر رہے تھے باتوں باتوں میں اس شخص نے آنحضرت ؐ کی نسبت کہا کہ

"یہ جو عام عقیدہ ہے کہ آنحضرت ؐ پڑھنا لکھنا نہ جانتے تھے۔ غلط ہے۔ اور آں حضرت ؐ کی توہین ہے۔"

اگرچہ میں مخاطب نہ تھا مگر جب دیکھا کہ میرا بزرگ خاموش ہے تو رہ نہ سکا اور کہا کہ قرآن کے ارشاد کے بارہ میں آپ کیا کہتے ہیں۔

"وما کنت تتلوا من قبلہ من کتٰب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون ۝" (۲۹/۲۱)

"تو اس سے پہلے کچھ بھی لکھا ہوا نہیں پڑھتا تھا اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتا تھا۔ (اگر ایسا ہوتا تو) یہ جھوٹے البتہ دھوکا کرتے۔"

میں نے قرآن ہی کی آیت پیش کی تھی جواب بن نہ آیا تو کہا کہ مہربانی ہوگی اگر ہمارے امام صاحب کے پاس چلیں وہ آپ کی تشفی کر دیں گے۔ میں اس کے

Marfat.com

ساتھ امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔

موسم گرما تھا۔ مولوی صاحب ایک معمولی چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ مسجد بھی مگر اس کی تعمیر ابھی شروع ہوئی تھی۔ رنگ سانولا تھا۔ قد متوسط سے کچھ اونچا۔ ایک کرتہ اور نیلا تہ بند۔ وضع درویشانہ۔ میرے ہمراہی نے تعارف کے بعد بحث کا موضوع بتایا تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ

"اقرا و ربك الاکرم ہ الذی علم بالقلم ہ علم الانسان ما لم یعلم ہ" (۳۰/۴)

"پڑھ اور تیرا پروردگار بہت کرم کرنے والا ہے جس نے سکھایا قلم کے ساتھ سکھایا آدمی کو جو کچھ نہ جانتا تھا"

میں نے عرض کی کہ صحیح، مگر اس آیت میں تو عام حکم انسانوں کے لئے ہے کہ ان کو قلم کے ذریعہ سکھایا گیا۔ اس آیت سے اس کی نفی تو نہیں ہوتی کہ اور کوئی ذریعہ حصول علم کا نہیں اور یہ کہ آنحضرتؐ کو بھی قلم ہی کے ذریعہ سکھایا گیا جب کہ نص موجود ہے کہ آپ لکھنا جانتے ہی نہ تھے۔

بحث یہیں ختم ہوگئی۔ کیوں کہ نماز شام کا وقت ہوگیا تھا۔ اذان ہو رہی تھی اور لوگ مسجد میں جمع ہو رہے تھے۔ مولوی صاحب اٹھے۔ میں نے بھی وضو کیا۔ مولوی صاحب نے نماز شروع کردی تھی۔ میں وضو سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ مولوی صاحب فرائض امامت مقتدیوں کی صف اول میں کھڑے ادا کر رہے ہیں۔ میرے لئے یہ نئی بات تھی۔ مولوی صاحب رکوع میں جاتے ہوئے بھی آیات پڑھ رہے تھے۔ مسجد میں کافی گنجائش تھی۔ میں نے علیحدہ اکیلے ہی نماز پڑھ لی نماز سے فارغ ہوکر پھر سلسلہ بحث جاری ہوگیا۔

میں نے کہا کہ "اگر کوئی عیسائی آپ کے نظریہ کی بنا پر یہ کہے کہ آنحضرتؐ اچھے خاصے لکھے پڑھے تھے۔ اور قرآن بھی آپ ہی کا بنایا ہوا ہے تو آپ کیا جواب دیں گے۔"

فرمایا "میں آپ کو کیسے فرض کر لوں کہ آپ عیسائی ہیں۔ آپ نے ابھی میرے سامنے نماز پڑھی ہے"

میں نے کہا کہ "میں کب کہتا ہوں کہ میں عیسائی ہوں اور اس حیثیت میں اعتراض کر رہا ہوں"

فرمایا "جب آپ عیسائیوں کی نمائندگی کر رہے ہیں تو یا کہیں کہ میں عیسائی ہوں تو آپ کو جواب بھی اسی مناسبت سے دیا جائے گا"

میں نے کہا کہ "میں عیسائی تو نہیں مسلمان ہوں مگر بغرض بحث آپ تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجیے کہ ایک عیسائی یہ اعتراض کر رہا ہے"

فرمایا کہ "میں ہرگز ایسا فرض نہیں کر سکتا جو بداہت کے خلاف ہو"

میں نے سمجھ لیا کہ مولوی صاحب کے پاس کوئی جواب نہیں جس سے میری تشفی ہو۔ سلام کیا اور چلا آیا۔ ابھی میری طالب علمی کا زمانہ ختم نہیں ہوا تھا۔

آج اس مسئلہ کی تحقیق کا خیال مجھے ہوا تو سمجھ میں آ گیا کہ مولوی صاحب نے کیوں بحث سے پہلو تہی کی۔

احادیث میں صلح حدیبیہ کے ضمن میں مذکور ہے کہ

• عہد نامہ صلح لکھا گیا تو اس کے پہلے فقرہ "من محمد رسول اللہ" پر کفار نے اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ تسلیم کرتے تو جھگڑا کس بات کا ہے۔ اس لئے الفاظ رسول اللہ قلمزن کئے جائیں۔ کاتب عہد نامہ حضرت علیؓ تھے آپ نے انکار کر دیا۔ آنحضرت نے خود اپنے ہاتھ سے الفاظ "ابن عبد اللہ" پہلے الفاظ قلم زن کر کے لکھ دیئے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرتؐ پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ مگر مولوی صاحب تو احادیث کے بالکل منکر تھے۔ اس لئے اس حدیث سے استدلال بھی نہ کر سکتے تھے۔ مولوی صاحب مجھے میری پیش کردہ آیات سے بھی قائل کر سکتے تھے۔ کہ اس آیت میں الفاظ "من قبلہ" کی تخصیص ہے۔ یعنی نزول قرآن یا دعویٰ نبوت یا بعثت سے

Marfat.com

پیشتر بلا شبہ آں حضرتؐ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے مگر اس کے بعد رسم الخط مروجہ سے واقف ہو گئے تھے اور یہ کوئی مشکل بات کسی اہل زبان کے لئے نہ تھی۔ ایک دو روز میں ہر ایک اہل زبان حرف شناس ہو سکتا ہے۔ مگر خوش خط تو مشق سے ہی ہو سکتا ہے۔ آں حضرتؐ نے اس کی ضرورت محسوس نہ کی۔ جو کچھ کاتبان وحی لکھتے آپ بھی پڑھ کر اطمینان کر لیتے۔ مگر مولوی صاحب کا ذہن اس طرف منتقل نہ ہوا۔

جو شخص احادیث کا مطلق انکار کر دے۔ اس کے لئے مشکل یہ ہے کہ مروجہ نماز کو اگر وہ اسے صحیح سمجھتا ہے یا تو قرآن سے ثابت کرے یا قرآن سے کسی اور صورت کی نماز پیدا کرے۔ مولوی صاحب نے آخری روش اختیار کی اور قرآنی نماز بھی اختراع کی۔ مولوی صاحب کو اتنا خیال نہ آیا کہ صلوٰۃ کی تشکیل آں حضرتؐ کی دی ہوئی ہے جس طرح مولوی صاحب نے تشکیل آیاتِ قرآن کی رُو سے دی۔ اسی طرح آں حضرتؐ نے بھی دی اور آں حضرتؐ کا "تفقہ" مولوی صاحب کے تفقہ سے زیادہ معتبر ہے۔ یہ امر کہ آنحضرتؐ نماز میں آیاتِ قرآن ہی تلاوت فرمایا کرتے۔ صحیح ہے لیکن ایسے فقرات بھی استعمال کئے جائیں جو مروجہ ہیں تو کون سا شرک لازم آتا ہے۔ مگر ہم سخن فہم ہیں کسی کے طرف دار نہیں نہ مخالف ہیں۔ قرآن میں جو دعائیں انبیاؑ کی مذکور ہیں وہ آخر انبیاؑ کی احادیث ہی ہیں اور جو دعائیں سکھائی گئی ہیں وہ بھی اور یہی بہتر ہیں۔ غرض تو اللہ کی حمد و ثنا اقرار عبودیت و عجز ہے۔ اللہ تو دلوں کو دیکھتا ہے اور اس کو جو دل کسب کرتے ہیں۔ صلوٰۃ پر ہم نے علیحدہ بحث کی ہے۔

امتِ مُسلمہ امتِ مُسلمہ کی طرح تو حضرت ابراہیمؑ نے ڈالی تھی۔

"رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ" (۱/۱۵)

"اے پروردگار تو ہمیں اپنا ہی فرمان بردار بنا اور میری اولاد سے (جو میرا اتباع کرے) ایک امت اپنی فرمان بردار بنا۔"

امرتسر میں چند زندہ دلوں نے ایک ادارہ قائم کیا جس کا نام امتِ مسلمہ رکھا

Marfat.com

ان ایام میں امرت سر مذہبی مناظرات کا اکھاڑہ تھا۔ آریوں نے آرین ڈیبیٹنگ کلب، قائم کی ہوئی تھی۔ اور مسلمانوں کو بھی دعوت مناظرہ دیتے۔ مجھے بھی کبھی کبھی شرکت کا اتفاق ہوتا۔ علماء اسلام بھی بحث میں حصہ لیتے۔ مولانا ابوالکلام آزاد ان ایام میں دفتر "وکیل" امرتسر سے منسلک تھے۔ ایک دن میں آپ کو بھی اس کلب کے جلسہ میں لے گیا۔ آپ نے موضوع زیر بحث پر برجستہ تقریر کی۔ اردو ٹکسالی زبان اور آپ کی روانی کا وہ رعب چھایا کہ پنجابی آریوں پر خاموشی طاری ہو گئی۔ لیکن یہ گفت و شنید اغیار کے ہاں ہوتی تھی۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی تقلیداً ایک محفل مناظرہ کی طرح ڈالی۔ اس کے بعد چند مفکرین نے ادارہ "امتِ مسلمہ" قائم کیا۔ غرض یہ تھی کہ ہر ایک فرقہ اور عقیدہ کا مسلمان اس میں شامل ہو۔ خواہ وہ اپنے عقیدہ پر ہی قائم ہو مگر "مسلم" ہو۔ اور اسلام کا بول بالا چاہتا ہو نہ کہ اپنے فرقہ کا۔ اس ادارہ کی قیادت مولوی احمد دین صاحب فرما رہے تھے۔

ان ایام میں اہل حدیث کا زور تھا۔ امرت سر میں اہل حدیث کے تین بڑے پایہ کے عالم گزرے ہیں۔ ایک مولوی عبداللہ غزنوی اور دوسرے مولوی غلام علی صاحب قصوری اور تیسرے مولوی حاجی احمداللہ صاحب۔ اول الذکر دو غالباً میری پیدائش سے پہلے یا میرے بچپن میں فوت ہو چکے تھے۔ آخر الذکر مولوی میر احمداللہ صاحب امرت سر کے رؤسا میں سے تھے۔ تلمذ کا فخر لڑکپن میں مجھے بھی حاصل رہا۔ ان ہی کا شاگرد مولوی ثناء اللہ تھا جو بعد میں امیر جماعت اہل حدیث تسلیم کیا گیا اس وقت مولوی صاحب کا طوطی بول رہا تھا۔

ادارہ امت مسلمہ کے بانی تو مولوی احمدالدین اور ان کے رفقا کار میاں مولا بخش سوداگر صابون اور دیگر اصحاب تھے۔ یہ شراکت کی ہنڈیا زیادہ دیر کارآمد نہ رہی بلکہ آخر چوراہے میں پھوٹی۔ اہل حدیث سے ٹکر لینی پڑی۔ امت مسلمہ کا عقیدہ تھا کہ احادیث صحیحہ سے واجب فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ مگر وہ اکی حضرت

کا بشری کلام ہے اور "حجت شرعی" نہیں ۔ اہل حدیث اسے "وحی" کا درجہ دیتے ہیں ۔ چنانچہ اس موضوع پر مولوی ثناء اللہ اور مولوی احمد الدین میں تحریری مناظرہ ہوا ۔ مولوی ثناء اللہ بہت بلند پایہ مناظر تھے مگر شکست کھا گئے ۔ مناظرہ شائع ہو چکا ہے ۔ مولوی احمد الدین مرحوم سے میرے مراسم بھی دوستانہ تھے اور مولوی ثناء اللہ صاحب سے بھی ۔

مولوی احمد الدین صاحب کی سادگی لباس اور عام معاشری امور میں اور اور تقویٰ اور حق پرستی کی مثال اس زمانہ میں بمشکل ملے گی ۔ ایک ماہانہ "البلاغ" حکیم شہاب الدین کے زیر ادارت شائع ہونے لگا ۔ جس میں مولوی صاحب کی تفسیر "بیان للناس" بالاقساط شائع ہوتی رہی ۔ علاوہ ازیں اور بھی موضوع تھے جس پر مولوی صاحب داد تحقیق دیتے رہتے ہے ۔

مولوی صاحب کی تفسیر پر میں نے بھی تنقید کی ۔ آپ نے سرسید احمد خاں کی طرح "ذلک الکتب لا ریب فیہ" کی تفسیر کرتے ہوئے "الکتب" سے مراد قرآن ہی لی ہے ۔

میری تنقید بلاغ میں شائع ہوئی ۔ کتنا حق پرست ، طالب حق یہ شخص تھا کہ تسلیم کر لیا کہ "الکتب" کتاب فطرت ہی ہے ۔ اس کے بعد آپ نے تفسیر میں کتاب فطرت ہی معنی مراد لئے

امت مسلمہ یہ جانتی تھی کہ جب قرآن میں ہمارا نام "مسلمین" ہی مقرر ہو چکا ہے اور اسلام دین اللہ ہے تو ہر ایک مسلمان کو اللہ ہی کے نام سے وابستہ رہنا چاہیئے ۔ بشری شخصیت سے وابستگی اگر جائز ہوتی تو آں حضرتؐ کا زیادہ حق کہ ہم "محمدی" کہلاتے ۔ جیسا کہ نامسلمان ہمیں کہتے ہیں ۔ اس لئے کسی بشری شخصیت سے کسی مسلمان کا اپنے آپ کو وابستہ کرنا نہایت ناواجب ہے جب ایک دفعہ بشری شخصیت سے کوئی اپنے آپ کو وابستہ کر لیتا ہے تو وہ اسی نام کا پوجاری بن کر رہ جاتا ہے ۔ کسی شخص کے علم و فضل اور تحقیق سے فائدہ اٹھانا

Marfat.com

تبصرہ

در مشرب رند از قید مذاہب بگریز
آفت نیست در آں بزم کہ سازش جنگ است

ان اوراق کے مطالعہ کے بعد غالباً ہر ایک طالب حق کے دل میں یہ سوال ضرور پیدا ہونا چاہیئے کہ جس شخص کی نظر شروع سے آخر تک تمام مذاہب اسلامیہ پر ہے اسے یہ بھی بتانا چاہیئے کہ ان میں سے حق پر کون ہے۔ یہ منصب میرا نہیں میں تو ایک مورخ ہوں۔ لیکن جہاں تک میری ذاتی شخصی رائے ہے وہ یہی ہے کہ ہر ایک فرقہ اپنے آپ کو حق پرست ہی یقین کرتا رہا اور کرتا ہے۔ اگر اس پر اس کا یقین نہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ وہ دیدہ دانستہ باطل پرست نہ ہوتا۔ اس لئے ہر ایک شخص خواہ اس کا تعلق کسی فرقہ سے تھا یا ہے نیک نیتی سے یہی سمجھتا رہا اور سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ اور اگر ہم ذرا ان مذاہب سے الگ ہو کر ان کے دلوں کو ٹٹولیں تو جو تصور حق ان کے ذہن میں ہے وہ ان کے عقائد کے عین مطابق ہے۔ سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ آیا یہ تصور حق صحیح بھی ہے کہ نہیں؟ سخن دریں است۔

"حق" کی دو صورتیں ہیں۔ ایک مستقل، اور دوسری غیر مستقل۔ یا دوسرے لفظوں میں جو زیادہ مناسب ہیں یوں کہئے کہ "حق" جوہر ذاتی ہے۔ اور بعض بجا عرض یا وصف اضافی بھی ہیں جو غیر مستقل ہیں۔ اس کی مثال خود قرآن نے "شجرہ طیبہ" میں دی ہے کہ اس کی اصل ثابت اور فرع آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں ہر ایک

Marfat.com

موسم پر اپنی بہار دکھاتا اور پھل لاتا ہے۔ لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اصل تو ہمیشہ ثابت ہی ہے لیکن فروع، شاخیں اور پتے اور پھول اور پھل ٹوٹتے اور بکھرتے اور گرتے رہتے ہیں۔ یہ غیر مستقل شے ہے۔ یہ ہیں وہ مذاہب یا فرقے جن کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔

"اسلام" اصل ہے۔ باقی سب فروع۔ یہ فرقے اپنے اپنے وقت پر بہار دکھا گئے۔ ان میں سے اکثر ختم ہو گئے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان میں سے ایک بھی پہلی سی رنگینی کے ساتھ جلوہ نما نہیں۔ جو طبائع تقلیداً رجعت پسند پرانی لکیر پیٹ رہی ہیں ان کی توجیہہ نفسیات میں تلاش کرنی چاہیئے۔

اہل تحقیق کو چاہیئے کہ ان کو حال پر چھوڑ دیں۔ اگر وہ دیدہ بصیرت سے اس حقیقت کو نہیں دیکھتے کہ ان کا مذہب مٹ چکا ہے تو وہ رفتہ رفتہ خود مٹ جائیں گے اور تو بس اسی طرح مٹتی رہی ہیں۔ ایک کہنہ شاخ خزاں دیدہ و بریدہ و فرسودہ کو زمین میں گاڑنے سے سر سبز درخت نہیں بن سکتا۔

لیکن اس میں بھی کلام نہیں کہ ہمیں اصل درخت سے وابستگی کے بعد انہی شاخوں اور پتوں اور پھولوں اور پھلوں سے سروکار ہے۔ اصل تو غیر مرئی شے ایک ذہنی حقیقت ہے۔ لیکن جو کچھ محسوس ہو رہا ہے وہ اس کی فروع ہی ہیں اور اصل کا مقصد بھی یہی ہیں۔ اصل کا ظہور انہی فروع میں ہوتا ہے اور ہمارا اصل کا شعور بھی اسی ظہور پر منحصر ہے۔ اس لئے اصل سے وابستگی اس کے فروع سے وابستگی ہے۔ مگر سوال وہی مستقل اور غیر مستقل کا ہے۔ جب اصل کسی شاخ یا پتے یا پھل یا پھول کو اپنے آپ سے جدا کر دیتا ہے تو ہماری ہزار صنعت بھی پیوستہ نہیں کر سکتی اگر ہم "لا احب الافلین" کے مفہوم کو ذہن نشین کر لیں تو یہ سمجھنا بھی مشکل نہیں کہ معیار صداقت کیا ہے۔

ارشاد قرآن ہے کہ

"اللہ تعالےٰ کسی قوم کے معاملات نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی

Marfat.com

ذہنیت کو (خارجی حالات کے مناسب) نہ بدلے :

یہ ناقابل تغیر و تبدل قانون فطرت یا سنت اللہ ہے۔ خارجی حالات کا تقاضہ اہل عقل و فکر پر منکشف ہوتا ہے۔ جن کا ذہن ہوا و ہوس سے پاک ہوتا ہے۔ اس موضوع پر ہم بحث کر چکے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہمیں بدلتے ہوئے حالات خارجی کے ساتھ اپنی ذہنیت کو بھی بدلنا چاہیئے۔ یہ مطالبہ دین اسلام کا ہے۔ جس کے تحت حالات بدلتے ہیں: "لہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض" مزید بحث ہم اس کتاب کے خاتمہ پر کریں گے۔

سردست ہمیں مذاہب اسلامیہ پر تبصرہ کرنا ہے۔ ان میں خاص خاص امتیازی باتیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) بانی مذہب کے نام سے وابستگی

اس نام سے وابستگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک نیا فرقہ پیدا ہو گیا۔ مان لو کہ جو کچھ اس شخص نے کہا صحیح تھا۔ اگر یہ اس کی ذاتی اختراع یا صنعت تھی۔ جسے لسان قرآن میں "من دون اللہ" کہا گیا ہے۔ تو قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ لیکن کوئی فرقہ یہ نہیں کہتا بلکہ اس کے اقوال کی سند قرآن و حدیث پیش کرتا ہے۔ مان لو کہ یہ صحیح ہے لیکن جو کچھ اس نے کہا یا کیا اپنے خارجی حالات کے تقاضہ کے تحت کہا یا کیا۔ حالات بدلے تو وہ تقویم پارینہ ہیں۔ اس کے ساتھ نام بھی مٹنا چاہیئے۔

(۲) بانی مذہب سے الوہیت کا درجہ منسوب کرنا۔

یہ متعدی مرض عام وبا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بشری نام "من دون اللہ" سے وابستگی کا مفہوم ہی یہ ہے کہ بانی مذہب کو خدائی درجہ دیا جاتا ہے۔ اور اس نام کی پوجا کی جائے۔ مسلمانوں کے بعض فرقوں کا یہ عقیدہ ان کی اپنی اختراع نہیں۔ مسیحی دنیا مسیح کو یہی درجہ دیتی ہے۔ اور اگر تمام مسلمانوں کے مذاہب کا جائزہ لیا جائے تو یہی عقیدہ ان کے مذہب کی بنیاد ہے۔ ہر ایک پست ذہنیت جو محکوم و مغلوب و مقہور رہنا چاہتی ہے، تنگِ انسانیت ہے۔ اسی عبودیت و عبدیت "من

Marfat.com

دون اللہ" سے شجر و حجر اور ارباب بشر کی پوجا پر ترغیب دی۔ اور اسی کے خلاف قرآن کا فتویٰ ناطق ہے کہ یہ شرک ناقابل معافی گناہ ہے۔ تمام فتنہ و شر اور جنگ و جدل اور عذاب انہی ناموں اور اسی عبدیت "من دون اللہ" کا پیدا کردہ ہے۔

"فھل انتم مسلمون"۔

(۳) یہی دو باتیں ہیں جو غیر اسلامی ہیں۔ باقی رہا سوال فقہی احکام شریعت کا۔ فقہا کا اس میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف ہی واضح دلیل ہے کہ

"زعرض شیشہ تہی نیست نسخہ تحقیق"

"تو آنچہ کردہ از خویش انتخاب شک است"

ہر ایک فقیہہ نے تا حد نظر خارجی حالات کا جو ہمیشہ بدلتے ہیں جائزہ لیا۔ اور کوشش کی کہ اپنے زمانہ کی ذہنیت کو اس کے مطابق ڈھالے۔ یہ اس کے اپنے اجتہادات عقلیہ ہیں۔ یہ کوشش بھی مستحسن اور یہ اجتہادات بھی صحیح لیکن جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں سب تقویم پارینہ ہیں۔

"گر بو حنیفہ در زماں مابودے فقہ دیگری نوشت"

یہ اچھی طرح ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ قرآن نے ہمیں "نبوت" یعنی دینی حکومت اور ملوکیت یعنی دنیوی حکومت سے آزادی کی سند من جانب اللہ عطا کی ہے اور احکام کا وضع کرنا جو ایام جاہلیت میں انبیاءؑ کا کام تھا اب "شوریٰ" کا فرض ہے ترقی یافتہ قومیں "پارلیمنٹ" اور "مجالس واضعان قوانین" میں یہی خدمت سر انجام دے رہی ہیں۔ اور یہ عین ارشادات قرآن عظیم کے مطابق ہے۔ اس موضوع پر بھی ہم بحث کر چکے ہیں۔

Marfat.com

عالمِ انسانی کا آئندہ مذہب

تا دریں محفل تا آں بر بساط حال ریخت
ساغر ماضی بگردش رنگ استقبال ریخت
ورنہ ایں حباب حال کو مستقبل و ماضی کدام
قلقل و ہمیست کز مینائی قیل و قال ریخت

ہم نے مذاہب اسلامیہ کے گذشتہ و حاضرہ حالات بالاختصار قلم بند کئے ہیں۔ مورخ جو واقعات کی رفتار دیکھتا ہے آئندہ زمانہ کے متعلق بھی پیشگوئی کر سکتا ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ ہم مذاہب یا مذہب کو دنیا تہ اسلام میں محدود رکھتے لیکن اسلام عالمگیر دین الفطرت ہے۔ اور آج بھی تمام عالم انسانی اس کے زیر اثر ہے خواہ کوئی قوم اس کا دانستہ یا نادانستہ اعتراف نہ کرے۔ ہم واضح کر چکے کہ "ان الدین عند اللہ الاسلام" یہ کسی بشری شخصیت کی اختراع نہیں؛ لہ اسلم من فی السموٰت والارض۔ تمام کائنات کا نظم و نظام اسی سے قائم ہے۔ اس لئے اسلام نہ صرف عالم انسانی بلکہ کل کائنات کا دین الفطرت ہے چونکہ آں حضرتؐ کا خطاب بحیثیت رسول کل عالم انسانی سے ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس دین کی حقیقت کیا ہے جسے عالم انسانی کو طوعاً و کرہاً قبول کرنا پڑے گا۔

ہم یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ کائنات پر ہر آن تغیرات واقع ہوتے ہیں اور

Marfat.com

ذہن انسانی پر انہی کے مناسب تبدیلی ہو رہی ہے۔ خارجی اور ذہنی حالات کے تغیرات ارتقا کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں۔ آنحضرت ؐ کی نسبت محققین یورپ کی یہ رائے بالکل صحیح ہے کہ اس کامیاب شخصیت کی نظیر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن عظیم تو "بلاغ" ہر ایک زمانہ کے ذہن بلند و پست تک رسا ہے۔ آنحضرت نے اپنے زمانہ کے ذہنی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اصلاح اسی حد تک کی جس حد تک ان حالات نے اجازت دی جو مصلح اپنے زمانہ کا ساتھ دیتا ہے زمانہ اس کو پہچانتا ہے جو اپنے زمانہ سے آگے بڑھا ہوا ہو۔ اپنے زمانہ میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ البتہ جب زمانہ آگے چل کر اس کی ذہنی سطح پر آتا ہے تو وہ پہچانا جاتا ہے۔ مصلحان کی ذہنیت کا درجہ اپنے زمانہ کے عام فہم سے ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے۔ مصلحان کی ناکامیابی کا سبب ایک "تعامل" ہے جس پر ہم بحث کر چکے ہیں اور قرآن حکیم نے اس کی مذمت فرمائی ہے لوگ اپنے آباو اجداد کی روش بدلنا نہیں چاہتے۔ لیکن خارجی حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور کوئی شخص کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اپنی ذہنیت کو ان کے مناسب نہ بدلے۔ یہ ناطق فتویٰ قرآن حکیم کا ہے۔ جس کا حوالہ ہم دے چکے ہیں اور کل اہل علم و حکمت کا متفقہ فیصلہ بھی یہی ہے۔

خیر یہ تو وقتی کامیابی تھی اور بلاشبہ عظیم الشان کامیابی تھی۔ وقتی کامیابی کئی ایک کو حاصل ہوئی لیکن ان کی وفات کے بعد

"زمانہ دگرگوں آئیں نہاد"

آں حضرت ؐ کی دائمی کامیابی کا راز یہ ہے کہ آپ نے بحیثیت بشر رسول اپنے آپ کو پیش کیا۔ قل انما انا بشر مثلکم۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ سے پیشتر جتنے بھی انبیاء و رسول اور رشی منی اور اوتار جن کو مشرکین خدا اور خدا زادے سمجھ کر پوجتے تھے سب بشر ہی تھے اور یہ وہ حقیقت ہے جس کو کل عالم انسانی میں اہل علم و حکمت نے تو اعتقاداً تسلیم کر لیا خواہ ان کا قومی مذہب غیر اسلام ہے

Marfat.com

"کارلائل" نے مشاہیر اور مشاہیر پرستی (ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ) میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ

"آں حضرتؐ کی بعثت کے بعد کون یقین کرے گا کہ جو بعد میں خدا اور خدازادے سمجھے گئے ان کے ہمعصران کو ایسا ہی سمجھتے تھے؟ اور آئندہ تو کوئی شخص کسی بشر سے الوہیت منسوب نہ کرے گا۔"

غالباً کارلائل کا اشارہ اہل عقل کی طرف ہے۔ لیکن جو پست ذہنیت رکھتے ہیں اور ان کی کمی عوام کالانعام میں نہیں وہ ابھی تک ایام جاہلیت کی خصوصیات کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ مگر زمانہ بہت کچھ ذہنی ترقی کر چکا ہے اور اس ارتقا کے ساتھ یہ پست فطرت مٹتے جا رہے ہیں اور وہ وقت دور نہیں ہے جب یہ حقیقت اچھی طرح منکشف ہو جائے گی کہ

چہ ممکن است زرو داغِ بندگی ز جبین
زمیں فلک شود و آدمی خدا نشود

عالم انسانی اس دعوی کا کہ "انا بشر مثلکم" کبھی انکار نہیں کرے گا۔ اگر کوئی شخص یہ دعوے کرے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں تو کوئی شخص جس میں تھوڑی سی عقل ہو کبھی تسلیم نہیں کرے گا۔ لیکن اس دعوی کے نتائج بہت دور رس ہیں۔ جب ایک شخص ہماری ہی مثل ایک بشر ہے تو اس کا کیا حق ہے۔ کہ اپنے ہی ہم جنس انسانوں میں علو اور برتری کی خواہش کرے۔ اور کیا تمام کائنات میں کوئی اپنے ہم جنس کو برتر سمجھتا ہے؟

بیدل بحصول رزق آمادہ بسر — سگ چاکر سگ نگشت و خر بندۂ خر
از مخترعات کارگاہ امکان — این تنگ شعور نیست جز صنع بشر

قرآن میں ان ایام کو "جاہلیت" سے موسوم کیا گیا ہے جو آنحضرتؐ کی بعثت سے پیشتر عالم انسانی پر گزرے۔

ارشاد ہے کہ

Marfat.com

"افحکم الجاھلیۃ یبغون ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون" ($\frac{6}{11}$)

"تو کیا یہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں اور کون ہے جو اللہ سے حکم میں بہتر ہے اہل یقین کے لئے"

یہی اعلیٰ و ادنیٰ کا تصور تھا جو عوام الناس کے دماغ میں بطور مذہبی عقیدہ ٹھونسا گیا اور یہ ایک خصوصیت ایام "جاہلیت" کی تھی۔ کئی فرعون اور کئی چندر اور سورج بنسی دیوتاؤں کی اولاد ہوئے جن کا تذکرہ تاریخ کے صفحات پر موجود ہے اسی پست ذہنیت نے امم میں آباواجداد پرستی جاری رکھی۔ ہر ایک قوم میں اونچ نیچ کے علاوہ ہر ایک قوم ہمسایہ قوم کو ملیچھ، اور ایسے ہی ناپاک القاب سے تعبیر کرتی، ارشاد قرآن ہے کہ

"تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین" ($\frac{20}{12}$)

"وہ دار آخرت ہم نے ان لوگوں کے لئے بنایا ہے جو زمین میں نہ تو برتری چاہتے ہیں اور نہ فساد پھیلاتے ہیں اور انجام نیک راستبازوں ہی کا ہے۔"

یہ آیت حضرت موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل کے ایک فرد کے حالات میں واقع ہوئی ہے۔ جس کا نام قارون تھا۔ یہ ایک امیر کبیر آدمی تھا اور اب ضرب المثل ہو گیا ہے۔ کسی بہت بڑے سرمایہ دار کو اسی نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب اسے کہا جاتا کہ "اللہ نے تجھے یہ دولت و ثروت دے رکھی ہے۔ اس میں سے اپنی قوم کے مفلس طبقہ کی بہتری کے لئے بھی کچھ فی سبیل اللہ خرچ کر۔" تو جواب یہ دیتا کہ

"انما اوتیتہ علی علم عندی" ($\frac{8}{12}$)

"یہ مال و دولت تو مجھے ذہنی تفوق کی وجہ سے ملا ہے۔"

اگرچہ اب لوگوں نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ عالم انسانی میں اعلیٰ و ادنیٰ ذاتوں کا امتیاز بالکل غیر فطری ہے۔ لیکن "علیٰ علم عندی" کی رٹ سرمایہ دار اب بھی لگا رہے ہیں اور

Marfat.com

اقتصادیات کے عالم بھی یہی کچھ کہتے ہیں کہ جن کے ذہنی درجات بلند ہیں۔ اور جو ماہرین فن ہیں ان کا حق ہے کہ بہ نسبت ان اشخاص کے جو پست ذہن ہیں زیادہ مال حاصل کریں۔ یہ ان کے علم و ہنر کی کمائی ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ یہ نظریہ باطل ہے۔ تمام کائنات مفت انعام اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم کا ہے۔ اور تمام امکانات جو ذرہ ذرہ میں پوشیدہ ہیں اگر ان کا انکشاف کسی اہل حکمت پر ہوتا تو یہ بھی ایک فضل ہے جو اللہ ہی کا عنایت کیا ہوا ہے اور اہل علم تو اس میں بخل نہیں کرتے۔ اور اگر کریں تو ارشاد قرآن ہے کہ

"ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتٰھم اللہ من فضلہ ھو خیرالھم بل ھو شرلھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیمۃ وللہ میراث السمٰوٰت والارض (۳/۱۸۰)

"اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو اللہ کے فضل سے دیتے ہوتے ہیں بخل کرتے ہیں کہ ان کے واسطے خیر ہے بلکہ شر ہے۔ یہی جس میں بخل کرتے ہیں قیامت کے روز ان کے گلے کا ہار ہو جائے گا اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کی ہے"۔

نیز ارشاد ہے کہ

"واللہ فضل بعضکم علیٰ بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقھم علیٰ ما ملکت ایمانھم فھم فیہ سوآء افبنعمۃ اللہ یجحدون" (۱۶/۷۱)

"اور اللہ نے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دے رکھی ہے تو وہ یہ فاضل رزق (جو ان کی اپنی ضروریات سے زاید ہے) لوٹا کر ان کو نہیں دیتے جو ان کے زیردست ہیں (یہ امر واقعہ ہے اور انہی زیردستوں کی محنت کی کمائی یہ رزق ہے) تاکہ اس میں دونوں میں مساوات ہو جائے۔ تو کیا اللہ کی نعمت کا (جو مفت ہے) انکار کرنے پر تلے ہوتے ہیں"۔

امام راغب مفردات میں لکھتا ہے کہ

"رزق ہر ایک شے میں ہے جو نفقہ ہو سکے اس میں مال و دولت و علم

Marfat.com

وغیرہم سب داخل ہیں ۔"

اگرچہ عالم انسانی نے قرآنی آیات محولہ کی صداقت اعتقاداً تسلیم کرلی ہے مگر عملاً سرمایہ داری اسی جاہلی "غلو" کی دلدادہ ہے جو فساد کا واحد سبب ہے ہمارے زمانہ میں اشتراکیت جس کی ارتقائی صورت "کمیونزم" ہے اتنی طاقت ور ہو چکی ہے کہ اس کی آغوش میں عالم انسانی کی اکثریت آ رہی ہے ۔

"کارل مارکس" خود ذریت حضرت ابراہیم ؑ سے تھا ۔ اور قرآن اور حکماء اسلام غزالی وغیرہ کے فلسفہ سے بھی واقف تھا ۔ وہ اپنے ایک عقیدت مند کو متنبہ کرتا ہے جس نے اس کے نظریہ کی حمایت میں مضامین لکھے تھے کہ

"نظریہ کمیونزم کوئی مستقل عقیدہ نہیں ہے ۔ یہ تو سرمایہ داری کے خلاف ایک مؤثر حربہ ہے اور سرمایہ داری کو تباہ کرکے رہے گا لیکن سرمایہ داری کے خاتمہ پر خود بھی ختم ہو جائے گا ۔ اس کے بعد کسی اور ہی "ازم" کا ظہور ہوگا ۔ اور آئندہ زمانہ کے مفکرین ہی بتائیں گے کہ وہ کیا ہے ؟"

لیکن وہ اور اس کا رفیق کار انگلز اتنا اشارہ کرتا ہے کہ

"عالمگیر حریت و مساوات کا دور دورہ ہوگا اور انسان کی توجہ تسخیر کائنات کی طرف لگ جائے گی ۔ اور ذہنی اور مادی ارتقاء کے ساتھ انسانی معیار زندگی بلند تر ہو جائے گا ۔"

ارشاد قرآن ہے کہ

"سارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السمٰوٰت والارض اعدت للمتقین" ($\frac{۴}{۵}$)

"اس ادنی زندگی کی لوٹ کھسوٹ پر کیا لڑتے جھگڑتے مرتے ہو ، تیزی سے بڑھو اپنے پروردگار کی بخشش اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمانوں اور زمین کا ہے ۔ راست بازوں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔"

نیز ارشاد ہے کہ

Marfat.com

"سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منہ ان فی ذالک لاٰیٰت لقوم یتفکرون"

"اس نے اپنی رحمت سے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب کچھ تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں اہل فکر کے لئے"

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت کی بعثت کے بعد ہی اہل ذکر و فکر کی توجہ کتاب کائنات کے مطالعہ میں لگی اور جو کچھ عالم انسانی نے ذہنی اور مادی ترقی اب تک کی ہے۔ وہ اس تذکر و تدبر و تفکر کا نتیجہ ہے جس کی طرف قرآن بار بار توجہ دلا رہا ہے۔ بلاشبہ آنحضرت سے پیشتر بھی صحیفہ فطرت کا مشاہدہ اہل و حکمت کرتے رہے لیکن ارشاد قرآن ہے

"وما تسئلہم علیہ من اجر ان ھو الا ذکر للعٰلمین، وکاین من اٰیۃ فی السمٰوٰت والارض یمرون علیہا وھم عنہا معرضون، وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون" (۱۳/۴)

"اور تو ان سے تبلیغ کا کچھ اجر تو مانگتا نہیں۔ یہ تمام عالم انسانی کے لئے ہر زمانہ میں ایک یاد دہانی ہے اور کتنی آیات آسمانوں اور زمین میں ہیں جن پر (آنکھیں رکھتے ہوئے) یونہی گزر جاتے ہیں اور منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور (اگر مشاہدہ کرتے بھی ہیں تو) ان میں سے اکثر خالص توحید الٰہی پر ایمان نہیں لاتے شرک بھی کرتے ہیں"

یونان اور روم اور ایران اور ہندوستان میں بلند پایہ فلسفی اور اہل علم گزرے ہیں ان کے افکار سے ہم واقف ہیں۔ لیکن انہوں نے دنیا کے سامنے صنمیات (MYTHOLOGY) ہی پیش کی۔ وہ اجرام سماوی اور ارضی کو دیوتا اور دیویاں سمجھ کر پوجتے رہے جن کی نسبت قرآن کا ارشاد ہے کہ

"سورج ہو کہ چاند غرض سب کچھ جو کائنات میں ہے۔ انسان ہی کا خادم ہے"

انساں کہ خلک ہاست سر افگندۂ او — در حیرت او گم است وا ماندۂ او

دارد خاصیتے کہ در خارج و ذہن

ہر چیز کہ آفریدہ شد بندۂ او؟

قرآن نے انسان کے صحیح مقام سے ہمیں پہلی دفعہ روشناس کیا۔ اور مقام پر پہنچنے کا صحیح طریقہ بھی بتا دیا۔ انسان اب دیوتاؤں اور دیویوں کی پوجا نہیں کرتا۔ مگر ہمارے زمانہ میں بعض سرمایہ دار قومیں "انا ربکم الاعلیٰ" کا دم بھر رہی ہیں۔ وہ وقت دور نہیں کہ یہ اپنا انجام اپنے پیشرو فرعون کی طرح دیکھ لیں گی۔

غرض اس اعلان نے کہ "انا بشر مثلکم" ایک انقلاب عظیم عالم انسانی میں پیدا کر دیا۔ ساڑھے تیرہ سو سال کا عرصہ عالم انسانی کی تاریخ میں کچھ طویل نہیں۔ اس عرصہ میں جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے اور جو کچھ متوقع ہے وہ اہل بینش سے پوشیدہ نہیں۔ اس اعلان میں انسانیت کا روح بول رہا ہے۔ جب ہم اس کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کر لیں گے "ورنہ ستانی بہ ستم می رسد" اگر بخوشی خاطر اعتقاداً اور عملاً نہ سمجھیں تو "بعد از ہزار رسوائی" خود بخود سمجھ لیں گے۔ اس وقت انسان اپنے مقام انسانیت کو پہچان لے گا۔ اور ہر ایک قسم کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

ناقابل انکار دعویٰ بشریت کے بعد دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ

"یوحیٰ الی انما الٰھکم الٰہ واحد فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً" ($\frac{16}{3}$)

"مجھے وحی ہوتی ہے کہ تم سب کا اللہ ایک ہی ہے۔ تو جو بھی اپنے پروردگار کی ملاقات کا آرزومند ہے تو چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔"

یہ دعویٰ پہلے دعویٰ بشریت کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔

انسان کی فطرت میں "عبدیت" اور "عبودیت" ودیعت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو کبھی شجر و حجر کو نہ پوجتا۔

"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"

Marfat.com

"اور ہم نے جن و انس کو اپنی ہی عبادت کیلئے خلق فرمایا ہے"

کائنات میں بشمول انسان کوئی شے احتیاج سے بے نیاز نہیں۔ انسان کو اپنی زندگی کے لئے ان تمام اشیاء کی حاجت ہے جو خارج میں موجود ہیں اور اس کی پیدا کردہ نہیں۔ اور اگر ذرا سوچیے تو اس کی اپنی خواہشات بھی اس کی اپنی پیدا کردہ نہیں کون بھوکا اور پیاسا رہنا پسند کرے گا جس کی شدت کا احساس ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ ہماری خواہشات فی النفس اور اشیاء فی الآفاق میں ایک فطری تعلق ہے جن سے ہمارے معدے اور قلب کو تسکین ہوتی ہے۔ فطرۃً اور عقلاً تذکر اور تدبر اور تفکر سے ہم ان اشیاء کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور بقدر سعی و عمل حاصل کرتے ہیں تاکہ ہماری تسکین خاطر ہو۔ جس طرح انسان خود اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوا اسی طرح کوئی شے نہیں ہوتی اور سب محتاج ہیں۔ اس لئے بندگی بھی تحت الشعور حاجت روائی کرتا ہے۔

پست ہمت جاہل آدمی انہی اشیاء کی بندگی کرتے ہیں۔ ارض و سما میں ان کو دیوتا اور دیویاں نظر آتی ہیں حالانکہ یہ سب بے شعور اشیا ہیں۔ ان دیوتا اور دیویوں کی حکومت تو ختم ہوگئی۔ اب تنگ شعور انسانوں کی حکومت رہ گئی۔ ایام جاہلیت میں یہ بھی راجے اور ملوک اور بادشاہ اور دیوتا اور اوتار ہی تھے۔ او حقیقت یہ ہے کہ

"آنانکہ غنی تر اند محتاج تر اند"

سرمایہ دار مزدور کی محنت کا محتاج ہے۔ اور مزدور سرمایہ دار کی سرمایہ داری کو اپنا سرپرست یقین کرتے ہوئے اس کا دست نگر ہے۔

غرض یہ عبدیت اور عبودیت جو تقاضا فطرت انسانی ہے اور احساس احتیاج ہی ہے جو ہمیں بندگی کے دائرہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتا۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں اور انسان نے کسی صورت میں بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

قرآن حکیم نے یہ حقیقت واضح کرتے ہوئے انسان کا شرف اور فضیلت کل اشیاء کائنات پر بالبداہت ثابت کی ہے۔ اہل فکر تو اب کائنات کی تسخیر میں لگے ہوئے ہیں

Marfat.com

لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف مخلوق کی بندگی سے آزادی بلکہ کائنات کی تسخیر ممکن نہیں جب تک ہم ایک ذات باری تعالیٰ کی عبادت بلا شائبہ شرک نہ کریں۔ اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ "عبد" ہیں اور ہر ایک شے کے محتاج ہیں۔ اس کی اب دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو ہم خود اشیاء کو اپنا حاجت روا سمجھ کر ان کی پوجا کریں جیسا کہ ایام جاہلیت میں کرتے رہے۔

مان لو کہ اشیاء ہماری حاجت روائی کرتی ہیں لیکن سورج جو صنمیات میں سب سے بڑا دیوتا تسلیم کیا گیا ہے اسے کیا پڑی ہے کہ ہمیں حرارت پہنچائے اور روشنی دے ہوا کو کس نے مجبور کیا کہ ہم سے رشتۂ تنفس جوڑے۔ پانی جو ہمارا مایۂ زندگی ہے ہماری پیاس کیوں بجھاتا ہے۔ یہ اشیاء خود بے شعور ہیں اور ہماری پیدا کردہ بھی نہیں اور سے ہماری حاجت میں موجود ہیں۔ یہ تعلق ہم سے ان اشیاء نے اپنی مرضی سے نہیں جوڑا کوئی ایسی ہستی ضرور ہے اور واجب ہے کہ ہو جو مسخر کرتی ہے جس نے یہ نظام کائنات رکھا ہے۔ بہر حال ایسے وجود کی ہستی واجب ہے جو خود احتیاج سے بالاتر ہو۔ اشیاء کے خواص ہماری خواہشات کی طرح خود اشیاء کے پیدا کردہ نہیں۔ ہماری طرح محتاج ہیں۔

انسان بلکہ کائنات کی ہر ایک شے بوجہ احتیاج "عبد" ہے۔ اس لئے کسی نہ کسی رنگ میں اور اپنے طور طریقہ پر ہر ایک شے بشمول انسان فطرۃً عبدیت کا طوعاً یا کرہاً کر رہی ہے۔ اس لئے ان میں سے کوئی ایک یا سب مل کر بھی معبود نہیں ہو سکتے

حکماء کا ایک فرقہ وہ ہے جو دہریہ یا "ناستک" یا "ایتھی ایسٹ" کہلاتا ہے کسی ایسی ہستی کا قائل نہیں ہے جسے اہل مذہب "اللہ" "پرم ایشور" "گوڈ" سے موسوم کرتے ہیں۔ فرض کرو کہ ان حکماء کا نظریہ صحیح ہے۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ جو موجود ہے یہی کائنات ہے جو مشاہدہ ہو رہی ہے۔ اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ کائنات کی ہر شے محتاج ہے اور انہی اشیاء کا مجموعہ کائنات ہے۔ اس سے کائنات محتاج ہے۔ اگرچہ اشیاء کا احتیاج اشیاء ہی رفع کرتی ہیں۔ اس لئے ہم بھی

Marfat.com

تسلیم کر لیتے ہیں کہ اگرچہ کائنات محتاج ہے مگر اپنی ضروریات زندگی بھی خود ہی پوری کرتی ہیں یعنی خود ہی عبد اور خود ہی معبود ہے۔ اس نظریہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان باہمہ عقل و دانش اور ذہنی ارتقا پھر سے ایام جاہلیت کی طرف رجعت کرتا ہے۔ اور مخلوق پرستی میں الجھ کر رہ جائے گا۔ جس حد تک وہ عبد ہے وہ اشیاء کا محتاج ہے۔ بلکہ اشیاء سے بڑھ کر محتاج ہے۔ اشیاء ہمیں کچھ نہ کچھ دیتی ہیں۔ یہ اشیاء کو کچھ بھی نہیں دیتا۔ صرف لینا ہی جانتا ہے۔ اس کی احتیاج ہر ایک شے سے بڑھی ہوئی ہے۔ اگر ہوا ہم سے رشتہ تنفس توڑ لے، پانی ہماری پیاس نہ بجھائے تو ہماری زندگی ناممکن ہو جائے۔ انسان مجسم احتیاج ہے۔ اس لئے "عبدیت" کا بھی مجسمہ ہے۔ تو انسان اور صرف انسان ہی ایک ایسی ذلیل ہستی ہے جو کائنات میں بوجہ احتیاج ہر ایک شے کی عبد ہے۔ لیکن ذہنی ارتقاء کے ساتھ انسان ان کی بندگی سے آزاد ہو چکا ہے۔ وہ ان میں تصرف کرتا ہے۔ وہ ان کو پوجتا نہیں ان کو اپنے کام میں لاتا ہے۔

یہ مسلم ہے کہ انسان ایک ذرہ بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ پیدا کرنا تو درکنار معدوم بھی نہیں کر سکتا۔ اپنی ہی خواہشات نفس محو نہیں کر سکتا۔ کائنات پر تو اس کا کچھ بس نہیں چلتا۔ اپنے ہم جنس انسانوں پر اس کا زور چلتا ہے اور خواہش "علو" کی وجہ سے جو فساد بحر و بر میں برپا کرتا ہے وہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اس لئے اس کے اعمال کی پرستش نہ ہو اور کائنات میں تو ایسی کوئی شے نہیں جو پرستش کرنے والی ہو تو وہ کون سا عمل ہے جسے عرف عام میں گناہ یا جرم کہتے ہیں جو انسان سے از لوث سرزد نہ ہو جس میں حظ نفس اور دنیوی فائدہ اسے زیادہ سے زیادہ حاصل ہو۔ اور اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ نظام معاشرت قائم نہیں رہ سکتا کہ انسان اتنا بے لگام ہو کر دوسروں کے حقوق شہریت کا پاس نہ کرے اور یہ کہ اگر وہ ان کا پاس نہ کرے تو اس کے اپنے بھی حقوق محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اس لئے پسندیدہ نظام معاشرت کے قیام اور استحکام کے لئے ان آئین و قوانین کی پابندی واجب ہے جو وہ خود ہی بہ تقاضائے حالات خارجی وضع کرنے پر مجبور ہے۔ حکماء کا عام عقیدہ ہمارے زمانہ میں یہ ہے کہ ریاست (STATE) میں رہتے ہوئے اس کے

Marfat.com

آئین وقوانین کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ "سٹیٹ" بمنزلہ معبود ہے اور ہم سب اس کے "عبد" ہیں۔

انسان غلط فہمی سے یہ سمجھتا ہے کہ میں آئین وقوانین وضع کرتا ہوں۔

"دماغ بیہودہ پخت خیال باطل بست"

یہ آئین وقوانین بہ تقاضائے حالات خارجی وہ ترمیم و تنسیخ کرتا رہتا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ یہ حالات خارجی ہی ہیں جو محرک ہیں اور یہ تحریک ایسی زبردست ہے کہ ان کے سوا چارہ نہیں کہ ان سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے ہم آئین وقوانین کو آئے روز بدلیں اور اگر ان کے مناسب نہ بدلیں تو ہم پر زبوں جمود چھا جائے گا اور ہم دیر سویر مٹ جائیں گے جیسا کہ قومیں مٹتی رہیں۔

ارشاد قرآن ہے کہ

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم واذا اراد اللہ بقوم سوءً فلا مرد لہ وما لھم من دونہ من وال۔ (۱۳/۱۱)

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے معاملات نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی ذہنیت کو (خارجی حالات کے مناسب) نہ بدلے۔ اور جب نہیں بدلتی تو اس قوم کے بُرے دن حسب ارادہ الٰہی (اس کے قوانین فطرت یا سنت اللہ کے تحت) آجاتے ہیں اور ٹلائے سے نہیں ٹلتے اور اس کے سوا اور کوئی کارساز بھی نہیں رہ جو بگڑی بنا دے"۔

اس لئے ظاہر ہے کہ یہ قوانین فطرت ہیں جنہیں لسان قرآن میں "سنت اللہ" سے موسوم کیا گیا ہے جو کبھی تبدیل و تحول نہیں ہوتے۔ اور انہیں کے تحت تمام کائنات پر تغیرات واقع ہوتے ہیں۔ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے اور اس پر کل حکماء کا اتفاق ہے۔ ان کا بھی جو واضع قوانین کا انکار کرتے ہیں۔ اور انہی کی کائنات اور کائنات کی ہر ایک شے طوعاً حکمبردار ہے

"لہ اسلم من فی السموات والارض طوعاً و کرھاً"

"اسی اللہ کی حکمبردار ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے بخوشی خاطر یا ناخوشی سے"۔ مشاہدہ ہو رہا ہے کہ ماسوئی انسان ہر ایک شے اتباع قوانین فطرت طوعاً ہی کرتی

Marfat.com

ہے۔ یہ انسان ہی ہے جو اکثر کرنا تسلیم کرتا ہے اور عذاب کے منہ آتا ہے۔ یہ ممکن تھا کہ انسان بھی طوعاً اسی طرح کرتا جس طرح دیگر اشیا کر رہی ہیں۔ لیکن پھر وہ انسان نہ ہوتا۔ دیگر اشیاء کی طرح ہوتا۔

ان آئین وقوانین فطرت کو جس سے نظام عالم قائم ہے لسان قرآن میں "اسلام" سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ کل کائنات کا دین ہے کوئی انسانی اختراع نہیں۔ اسی کو دین اللہ اور دین الفطرت بھی کہا گیا ہے۔

"فاقم وجهك للدين حنيفا فطرت الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون" (۳۰/۳۰)

"اپنی تمام تر توجہ یکسو ہو کر اسی دین کی طرف لگا جو اللہ کی پیدائش (میں مشاہدہ ہو رہا) ہے جس پر انسان کی فطرت واقع ہوئی ہے۔ اللہ کا قانون فطرت کبھی نہیں بدلتا۔ یہ ہے دین درست واستوار۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

یہی دین القیم اسلام ہے۔ "ان الدين عند الله الاسلام"۔ جو عالم اسلام انسانی کا آئندہ مذہب ہوگا۔ اور غیر اسلام کوئی اور مذہب قبول نہ ہوگا۔

"ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وهو في الاخرة من الخسرين" (۳/۸۵)

"اور جو بھی غیر اسلام کوئی اور دین چاہے تو اس سے تسلیم نہ کیا جائے گا اور وہ آخر کار خسارہ میں رہے گا"۔

اس حد تک کل حکماء الٰہیات وطبعیات کا اتفاق ہے اور یہی دین الحق آنحضرت ﷺ پر کلیۃً منکشف ہوا۔

"هو الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله وكفى بالله شهيدا" (۴۸/۲۸)

"وہی اللہ ہے جس نے اپنا رسول عالم انسانی کی ہدایت کے لئے دین الحق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ اس پر اور اس کے ذریعہ کل عالم انسانی پر دین کلیۃً واضح ہو جائے اور

Marfat.com

اس پر اللہ کی شہادت کافی ہے۔

حکماء طبعیات قانون فطرت تو تسلیم کرتے ہیں لیکن واضع قوانین کے بارے میں مذبذب ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی دلیل انکار و اقرار کی تائید میں نہیں۔ انکار و اقرار دونوں بدلائل ثبوت کے محتاج ہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ آئندہ ذہنی ارتقا کے ساتھ کوئی شہادت مل جائے۔ ان کو "لا ادریہ" (AGNOSTIES) کہتے ہیں بات یہ ہے کہ اگر ان کی توجہ کا انہماک اس حقیقت میں ہوتا تو آئندہ زمانہ پر التوا کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا انکشاف گزشتہ ازمنہ میں کل انبیاء و رسل پر ہوتا رہا۔ جو اہل علم تھے اور اب بھی ہو سکتا ہے۔ اور اب تو سہل ہے کہ ان نفوس قدسیہ کی شہادت علمی بھی موجود ہے۔ بہر حال ذہنی ارتقا کا مذکور قرآن میں اس طرح ہے کہ

"فکیف تتقون ان کفرتم یوما یجعل الولدان شیبا السماء منفطر بہ کان وعدہ مفعولا ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا" (۲۹)

"اب تو تم انکار کر رہے ہو اس دن تو تقوی کرتے ہی بنے گی جب طفلان المکتب بھی بڑے بوڑھوں کی طرح باتیں کرتے ہوں گے۔ جب (اس ذہنی ارتقا کے ساتھ) آسمان کے حالات پوست کندہ منکشف ہوں گے۔ اس دن کا وعدہ ہو چکا ہے اور ہو کر رہے گا۔ یہ (قرآن) تو اسی دن کا تذکرہ ہے۔ تو جو بھی چاہے اپنے پروردگار کی طرف سیدھا راستہ اختیار کرے۔"

قرآن بخلاف ان مذاہب کے جو رائج الوقت ہیں اور مسیحی وغیرہ ناموں سے موسوم ہیں اور مخلوق سے وابستہ ہیں۔ عالم انسانی کو محمدی یا احمدی بنانے کے لئے نازل نہیں ہوا۔

"ولکن کونوا ربانیین" (۳۴)

اس لئے نازل ہوا کہ "تم اللہ والے بن جاؤ" اور حقیقت یہ ہے کہ کل انبیاء و رسل لوگوں کو اللہ والے ہی بنانے کے لئے مبعوث ہوتے رہے۔ لیکن عوام کی پست ذہنیت کا فائدہ اکثر اہل ہوا و ہوس نے اٹھایا خود تو گمراہ تھے لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔

Marfat.com

خلقیت دریں جنوں سرائے نیرنگ — نندانی اختراع چنیں فرہنگ
من بندہ آں کہ در ادب گاہ ثبات
چو عشق مجنوں نساز دو نیرنگ

المختصر یہ قومی تعصب اور قومیت کا احساس مٹ جائے گا۔ اور باہم اختلاف الوان ولسان جو فطری ہے انسان اپنے مقام "انسانیت" سے روشناس ہوگا۔ امر حق یہ ہے کہ اب بھی اہل بینش سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں۔ لیکن جہاں طوفان تمیزی برپا ہو ان کی سنتا کون ہے۔ لیکن وہ وقت دور نہیں جب یہ طوفان ختم جائے گا اور طبائع میں ایک گونہ سکون پیدا ہوگا تو لوگ عقل و فکر سے کام لیں گے۔

یہی احتیاج جس نے فطری پاکیزہ جذبہ عبودیت کو اب اہل ہوا و ہوس کا آلہ کار بنا رکھا ہے اپنا صحیح مقام پہچان لے گا۔

ارشاد قرآن ہے کہ

ان یشا یذ ہبکم ویات بخلق جدید، وما ذلك علی اللہ بعزیز، ولا تزر وازرة وزر اخری، وان تدع مثقلة الی حملها لا یحمل منه شئ ولو کان ذا قربی (۲۱/۱۵)،

"اگر اللہ چاہے تو (تمہاری اشکال بدل کر) تم کو نئی پیدائش میں لے آئے اور یہ اللہ پر کچھ مشکل نہیں اور (اس خلق جدید میں) کوئی ایک دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور اگر کوئی کسی کو خواہ وہ اس کا قریبی ہی کیوں نہ ہو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے کہے تو وہ کچھ بھی نہ اٹھائے گا۔"

ہر ایک شخص کی ذمہ داری کا بوجھ اس کے اپنے کندھوں پر ہوگا اور اس سے وہ کسی صورت میں سبک دوش نہ ہوگا۔ اور اس کی ایک ہی صورت ممکن ہے کہ احساس "احتیاج" ختم ہو جائے گا۔ جس نے بندگان خدا کو بندوں کا بندہ بنا رکھا ہے۔ لیکن جب تک انسان "عبد" ہے اور واجب ہے کہ عبد ہی رہے احساس احتیاج بھی باقی رہے گا۔ اس کا ہر جزو حقیقی حاجت روا کی طرف

دونوں انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہوگا۔ اگرچہ اس حالت کا صحیح تصور صاف صاف اور ممیز موجودہ احول میں مشکل ہے۔ لیکن قرآن حکیم اکثر آیات میں یہ حقیقت بیان فرما رہا ہے کہ

"بندوں کی بندوں پر ہر ایک قسم کی حکومت ختم ہو جائے گی اور ایک "اللہ واحد القہار" کی بلا واسطہ ہوگی۔ بلا واسطہ تو اب بھی ہے۔ واسطے خود اہل وہم نے پیدا کر رکھے ہیں۔ انہی کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

انسان کے تعلقات انفرادی حیثیت میں ایک تو اس کے ہم جنس انسانوں سے دوسرے کائنات سے تیسرے خالق کائنات سے ہیں اور تمام مذاہب کا موضوع بحث بھی یہی ہے کہ یہ تعلقات انسان کس طرح خوش اسلوبی سے نباہ سکتا ہے۔ اور یہی موضوع ہمارے تمام علوم وفنون کا ہے۔ یہ اہم مستقل موضوع ہے۔ اس کتاب میں تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں۔ قرآن عظیم خود کتاب علوم نہیں کتاب اصول علوم ہے۔ انسانی علوم کبھی کامل نہیں ہو سکتے۔ ہمیشہ تغیرات ان پر واقع ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان تغیرات کے محرک قوانین الٰہیہ ہیں جو خود تبدیل وتحویل نہیں ہوتے یہ اصول علوم ہیں اور انہی کی تفصیل اور بیان قرآن عظیم ہے

تفصیل "الکتٰب لاریب فیہ من رب العٰلمین" اور "ھٰذا بیان للناس"

ہم بیان کر چکے ہیں کہ "الکتٰب" صحیفہ فطرت ہے۔ اور ہمارے پاس یہی واحد معیار صداقت ہے۔ جس میں کوئی شک وریب نہیں۔ اسی پر کھوٹا کھرا پرکھا جا سکتا ہے۔ اسی کو قرآن میں "ام الکتٰب" سے موسوم کیا گیا ہے

"یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتٰب (۱۳/۱۲)

حٰم۔ والکتٰب المبین۔ انا جعلناہ قرٰنا عربیا

Marfat.com

لعلکم تعقلون ۔ و انہ فی ام الکتٰب لدینا لعلی حکیم۔ (۲۵/۳)

" جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے ۔ قسم ہے کتاب مبین کی، ہم نے ہی اسے عربی زبان میں قرآن بنایا تاکہ تم سمجھ سکو۔ اور تحقیق وہ ہمارے پاس ام الکتاب میں ہے ۔ جو بلند مرتبہ حکمت سے معمور ہے "

اسی کو "کتاب مکنون" بھی کہا گیا ہے ۔ اس لیے کہ اس کے حقائق پوشیدہ "الغیب" ہیں ۔

" انہ لقرآن کریم ، فی کتٰب مکنون ، لا یمسہ الا المطھرون ، تنزیل من رب العٰلمین (۲۷/۱۹)

" تحقیق یہ قرآن کریم کتاب مکنون میں ہے جسے پاک نفوس ہی چھو سکتے ہیں تمام کائنات کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے ۔

اسی کو "کتاب مبین" بھی کہا گیا ہے ۔

" طٰس ۔ تلک اٰیات الکتٰب و قرآن مبین ھدی و بشری للمؤمنین (۱۹/۱۶)

" یہ ہیں آیات قرآن کی اور کتاب مبین کی ، ہدایت اور بشارت اہل ایمان کے لیے ۔

چونکہ قرآن اسی کتاب کا بیان ہے ۔ اس لیے قرآن بھی مبین ہے ۔ الرٰ تلک اٰیٰت الکتٰب و قرآن مبین (۱۵/۱)۔ وہ آیات ہیں الکتاب کی اور قرآن مبین کی۔

" اللہ تعالیٰ اسی کتاب کے ذریعے نفوس قدسیہ سے کلام وحیاً یا من وراء حجاب فرماتا ہے ۔

" اتل ما اوحی الیک من الکتٰب" (۲۱/۱)

" پڑھ جو کچھ تجھے کتاب سے وحی کیا جاتا ہے "

Marfat.com

تمام پوشیدہ حقائق اسی "کتاب مبین" میں ہیں۔

وما من غائبۃ فی السماء والارض الا فی کتٰب مبین (۲۰)

"اور زمین اور آسمان میں کوئی پوشیدہ امر نہیں جو کتاب مبین میں نہیں۔"

کلام "من وراء حجاب" کی نسبت ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ خارجی کائنات کی اشیاء کے تصورات ہیں، اور یہ صورتیں ہیں جنھیں حقائق اشیاء رونما ہوتے ہیں۔ بیداری میں ہم عقلاً تذکرہ و تدبر و تفکر سے ان حقائق پر مطلع ہوتے ہیں۔ اور خواب میں بلا ارادہ ہی صورتیں یا ان کے تصورات ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ خواب میں ہمارے حواس ظاہری کا حجاب اٹھ جاتا ہے اور ہمارے قلب کی قوتیں اپنی پوری تمام سے سرگرم عمل ہوتی ہیں۔ تمام کائنات جس کا نقش ہمارے قلب پر ارادۃً یا بلا ارادہ ثبت ہو چکا ہے اب خارج سے ہمارے نفوس میں آ چکی ہے اگر ہمارے نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ بذریعہ تقویٰ ہو چکا ہے تو اس میں جسے لسان قرآن میں "ظل" سے موسوم کیا گیا ہے اور کائنات خارجی میں عین مطابقت ہوگی۔ اور اسی مطابقت کا شعور ہے جسے "علم" کہتے ہیں۔

چیست علم؟ ایمن بندرت چوں

ظل جمعیت ظہور و بطون

ہم بیان کر چکے ہیں کہ کتاب کائنات مصور ہے اور اس کی زبان کے حروف ہیں۔ ان صورتوں کو ان حقائق سے جو ان میں رونما ہوتے ہیں خاص مناسبت ہے۔ اگر اس تصویری زبان سے واقف ہوں اور رمز واقف ہیں تو ہم سمجھ سکتے ہیں۔ پھر یہ کچھ اشیاء ہم سے بیداری اور خواب میں کلام کرتی ہیں۔

نطق آبے نطق خاک و نطق گل

ہست محسوس حواس اہل دل

Marfat.com

ارشاد قرآنی ہے کہ

"ولدینا کتٰب ینطق بالحق" (۱۲/۲)

" اور ہمارے پاس کتاب ہے جو سچ ہی بولتی ہے "

اس حقیقت کے فہم کے لیے زیادہ ذہنی کاوش کی ضرورت نہیں ، ہمارے تمام عملی اکتشافات ناممکن ہوتے اگر اشیاء کائنات ہم سے گفتگو نہ کرتی - اہل فکر کو بیداری میں بھی جب کامل انہماک کسی موضوع میں ہوتا ہے تو ان پر خواب کی سی حالت طاری ہوتی ہے وہ اس موضوع پر جب کامل توجہ مبذول کرتے ہیں تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتے ہیں

فہم و تفہیم کے لیے یہ اشارات جن میں سے ہر ایک مستقل موضوع ہے کافی ہیں۔ عالم انسانی کا آئندہ مذہب یہی " دین الحق " ہوگا۔ لیکن جب تک عالم انسانی اس منزل تک پہنچے اسے کچھ مرحلے بھی طے کرنے ہیں، اور انہی راستے کو اختیار کرنا پڑے گا جو سیدھا منزل مقصود تک جاتا ہے - اسے قرآن میں " صراط مستقیم " سے موسوم کیا گیا ہے - اس صراط مستقیم پر قرآن انسان کی رہنمائی کر رہا ہے - انسان کج روی بھی اختیار کرتا ہے - اور سب جانتے ہیں کہ ایسا گمراہ شخص عذاب کے منہ آتا ہے - او رکس ندیدم کہ گم شد از رہ راست - ہم یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان خواہ کتنی ہی کج روی اختیار کرے - اور اگر طوعاً اس رستہ پر نہیں آتا اسے کرہاً آنا پڑتا ہے - اگر یہ صورت نہ ہوتی تو عالم انسانی میں ایک شخص بھی ہلاکت سے نہ بچتا - " ایحسب الانسان ان یترک سدیٰ " " کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے - اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تقاضہ ہے کہ انسان کو گمراہی سے بچائے - اور اگر نہ بچاتا تو یہ ذہنی اور مادی ترقی بھی ناممکن ہوتی

"ما من دابۃ الا ھو اٰخذ بناصیتھا ان ربی علی صراط مستقیم (۱۲/۵)

" اور کوئی چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی پیشانی میرے پروردگار کی گرفت میں نہ ہو - اور میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے "

Marfat.com

کسی شئے کی تخلیق کا مقصد اس شئے کا خالق ہی جانتا ہے - اور اس مقصد کی تکمیل کے لیئے اس کی ربوبیت ان اسباب سے کرتا ہے - جو اس شئے کے قبضہ تصرف میں دیتا ہے

" الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العلمین (۷/۵۴)"

" سن رکھو کہ پیدا کرنا اور پیدائش کا مقصد مقرر کرنا (اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے ربوبیت کرنا) اللہ رب العالمین کا کام ہے جو بہت برکات والا ہے "

ہم نے اس کتاب میں قدریہ جبریہ اور صفاتیہ وغیرہم کا ذکر کیا ہے - ان کے ذہن میں اپنے تصورات صاف صاف ممیز نہ تھے - اس لئے غلو سے کام لیا - جو کچھ کہتے ہیں بہت بڑی حد تک صحیح ہے - اگر افراط و تفریط میں نہ پڑتے تو یقیناً ان کے عقائد میں اختلاف بھی نہ ہوتا ہمیں تو سب سے اتفاق ہے - البتہ اہل ہوا و ہوس جو ظنیات میں الجھے ہوئے ہیں - تحقیق سے بعید تر ہیں - لیکن " بے مصلحت نیست ظہور شیطان " بعض فرقوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ظاہری رسوم شرعیہ جنہیں تکالیف شرعیہ سے موسوم کرتے ہیں ضروری نہیں تو قرآن میں یہ " اغلال " ہیں - جس میں دینی حکومت نے لوگوں کو جکڑ رکھا ہے - اور اسی کا خاتمہ آنحضرتؐ نے فرمایا - عبادات یعنی تعلق باخدا جسے صلوٰۃ سے موسوم کیا گیا ہے - اور معاملات یعنی تعلق با خلق خدا جو " زکوٰۃ " کا مفہوم ہے - نہایت سادہ ہیں - اگر تعلق باخدا صحیح ہو تو تعلق با خلق خدا خود بخود صحیح ہو گا - خلائق صورتوں ہی میں متصور ہو سکتے ہیں - ان تعلقات کی مناسب صورت (FORM) بھی واجب ہے -

بعض فرقوں نے انبیاء و رسل اور ائمہ دین کو خدائی کا درجہ دیا ہے - اگرچہ سب بشر تھے - اور ہم بحث کر چکے ہیں کہ " انا بشر مثلکم " کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں کہ سب بشر ہی تھے تو ان فرقوں کے اصل موضوع کے مطابق ہر ایک بشر خدائی کے درجہ پر فائز ہے - اور اگر یہ بشر کی مثل ہی تھے تو امتیاز پیدا کرنا قیاس مع الفارق ہے - بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے ان نفوس قدسیہ کو اخلاق کے ایسے درجہ پر دیکھا کہ جہاں ان کی رسائی نہ تھی اور ان کو فوق البشر خیال کیا - حالانکہ ان کے " اسوۂ حسنہ " کا تقاضہ تھا کہ وہ خود ان اخلاق حسنہ سے متخلق ہوتے نہ کہ ان کی پوجا کرتے -

Marfat.com

یہ نہایت ذلت شرافت انسانی کی ہے۔ انہی تصورات کا جن میں افراط و تفریط کارفرما ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "عقائد" کی زنجیروں میں انسانی آزاد فطرت جکڑی گئی۔ اور یہ وہ زنجیریں اور طوق ہیں۔ جن سے آنحضرت (ص) نے عالم انسانی کو سبکدوش کیا اور ان کی گلو خلاصی کی۔

بحر میں کوئی آشنا نہ سمجھ　　اپنی کشتی بھی آسرا نہ سمجھ

موج بھی ہے کسی کے بس کا روگ

ناخدا کو بھی خدا نہ سمجھ

Marfat.com

دیگر مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

انگریزی

آنے روپے

Engnelt

(۱) اسلامک آئیڈیالوجی (مصنف ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ایم۔ اے۔ ایل۔ بی۔ پی۔ ایچ ڈی)	۸—۸
(۲) فنڈمینٹل ہیومن رائٹس (مصنفہ ")	۸—۰
(۳) دی فلیسی آف مارکسزم (مصنفہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی)	۱۲—۰

اردو

(۴) عقائد واعمال (مصنفہ مظہر الدین صدیقی)	۱۲۔
(۵) اسلام میں حریت ، مساوات ، اخوت (مصنفہ خواجہ عباداللہ اختر)	۰—۱
(۶) اسلام اور حقوق انسانی (مصنفہ خواجہ عباداللہ اختر)	۴—۱
(۷) اسلام کا معاشی نظریہ (مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی)	۸—۱
(۸) دین فطرت (مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی)	۸—۱
(۹) اسلام کی بنیادی حقیقتیں (مصنفہ خلیفہ ڈاکٹر عبدالحکیم و دیگر رفقائے ادارہ)	۸—۲
(۱۰) اسلام کا نظریہ تعلیم (مصنفہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین)	۰—۱
(۱۱) اسلام کا نظریہ اخلاق (مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی)	۱۲—۱
(۱۲) علم تصوف (مصنفہ خواجہ عباداللہ اختر)	۰—۲
(۱۳) مقام سنت (مصنفہ مولانا محمد جعفر ندوی)	۰—۲
(۱۴) خلافت اسلامیہ (مصنفہ خواجہ عباداللہ اختر)	۴—۵
(۱۵) اصول فقہ اسلامی اور حدوداللہ و تعزیرات (مصنفہ خواجہ عباداللہ اختر)	۸—۲
(۱۶) اسلام کا نظریہ تاریخ (مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی)	۰—۳
(۱۷) تہذیب و تمدن اسلامی حصہ اول (مصنفہ رشید اختر ندوی)	۰—۵
(۱۸) تہذیب و تمدن اسلامی حصہ دوم (مصنفہ رشید اختر ندوی)	۸—۶

زیر طبع کتابیں

(۱) مسئلہ اجتہاد

(۲) قرآن اور علم جدید

(۳) اسلام میں حیثیت نسواں

(۴) ویمن ان اسلام

(۵) اسلام اینڈ کامیونزم

(۶) اکنامکس آف اسلام

ادارہ ثقافت اسلامیہ ۔ کلب روڈ ۔ لاہور

Marfat.com

مذاهبِ اسلامیہ

خواجہ عباد اللہ اختر
(رفیقِ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ)

4833

مطبوعاتِ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ لاہور
(پاکستان)

طبع اوّل

۱۹۵۲ء

ایکہزار

Marfat.com